سلسلۂ نصابات تعلیم جامعہ عثمانیہ

تاریخ اہل انگلستان

جلد چہارم

یعنی

جان رچرڈ گرین کی "اے شارٹ ہسٹری آف دی انگلش پیپل" کا اردو ترجمہ

انٹرمیڈیٹ کے لئے

مترجمہ

قاضی تلمذ حسین صاحب ایم۔ اے

رکن سررشتۂ تالیف و ترجمہ

جامعہ عثمانیہ

سنہ ۱۳۳۹ھ سنہ ۱۳۳۰ف سنہ ۱۹۲۱ع

مطبوعہ دارالطبع سرکار عالی حیدرآباد دکن

فہرست مضامین

باب نہم

		از صفحہ	تا صفحہ
	انقلاب	۱	۳۳۹

باب دہم

		از صفحہ	تا صفحہ
	انگلستان جدید	۳۴۰	۶۰۸

باب نہم

انقلاب

جزو اول

انگلستان و انقلاب

اسناد - معاشرتی تغیرات کے لئے پیپس اور ایولن کے تذکرے، ویچرلی اور ایتھرج کے ڈرامے اور لارڈ میکالے کا مضمون "ڈرامانویسان عہد رجعت" دیکھنا چاہیئے۔ انگریزی سائنس کی ابتدائی تاریخ کے لئے ہیلم کی "ادبی تاریخ" جلد ۴ (Literary History Vol IV) اور رائل سوسائٹی کی تاریخیں، مرتبہ ٹامسن یا ویڈ اور نیوٹن کی سوانح عمری مصنفہ سرڈی بروسٹر دیکھنا چاہیئے۔ سرڈبلیو مونٹسورتھ نے ہابس کی تصانیف کو ترتیب دیا ہے وہ بھی قابل قدر ہیں۔

انگلستان جدید چارلس دوم کے وہائٹ ہال میں داخل ہونے کے وقت سے انگریزی قوم کی طبیعت میں ایک گہرا اور دیرپا تغیر نظر آتا ہے اور اسی وقت سے انگلستان جدید کی ابتدا ہوتی ہے۔ انگلستان کی تاریخ پر اب تک جن امور کا

اثر پڑ رہا تھا وہ سب یک بیک لوگوں کے دلوں سے زائل ہو گئے تھے، زمانہ اصلاح، کا سیاسی اثر شاہی جدید کا شاہانہ اثر، ازمنہ وسطیٰ کا جاگیر دارانہ اثر اور اس سے بھی قدیم تر رسم و رواج کا اثر، سب ایک سرے سے بیکار ہو گئے تھے؛ رجعت شاہی کے بعد ہی انگلستان ان عظیم الشان خیالات و عملیات و واقعات کی رو میں آگیا. جو برابر وسیع تر و عمیق تر ہوتے جا رہے تھے؛ اس زمانے کا انگلستان بالکل موجودہ زمانے کا انگلستان معلوم ہوتا ہے؛ اس کی قوت عمل تمام تر صنعت و حرفت و سائنس کی جانب مصروف ہو گئی تھی، آزادی عامہ اور قانون سے اسے الفت تھی۔ معاشرتی معدلت و مساوات کی جانب اس کے قدم برابر آگے بڑھتے جا رہے تھے اور ہر قسم کے مذہبی، علمی. سیاسی رسم و رواج کو وہ خالص تعقل کے معیار پر پرکھنے کی طرف مائل ہوتا جاتا تھا؛ خاص خاص امور کے متعلق اس زمانے کے لوگوں اور رجعت شاہی کے قبل والے لوگوں کے خیالات میں بعد المشرقین نظر آتا ہے؛ موجودہ زمانے کے ایک عالم سیاسیات کے لئے سخت مشکل ہے کہ وہ کسی سیاسی مسئلہ پر لارڈ برلے یا اولیور کرامویل کے ساتھ موافق ہو کر بحث کر سکے سیاسی زندگی اور قومی بہبودی کے خیالات، حکومت کی بنا و اغراض اقتصادی و معاشرتی مسائل کے مباحث میں اسے ایک مبحث بھی ایسا نہ ملے گا جس میں اس کے خیالات ان لوگوں کے خیالات سے متفق ہو سکیں

لیکن رجعت شاہی کے بعد کے لوگوں، اور اس زمانے کے لوگوں کے خیالات میں کوئی ایسا مستقل فرق نہیں پایا جاتا۔ عملی نتائج کے متعلق جو کچھ بھی اختلافات رہے ہوں، مگر اس زمانے سے لیکر اس وقت تک انگلستان کی سیاسی، معاشرتی، علمی و مذہبی زندگی کی اصل بنا کے متعلق ایک معقول حد تک اتحاد خیال قائم رہا ہے۔ پیلی کو ٹلٹسن کے مطالب کے سمجھنے میں کچھ دقت محسوس نہیں ہوسکتی، نیوٹن اور سر ہمفری ڈیوی کے بیان و مفہوم میں ایسا فرق نہیں ہے کہ ان کا ربط دشوار ہو۔ جان لاک اور جیرمی بنتھم اگر حکومت و قانون کے متعلق باہم گفتگو کرتے تو کوئی امر اس کا مانع نہیں ہوسکتا کہ وہ ایک دوسرے کی بحث کو اچھی طرح نہ سمجھ سکتے۔

قدیم انگلستان سے جدید انگلستان کا نمودار ہوجانا اس قدر تعجب انگیز معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ دفعتہً ایک تغیر واقع ہوگیا ہے اور رجعت شاہی کے ظاہری حالات اس خیال کو اور قوی کردیتے ہیں، مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے، پیوریٹنون کا نصب العین یہ رہا تھا کہ "خدا کی بادشاہت"، کو دنیا میں اس طرح قائم کردیا جائے کہ ہر شخص اسے برای العین دیکھ سکے۔ انہوں نے اپنے اس مقصد کے حصول کے لئے شاہان اسٹوارٹ اور شاہان ٹیوڈر کے طرز عمل کو الٹ دیا تھا۔ ہنری ہشتم کے وقت سے چارلس اول کے وقت تک یہ سمجھا جاتا تھا کہ کلیسا ہی

پیوریٹینون کا مطمح نظر

کے اخلاقی و مذہبی اثر سے سلطنت کے معاشرتی و سیاسی اغراض حاصل ہوتے ہیں، لیکن "دولت عامہ" کے زمانے میں اس کے برعکس یہ خیال پیدا ہوگیا کہ سلطنت اصل ہے اور اسی کے سیاسی و معاشرتی اثر کے وسیلے سے کلیسا کے اخلاقی و مذہبی مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں، پیوریٹینون کے اصول کے موافق انگریز خدا کے برگزیدہ بندے تھے اور اپنے موقر "عہد و میثاق" کے باعث وہ خدا کی خدمت کے لئے وقف تھے اور بہ حیثیت قوم کے انکا کام یہ تھا کہ وہ خدا کی مرضی کو پورا کریں" اس قسم کے کام کے لئے ضرور تھا کہ اربابِ حکومت اور اہلِ قوم دونوں "خدا پرست" ہوں۔ اس لئے سرکاری ملازمت کے لئے زہد و ورع ایک خاص شرط قرار پایا گیا تھا، سپاہ کی ترتیب جدید نے فوج کو "اولیاء اللہ" سے بھر دیا تھا۔ پارلیمنٹ کا حکم تھا کہ "جبتک دارالعوام کو کسی شخص کے تورع کی طرف سے پوری طرح اطمینان نہو گا، اسے کوئی خدمت نہیں دی جائے گی"، جس عہد و میثاق نے قوم کو خدا کے ساتھ وابستہ کیا تھا، اسی عہد و میثاق نے یہ بھی لازم کر دیا تھا کہ قوم اپنے بنائے ہوئے قانون کی بہ نسبت خدا کے قانون کو زیادہ جوش کے ساتھ عمل میں لائے، کتاب مقدس ہمیشہ دارالعوام کی میز پر رکھی رہتی تھی، قسم کھانا، شراب پینا، زنا کرنا، مذہبی قانون کی طرح ملکی قانون کے رو سے بھی ممنوع قرار پاگیا تھا، زناکاری ایک ایسا جرم تھا کہ اس کے لئے پادری ملزم کو بھی

عدالت شاہی کے سامنے حاضر ہونا پڑتا تھا جن تصویروں کے نقش و نگار نئے اخلاقیات کے خلاف تھے ان سب کو جلانے کا حکم دیدیا گیا اور مجسمات کو تراش خراش کر اخلاق کی حد میں لایا گیا، اس عہد و میثاق نے صرف قوم ہی کو نہیں بلکہ قوم کے ہر فرد کو ایک ایسے خدا کا پابند بنادیا تھا جسے یہ فکر دامنگیر رہتی تھی کہ کوئی ایسی توہم پرستی نہونے پائے جس سے اس کے مخصوص حق عبادت میں خلل پڑجائے۔ لوگ کسی ایسے لہو و لعب میں مشغول نہوں جس سے ان کی توجہ کامل اسکی طرف سے ہٹ جائے، پیورٹینوں کی طبیعت میں محض زہد خشک تھا اور انہوں نے انگلستان کی عام دلچسپیوں میں سے نصف کو توہم پرستی کے نام سے مطعون کردیا تھا، عید میلاد کا منانا، اور مکانوں کا سدابہار درختوں اور بیلوں کے پھول پتوں سے سجانا، دیہات میں ناچ کے ستون کے گرد ناچنا، سب توہم پرستی میں داخل تھا۔ یہانتک کہ سنبوسوں کے کھانے کو پوپ پرستی سمجھا جاتا تھا۔ "خوش طبع انگلستان" کے ہنسی مذاق کھیل تماشوں کا اُس انگلستان میں کوئی ذکر ہی نہیں تھا جسے ایک ایسا اہم کام سپرد کیا گیا ہو۔ بیلوں یا بھالوؤں پر کتوں کا چھوڑنا گھڑدوڑ کرانا، مرغ لڑانا دیہاتوں میں ناچ تماشے کرنا، پہلی مئی کو ستونوں کے گرد ناچنا، سب ایک ہی سی سختی کے ساتھ بند کردیئے گئے تھے۔ پیورٹینوں اور ڈراما نویسوں میں جو کشمکش مدت سے چلی آرہی تھی اس کا خاتمہ اس پر ہوا

کہ تمام تھیٹر فوراً بند کر دیئے گئے۔

رجعت شاہی کے زمانیکی بازگشت رجعت شاہی نے جب چارلس کو وہائٹ ہال میں پہنچا دیا تو اس کے ساتھ ہی آناً فاناً تمام انگلستان کچھ سے کچھ ہوگیا۔ پیورٹینوں کے مہملات و ظلم و تعدی کے ساتھ ان کے تمام خیال۔ شریف ترین و بہترین خیالات بھی قوم کے گرداب نفرت

۱۶۶۳ میں پھنسکر دریا برد ہوگئے۔ چونکہ مذہب کو سیاسی و معاشرتی

۱۶۷۸ آزادی کا ذریعہ بنا دیا گیا تھا، اسلئے مذہب بھی اس سیاسی و معاشرتی زوال کے ساتھ زائل ہوگیا۔ اب تورع، ایک حقارت آمیز لفظ بن گیا۔ لباس، و کلام، عادات و اطوار میں خود داری کو نفرت انگیز پیورٹینی کی علامت سمجھا جانے لگا بٹلر نے اپنی کتاب ہوڈیبراس (Hudibars) میں گزشتہ حالات کا خوب ہی مضحکہ اُڑایا ہے، مگر پیورٹینی کی طرف سے عام نفرت اس مزاح سے زیادہ اس کتاب کے مقبولیت کا باعث ہوئی۔ ایک شاہ پرست نے محض مزاحاً پیورٹینوں کے الفاظ اور انہیں کے انداز میں اسقف اعظم شیلڈن کے ایوان واقع لیمبتھ میں ایک وعظ کہا اور خود اسقف اعظم نے اسے سُنا۔ ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر دو دو آدمیوں کا لڑنا اور بیہودہ بکنا، شرافت کی خاص نشانی سمجھی جاتی تھی اور بڑے بڑے مقدس اہل مذہب ان ایمانداروں، کی حماقتوں سے چشم پوشی کرتے تھے جو سارا سارا دن لڑنے جھگڑنے، جوا کھیلنے، قسم کھانے، شراب پینے، اور عیاشی کرنے میں گزار دیتے اور

رات کے وقت کسی نالی کے کنارے پڑ رہتے تھے طرحدار لوگوں کی زندگی ہرزہ سرائی اور ناے و نوش میں گزرتی تھی اس زمانے کے ایک افسانہ مضحک میں درباریوں کی تعریف کی گئی ہے کہ "وہ لباس اچھا پہنتے ہوں، ناچتے خوب ہوں، شمشیر بازی میں مشاق ہوں، عشقیہ خطوط لکھنے کا سلیقہ رکھتے ہوں، ان کی آواز دل لبھانے والی ہو، طبیعت میں عشق و محبت کا ذوق اور نفاست پسندی موجود ہو مگر ضرورت سے زیادہ راسخ الخیال نہوں،" رجعت شاہی کے بعد کی ہزلیات نے ان اوصاف میں بے شرمی و ستم شعاری کو طرہ کردیا کہ اس وقت ان باتون کا کسی طرح یقین بھی نہیں آتا۔ لارڈ روچسٹر ایک طرحدار شاعر تھا، اس نے اپنی بعض نظموں کے عنوان ایسے قائم کئے ہیں کہ اس زمانے میں کسی کی قلم سے ایسے الفاظ نہیں نکل سکتے۔ سرچارلس سڈنی ایک شوخ طبع ظریف تھا مگر اس کے الفاظ ایسے گندے ہوتے تھے کہ ایک بار اس نے کاونٹ گارڈن کے دربانوں کو مخاطب کرکے کچھ کہنا چاہا تو ان لوگوں نے کھڑکیوں کے اندر سے اس پر کیچڑ مٹی پھینکی۔ ڈیوک بکنگھم اس زمانے کا ایک عمدہ نمونہ ہے اور اس کی زندگی کا سب سے زیادہ خاص واقعہ یہ ہے کہ وہ لیڈی شروسبری کو بھگا لے گیا، اس کے شوہر سے ڈوِل لڑا اور اسے قتل کرکے اپنی اس حرکت کو درست ثابت کردیا۔ لطف یہ ہے کہ جس وقت بکنگھم لڑ رہا تھا خود لیڈی شروسبری ایک لڑکے کے بھیس میں اس کا

گھوڑا لئے ہوئے کھڑی تھی اور اپنے شوہر کے قتل کو دیکھ رہی تھی۔ تھیٹر اگرچہ معائب کا مجموعہ بن گیا تھا مگر حقیقت میں وہ عام خرابیوں کا آئینہ بھی تھا۔ زمانہ رجعت میں افسانہائے مسرت میں ہر شے میں فرانس کی تقلید کی جاتی تھی مگر فرانس کی شاعری، اس کی لطافت اور اس کی خوش مذاقی کو بالکل چھوڑ دیا گیا تھا، حالانکہ یہی وہ چیزیں تھیں جنہوں نے فرانسیسی افسانوں کے عیبوں پر پردہ ڈال دیا تھا۔ اغوا، سازش، ستمگاری، بدگوئی، عیاشی ان سب باتوں کو جان بوجھ کر مکالمات میں ایسے بدنما طریق پر ظاہر کیا جاتا تھا کہ کلام کی لطافت و ظرافت کے باوجود بھی ان سے نفرت پیدا ہوجاتی ہے۔ ویچرلی اس زمانے کا ایک ہردلعزیز ڈرامانویس اور تھیٹر کے لکھنے والوں میں سب سے زیادہ مخلط لکھنے والا تھا، اس زمانے کی بد اطواری کا ثبوت اس سے زیادہ نہیں مل سکتا کہ اس کے الفاظ کو زبان سے ادا کرنے والے ایکٹر اور ان کی تعریف کرنے والے تماشائی مہیا ہو سکتے تھے۔ ویچرلی ہی کے سے لوگ تھے جنہیں دیکھکر ملٹن نے اپنی بلند پایہ نظم میں شیطان کے ساتھیوں کا یہ نقشہ کھینچا تھا کہ "اس سے زیادہ بدکار کوئی روح آسمان سے نازل نہیں ہوئی۔ نہ اس سے زیادہ کسی کو فی نفسہ بدکاری سے محبت تھی" یہ ڈراما نویس خود اپنی ستائش کے طور پر کہتا ہے کہ وہ جو کچھ دنیا میں

دیکھتا ہے صاف اور بے لاگ طور پر اس کا خاکہ کھینچ دیتا ہے۔ ہنگامہ آرائی، تاک جھانک، واکسہال کی عیش پرستی، دربانوں سے جنگ و جدل، دروغ گوئی و بد عہدی، مفسدہ پردازی و بیوقوفی، بیٹیوں کے بیچنے اور شوہروں سے دغا کرنے، ان تمام باتوں کو بہت صاف صاف بیان کیا ہے مگر ڈیچرلی کی یہ بد زبانی اس زمانے کے اور لوگوں سے بڑھی ہوئی نہیں تھی۔ فسق و فجور کی رغبت، پاکبازی سے نفرت، اور پرہیزگاری و ایمانداری سے بدظن ہونے میں خود پادشاہ اپنی تمام رعایا کا پیشرو بنا ہوا تھا۔

ابتدائی تغیر

اس بازگشت عمل و خیال کی وسعت میں مبالغہ کرنا آسان ہے لیکن جہانتک اس وقت کے حالات سے پتہ چلتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عملاً اس کا زور صرف دارالصدر اور دربار تک محدود تھا۔ عام انگریز صرف اتنی بات سے خوش تھے کہ انہیں پہلی مئی کی خوشیاں منانے اور عید میلاد کے روز سبنو سے کھانے کی اجازت مل گئی تھی۔ رعایا کا بہت بڑا حصہ عقائد و معاشرت میں اب بھی پیوریٹینی طرز پر قائم تھا، البتہ پیوریٹینوں کے اکثر ظاہری طریقوں کو اس نے ترک کردیا تھا۔ خیالات کا تغیر بھی ایسا یکایک نہیں ہوا تھا جیسا بظاہر معلوم ہوتا ہے۔ پیوریٹینوں کی سیاسی قوت اگر برقرار بھی رہتی تو بھی یہ لازمی تھا کہ ان کا معاشرتی اثر بہت جلد زائل ہوجانا

وہ نوعمر جنھوں نے خانہ جنگی کے زمانے میں پرورش پائی تھی، اس سخت ظلم و ستم سے بالکل نا آشنا تھے جس نے ان سے ایک پشت پہلے کے لوگوں میں یہ جوش و خروش پیدا کردیا تھا۔ ان کے گرد و پیش جس قسم کی مذہبی و معاشرتی ابتری پھیلی ہوئی تھی، زمانے میں جس زور و شور کے ساتھ مباحثات و مناظرات کا بے پایاں سلسلہ جاری تھا، اس کا اثر ان پر یہ ہوتا تھا کہ ان میں تشکیک و تذبذب اور آزادانہ تحقیقات کا شوق پیدا ہوجاتا مذہبی جوش نے اگر کلیسائی روایات کے طلسم کو توڑ دیا تھا تو خود اسی کے غلو نے جوش مذہبی کے طلسم کو شکست کردیا تھا اور نئی نسل اس جوش سے متنفر ہوکر سیاسی حکومت اور روحانی عقائد کے متعلق میار عقل کی طرف متوجہ ہوگئی تھی جو نسبتاً زیادہ پر سکون اور زیادہ محفوظ عن الخطا طریقہ تھا۔ پیوریٹنی سرگروہوں تک کے لڑکے پیوریٹنی طریق سے کنارہ کش ہورہے تھے! خود کرامویل اپنے آخر زمانے میں بہت تلخکامی کے ساتھ یہ محسوس کرتا تھا کہ پیوریٹنی کا مقصد باطل ہوگیا ہے۔ وہ دیکھتا تھا کہ دیہات کے شرفا اس پرانے کلیسا کے طرف مائل ہوتے جاتے ہیں جس کی انھوں نے خود کسی وقت میں مخالفت کی تھی۔ پیوریٹنی طریق سے ان کے دستکش ہونے کا باعث یہ تھا کہ یہ طریق اپنے ساتھ مطلق العنانی کو لگا لایا تھا، اور

ایک قوی تر وجہ یہ بھی تھی کہ اس طریق سے جس مذہبی آزادی کا اظہار ہوتا تھا وہ ابھی اس قابل نہیں تھے۔ کرامویل یہ بھی دیکھتا تھا کہ عام لوگوں میں مقاومت کا مادہ سختی کے ساتھ پیدا ہوتا جاتا ہے۔ مادی قوت کے زور سے روحانی نتائج پیدا کرنے میں ہمیشہ ناکامی ہوتی رہی ہے اور اس وقت بھی ایسا ہی ہوا۔ عوام الناس کی لاپروائی و تنفّض کے باعث پیورٹنی کو شکست ہوگئی۔ یہ لوگ نہ تو قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں میں تھے نہ جوشیلوں کا ساتھ دیتے تھے۔ وہ اپنی معاشرت کے قدیم روایتی طریقوں کو قائم رکھنا چاہتے تھے اور اپنی خوش مذاقی و خوش طبعی کی وجہ سے پیورٹنی کے طریقہ کی اس رائے سے برگشتہ تھے کہ انسان کی زندگی کو ایک سانچے میں ڈھال دیا جائے اور بزور قانون جبراً اسے نافذ کیا جائے۔ خود پیورٹینوں کی زشتی اعمال نے بھی ان کے مذہبی طریق کو شکست دی۔ تورع جب ایک نفع بخش شئے بنگئی تو پھر ایک "ولی" اور ایک ریاکار میں تمیز کرنا مشکل ہوگیا جو لوگ درحقیقت سچے پیورٹین تھے ان سے بھی اس آسودگی کے زمانے میں ایک طرح کی نخوت، دنیاداری اور خود غرضانہ سختی ظاہر ہونے لگی تھی جو ان کی دار و گیر کے زمانے میں دلوں کے اندر دبی ہوئی تھی۔ کرامویل کے آخر زمانے کی تقریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین اس کے قدموں کے

نیچے سے نکلتی چلی جارہی ہے۔ اب وہ یہ خواب نہیں دیکھتا تھا کہ تمام انگلستان پیورٹین ہوگیا ہے اور تمام قوم خدا کی فرمانبردار بن گئی ہے۔ وہ اپنی نوجوانی کے زمانے کے جملوں کو پھر استعمال کرنے لگا تھا کہ "اولیاء اللہ" ایک مخصوص فرقہ، اور عام قوم کا ایک جزو برگزیدہ ہے۔ مگر جو اثرات فی الواقع کرامول کی کوششوں کو بیکار کر رہے تھے اور اس کی آنکھوں کے سامنے ایک ایسے نئے انگلستان کی بنا ڈال رہے تھے جسے وہ مایوسی کے ساتھ دیکھتا تھا، ان موثرات کی قوت کا اندازہ کرنا اس کے لئے مشکل تھا۔ خانہ جنگی کے شروع ہونے کے قبل ہی وسیع المشرب (Latitudinarian) اہل مذہب کا ایک چھوٹا سا گروہ گریٹ ٹیو میں لارڈ فاکلینڈ کے گرد جمع ہوگیا تھا۔ جس سال بادشاہ نے اپنا علم شاہی ناٹنگھم میں بلند کیا ہے اسی سال ہابس نے حکومت کے متعلق اپنی پہلی تصنیف شائع کی تھی آخری شاہ پرست نے جس وقت ہتیار ڈالا ہے اس کے بعد ہی آکسفورڈ میں ولکنز کے گرد وہ چھوٹا گروہ جمع ہورہا تھا جو بعد میں رائل سوسائٹی کے نام سے مشہور ہوا۔ علمی مبصرین کے اسی گروہ میں آنے والی نسلوں کے میلان طبیعت کا راز مخفی تھا، مذہب و سیاسیات کے تکلیف دہ مباحث میں اتنے دنوں تک بیکار پریشاں ہونے کے بعد انگلستان اپنے گرد و پیش کی طبعی دنیا، اس کے مظاہر قدرت کے مشاہدے اور ان مظاہر قدرت کے اصول و قانون کی

ذہنی تحریک

دریافت کی طرف متوجہ ہو چلا تھا۔ علوم طبعی کے مطالعہ کے متعلق ایک عام جوش پیدا ہو گیا تھا، اور اب مشاہدے، مقابلے اور تجربے کی بنا پر تحقیقات کا جو طریقہ قائم ہوا اس نے قدیم طریقوں کو تقویم پارینہ بنا دیا؛ مذہب میں، سیاسیات میں فطرت و انسان کے مطالعہ میں غرض ہر شے میں مذہب کے بجائے عقل اور رسم و رواج کے بجائے تحقیقات آئندہ زمانے کا شعار قرار پاگئی۔ قدامت کی بساط دفعتہً لپیٹ دی گئی اور آخرالامر جدید انگلستان نے فرنسیس بیکن کی صلائے عام کو سنا اور اسپر کار بند ہوا۔

انگریزی سائنس کی ابتدا۔ بیکن نے اس قسم کی تحقیقات و مطالعہ کے لئے اس سے بہت قبل لوگوں کو بآواز دہل بلایا تھا، مگر انگلستان میں بیکن اپنے زمانے سے بہت آگے بڑھا ہوا تھا۔ طبیعیات کا شیوع جس سستی و کمزوری کے ساتھ انگلستان میں ہوا ایسا یورپ کے کسی اور ملک میں نہیں ہوا۔ رجعت شاہی کے قبل انگلستان میں صرف دو تحقیقیں ایسی ہوئی تھیں جن کی کچھ وقعت ہو سکتی تھی؛ ایک تو الیزبتھ کے اختتام عہد کے قریب گلبرٹ کی یہ تحقیق کہ اجسام سماوی میں قوت مقناطیس موجود ہے، دوسرے جیمز کے زمانے میں ہاروے کی یہ تحقیق و تعلیم کہ خون جسم میں دورہ کرتا ہے۔ ان چند روشن ناموں کے سوا براعظم کی علمی تحریک میں انگلستان کا حصہ بہت کم نظر آتا ہے۔ خانہ جنگی نے

اس کی تمام طاقت کو مذہب و سیاسیات کے پھیر میں ڈال دیا تھا لیکن جنگ ابھی اختتام کو نہیں پہنچی تھی کہ لندن میں طلبہ کا ایک چھوٹا سا گروہ جمع ہوگیا جو "طبعیات وغیرہ خاصکر فلسفہ جدید کا شائق تھا، جو فلورنس کے گلیلیو اور انگلستان کے سرفرنیسس بیکن (لارڈ درولم) کے وقت سے اطالیہ فرانس جرمن اور دوسرے ممالک میں بہت کچھ ترقی کرگیا تھا، اور انگلستان میں بھی اس کی اشاعت ہوچلی تھی" درحقیقت اس زمانے کی جنگ و جدل نے لوگوں کی طبیعتوں کو تحقیقات فطرت کی طرف مائل کردیا تھا۔ رائل سوسائٹی کا پہلا مورخ یعنی اسقف اسپریٹ کہتا ہے کہ "ہر وقت کسی نہ کسی مذہبی مسئلہ میں غرق رہنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس چیز سے لوگ ظاہرا ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں در پردہ اسی کے ہو رہتے ہیں ملکی معاملات اور وطن کی تباہی پر رات دن سوچتے رہنے سے بے ضرورت رنج و غم طاری ہوجاتا ہے اس حالت میں صرف فطرت ہی ایک ایسی چیز ہے جس پر غور و فکر کرنے سے لطف حاصل ہوسکتا ہے" اس گروہ میں سب سے پیش پیش ڈاکٹر والس اور ڈاکٹر ولکنز تھے، پیورٹین معائنہ کنندوں نے آکسفورڈ کے دارالعوام کو تھوڑے ہی زمانہ قبل ازسرنو ترتیب دیا تھا۔ اب ان دونوں شخصوں کے وہاں آجانے سے مذکورۂ بالا چھوٹا سا گروہ دو انجمنوں میں منقسم ہوگیا۔ ان دونوں میں زیادہ نمایاں "آکسفورڈ سوسائٹی" تھی جس کے اجلاس ڈاکٹر ولکنز

کے مکان پر ہوا کرتے تھے جو واڈہم کالج کا وارڈن (صدر) ہوگیا تھا۔ اس انجمن میں مشہور ریاضی داں ڈاکٹر وارڈ اور انگلستان کے سب سے پہلے عالم اقتصادیات سر ولیم پیٹی کے نام شامل ہیں۔ والس کہتا ہے کہ "سلطنت و مذہب کے معاملات سے ہمیں کچھ سروکار نہ تھا ہم فلسفیانہ تحقیقات اور اس کے متعلقات پر غور و بحث کرتے تھے۔ ہمارے مباحث میں طبعیات تشریح اجسام مساحت، ہیئت، جہاز رانی، سکونیات، مقناطیسیات کیمیا، علم الحیل اور تجربات فطرت سب داخل تھے۔ یہ علوم اس زمانے میں ہمارے ملک اور دوسرے ممالک میں جس طرح شائع و ذائع تھے ہم ان پر بحث کرتے تھے۔ دوران خون، دودھ کی شریانوں کے حالات، عضلات غدودیہ، کوپرنیکس کے مفروضات، ودارستاروں اور نئے سیاروں کی حقیقت، مشتری کے توابع، زحل کی بیضوی شکل، آفتاب کے دھبے اور اس کا اپنے محور پر گردش کرنا، چاند کا گھٹنا بڑھنا اور اس کی ماہیت، زہرہ و عطارد کی مختلف ہیئتیں، دوربین کی ترقی، اس کے لئے شیشوں کا تیار کرنا، ہوا کا وزن، خلا کا ممکن یا محال ہونا، فطرت کا خلا کو ناپسند کرنا، پارے کو نلیوں میں ڈال کر اس کا تجربہ کرنا، ثقیل اجسام کا نیچے گرنا اور ان کی رفتار کا تناسب باہمی، اور ان کے علاوہ فطرت کے اور بھی تمام مسائل میں سے کوئی مسئلہ ہمارے احاطۂ بحث سے خارج نہیں تھا۔"

ارباب تحقیقات کا دوسرا چھوٹا سا گروہ جو لندن میں رائل سوسائٹی

(انجمن شاہی) رنگیا تھا وہ رچرڈ کرامویل کے زمانے کی پریشانیوں میں درہم برہم
ہوگیا تھا۔ لیکن رجعت شاہی کے بعد آکسفورڈ کے گروہ کے زیادہ
ممتاز ارکان کے لنڈن واپس آجانے سے وہ پھر بحال ہوگیا،
سائنس کا شوق یک بیک اس زمانے کی وضع میں داخل
ہوگیا، چارلس خود بہت اچھا کیمیا داں تھا اور جہاز رانی کے
مسائل سے اسے خاص دلچسپی تھی۔ ڈیوک بکنگھم اکثر اپنی شعرخوانی،
شراب نوشی اور رباب نوازی کو چھوڑ کر کیمیاوی تجربات کے
کمرے میں وقت گزار دیتا تھا، ڈرائڈن اور کاولے جیسے شاعر
سر رابرٹ مرے اور سر کینلیم ڈگبی کے سے درباری اس علمی مجلس میں
شریک ہوگئے تھے: جسے بادشاہ نے اپنی اظہار دلچسپی کے طور
پر رائل سوسائٹی (انجمن شاہی) کا نام عطا فرمایا تھا خانہ جنگی
کے زمانے کی افواج شاہی کا جلیل القدر سردار شہزادہ ریوپرٹ
اپنے بڑھاپے میں تصویر کشی کی علمی تحقیقات میں مشغول رہتا تھا
اور شیشے کے چند عجیب و غریب کھلونے جو اسی کے نام سے
منسوب ہیں اس کی تحقیقات کے یاد تازہ کرتے ہیں، ظریف الطبع
اور بیفکر اشخاص اس نئی انجمن کے جلسوں میں بڑی کثرت
سے جمع ہوتے تھے، لارڈ سامرس سے مدبر اس انجمن کے
صدر منتخب ہونے کو باعث فخر سمجھتے تھے، اس انجمن کے
پختہ طور پر قائم ہوجانے سے انگلستان کی علمی تحقیقات
۱۶۶۲ کے ایک بہت بڑے دور کی ابتدا کا نشان ملتا ہے
اس کے بعد سے ہر نصف صدی کے بعد یہ صاف نظر آتا

ہے کہ معلومات انسانی کی تحقیقات وسعت میں ایک قدم آگے بڑھ گیا ہے۔ انگلستان کی پہلی رصدگاہ گرنیج میں قائم ہوئی اور جدید علم ہیئت کی ابتدا انہیں مشاہدات سے ہوئی جنھوں نے فلیمسٹیڈ کے نام کو غیر فانی بنادیا ہے۔ اسکے جانشین ہیلی نے مدوجزر، ومدارستارے اور اجرام سماوی کی قوت مقناطیسی کی تحقیقات کا کام انجام دیا۔ ہک نے خوردبین کو ترقی دی اور خوردبین کے ذریعہ سے جو تحقیقات ہوتی تھی ان میں ایک نئی قوت پیدا کردی۔ بوائل نے ہوا پمپ کے ذریعہ سے علم ہوا کو ترقی دی اور تجرباتی کیمیا کا بانی کہلایا۔ ولکنز نے ایک عالمگیر زبان کی تجویز مرتب کرکے علم السنہ کی پیشروی کی۔ سڈنہم نے فطرت و واقعات کے باحتیاط مطالعہ کا ایسا طریقہ نکالا کہ ادویات کی تمام صورت ہی بدل گئی۔ ولس کی تحقیقات علم الاجسام نے سب سے پہلے دماغ کی ترکیب پر روشنی ڈالی ووڈوارڈ علم معدنیات کا بانی تھا جان رے پہلا شخص تھا جس نے ولوبی کی کتاب علم الطیور، کو مرتب کرکے اور "مچھلیوں کی تاریخ" لکھکر سب سے پہلے علم الحیوانات کو علم کے درجے پر پہنچایا۔ اسی نے سب سے پہلے اپنی کتاب "فہرست دواب" میں جانوروں کی تقسیم علمی کی کوشش کی، جدید علم بناتات بھی اسی کی "تاریخ اشجار" اور آکسفورڈ کے ایک پروفیسر رابرٹ ماریسن کی تحقیقات سے شروع ہوا۔ گریو

اور مالپیگی نے نباتات کے خواص دریافت کرنے میں خاص شہرت حاصل کی۔ یہ تمام نام اگرچہ بجائے خود بہت موقر ہیں مگر آئزک نیوٹن نیوٹن کی درخشانی کے آگے کسی کی کچھ حقیقت نہیں رہتی۔ نیوٹن،
۱۶۴۲ لنکشایر میں بمقام وولس تھارپ اس یادگار سال کی میلاد مسیح کے روز پیدا ہوا تھا، جس سال خانہ جنگی کا آغاز ہوا ہے۔ رجعت شاہی کے سال میں وہ کیمبرج میں داخل ہوا، جہاں آئزک بیرو کی تعلیم نے اس کی ریاضی کی طبعی ذہانت کو اور تیز کردیا اور ڈیکارٹ کے طریقہ نے علوم کے قدیم طریقہ مطالعہ کی رغبت اس کے دل سے زائل کردی۔ کیمبرج کی تعلیم ختم کرکے وہ عظیم الشان طبعی انکشافات میں مشغول
۱۶۶۵ ہوگیا۔ تیئیس برس کی عمر میں اس نے تفرق کا نظریہ قائم کرکے سیاروں کی گردش کے حساب لگانے میں آسانی پیدا کردی۔ منشور مثلثی کے تجربات میں اس نے علم النور کے متعلق دریافتیں کیں اور جب وہ کیمبرج میں ریاضی کا پروفیسر ہوا تو اس کے کچھ حالات اپنے لکچروں میں بیان کئے۔ رائل سوسائٹی کے فیلو (رفیق) مقرر ہونے پر اس نے ان تجربات کو اپنے "نظریہ نور" میں مستقلاً مندرج کیا۔ اس نے قانون تجاذب کی تحقیق ۱۶۶۶ء ہی میں کرلی تھی لیکن قطر زمین کے متعلق جو غلط خیال اس وقت عام طور پر پھیلا ہوا تھا اسکی وجہ سے وہ سولہ برس تک اس کے ظاہر کرنے سے رکا رہا۔ اور انقلاب کے قریب تر زمانے میں اس نے اپنی کتاب

پر نسپیا (Principia) شائع کی جس سے دنیا کو عالم
کائنات کے متعلق اس کے نئے نظریئے کا علم ہوا۔ ۱۶۸۷

لیٹیٹیوڈنیرین (وسیع المشرب)

مذکورۂ بالا مختصر حد کے اندر اس سے زیادہ ممکن نہیں ہے کہ زمانہ رجعت میں علمی خیالات میں جیسی حیرت انگیز مستعد کاری کا اظہار ہوا اس کی کیفیت سرسری طور پر بیان کردی جائے۔ لیکن اس مستعد کاری نے لوگوں کی طبیعتوں کو تشکیک و تجربہ کی طرف مائل کردیا، اور اس کا اثر دنیا کے ہر ایک کام پر پڑنے لگا۔ خانہ جنگی کے قریب زمانے میں گریٹ ٹیو میں لارڈ فاکلینڈ کے گرد ذی علم اشخاص کا جو گروہ جمع ہوگیا تھا اس نے دینیات کے متعلق آزادخیالی سے کام لیکر ایک وسیع المشرب مذہب قائم کردیا جس میں مذہبی خیالات کو عقل و تجربہ سے تطبیق دینے کی کوشش کی گئی تھی۔ فاکلینڈ کی سیاسی زندگی کے متعلق تاریخ جو کچھ بھی حکم لگائے مگر مذہبی خیالات کی تاریخ میں اس کا نام ہمیشہ یادگار رہے گا۔ اس نے جن لوگوں کو اپنے گرد جمع کیا تھا ان کے غور و فکر سے انگلستان کی دینیات میں ایک نیا دور شروع ہوگیا۔ ان لوگوں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جس طرح طبیعی تحقیقات کے معاملہ میں بیکن نے روایات کی سند کو قبول کرنے سے انکار کردیا تھا اسی طرح ان لوگوں نے عقائد کے معاملات میں اس سے انکار کردیا اور طبعیات کی طرح دینیات میں بھی صداقت کا معیار

عقل کے غلبہ پر قرار دیا۔ ونڈسر کے کینن (منتظم مقیم) ہیلس
اور لاڈ کے دوست جان ہیلس نے کلیسا، پوپ اور مجالس مذہبی کے متعلق مختصراً یہ کہدیا تھا کہ "ان میں سے کسی کی کوئی سند نہیں ہے"۔ اس نے قبولیت عام کے میعار کو حقارت کے ساتھ مسترد کردیا اور کہا کہ "قبولیت عام صداقت کا ایک ایسا میعار ہے جس سے خود صداقت کو شرم آتی ہے"۔ فی الاصل انسانی استناد کا سب سے عجیب اور سب سے قوی حصہ عاقل ترین اور نیک ترین لوگوں پر مشتمل ہے اور میں یقین کے ساتھ جانتا ہوں کہ ایسے لوگوں کی
چلنگورتھ تعداد زیادہ نہیں ہے"۔ ولیم چلنگورتھ کی طبیعت میں اگرچہ ہیلس کی سی تیزی نہیں تھی مگر وسیع النظری میں وہ اس سے بڑھا ہوا تھا۔ اس نے اولاً مذہب کیتھولک اختیار کیا اور پھر بہت جلد اس سے کنارہ کش ہوگیا۔ اسے یہ خیال پیدا ہوگیا تھا کہ عقیدے کے معاملہ میں اپنی ذاتی رائے کے سوا اور کوئی بنا قابل اطمینان نہیں ہے۔ اس نے ایک کتاب "پروٹسٹنٹوں کے مذہب" کے نام سے لکھی تھی اور کتاب مقدس کے مقابلے میں کلیسائی روایات اور کلیسا کے اقتدار کو باطل قرار دیا تھا، لیکن خود کتاب مقدس کے متعلق اس کی رائے یہ تھی کہ اس کا وہی مفہوم لینا چاہیئے جو ایک عام آدمی سمجھتا ہے۔ جرمی ٹیلر، انگلستان
ٹیلر کے واعظوں میں سب سے زیادہ نمایاں شخص نظر آتا ہے۔

چلنگورتھ کی طرح اس نے بھی پُر آشوب زمانے میں بادشاہ کی طرفداری میں مصیبتیں اُٹھائی تھیں اور رجعت شاہی کے بعد اسے ڈاؤن کی اسقفی عطا ہوئی تھی۔ اس نے خود انجیلوں کی سند کو محدود کردیا تھا۔ ٹیلر کے نزدیک کتاب مقدس کی تاویل صرف عقل ہی کے ذریعہ سے ہوسکتی تھی۔ طبعی مذہب کی سادہ ترین صداقتوں کے سوا "اور کوئی شے ایسی نہیں ہے جس میں دھوکھا کھاجائے کا احتمال غالب نہو"۔ اناجیل کے الفاظ سے عقائد کے اخذ کرنے میں بہت سی دشواریاں درپیش تھیں۔ انسان کی سمجھ کے ناقص ہی اختلافات کے باعث ہر طرح کی غلطی اور عدم تیقن کا احتمال تھا۔ صداقت کے دریافت کرنے میں طرح طرح کے مشکلات حائل تھے۔ اور صداقت کے قبول کرنے اور اس کا صحیح اندازہ کرنے میں مختلف امور طبیعتوں پر اثر ڈال رہے تھے۔ چلنگورتھ کے سے شخص کو صاف نظر آتا تھا کہ تحکم سے انکار کرنے اور حقیقی صداقت کے دریافت کرنے میں عقل جس طرح مذہب کیتھولک کے معصوم عن الخطا ہونے کے خلاف ہے اسی طرح وہ پروٹسٹنٹ عقائد کے بھی خلاف ہے۔ اس کا قول تھا کہ "اس دعوی تحکم میں پروٹسٹنوں کی اگر کوئی خطا ہے تو وہ دعاوی کی کمی نہیں بلکہ ان کی زیادتی ہے۔ کلیسا کی تمام تفرقوں کی بنا اور ان کے ہمیشہ باقی رہنے کی اصلیت یہ ہے کہ انسان نے اپنی سمجھ کے موافق خدا کے الفاظ

کی تاویل میں کچھ باک نہیں کیا۔ اپنے محدود قویٰ کو خدا کے عام الفاظ پر عائد کیا اور اپنے اس مفروض خیال کو قتل و تعذیب کے خوف سے بجبر لوگوں سے منوانا چاہا اور اپنے عُجب و نخوت سے یہ سمجھ لیا کہ وہ خدائی معاملات کو خود خدا کے الفاظ سے بہتر طریق پر بیان کرسکتا ہے۔ اور پھر اپنی ان تاویلات کو قابل پرستش قرار دیکر جبراً و قہراً انہیں لوگوں پر مسلط کرنا چاہا" جرمی ٹیلر نے اپنی "کتاب تفسیر انجیل کی آزادی" (Liberty of Prophesying) میں رواداری کی تائید ایسے قوی دلائل سے کی ہے کہ ان کے موثر ہونیکے لئے وسیع المشربوں کی دینیات آزاد خیالوں کی کامیابی اور نیزبی کی شکست کی ضرورت نہیں باقی چھوڑی ہے۔ لیکن انڈپنڈنٹ (آزاد خیالوں) نے جس آزادی ضمیر کی بنا خدا اور ہر شخص کے روحانی تعلق پر قائم کی تھی ان وسیع المشربوں نے اس کی بنا استناد کی کمزوری اور عقل انسانی کے ناقص ہونے پر قرار دی۔ ٹیلر، رومن کیتھولک اور انابیپٹسٹ تک کا جانبدار تھا۔ وہ صرف ان مذہبوں میں ملکی حکام کی مداخلت کا روادار تھا جن کے اصول حکومت کے برباد کرنے والے ہوں یا احیاناً وہ بُری طرح زندگی بسر کرنے کی تعلیم دیتے ہوں" ہیلیس علانیہ یہ کہتا تھا کہ اگر کلیسا مجھ سے یہ یقین کرنے کو کہے کہ جو شخص کلیسا سے اختلاف کرے گا وہ مردود ہے تو میں کل ہی کلیسا سے الگ ہوجاؤں"۔ چلنگورتھ نے

ان آتش انگیز الفاظ میں دارو گیر کی مذمت کی ہے کہ "انسان کے الفاظ کو خدا کے الفاظ نہ سمجھنے پر لوگوں پر تشدد کرنے، انہیں آگ میں جلانے، ان پر لعنت کرنے انہیں مردود قرار دینے کو ترک کرو۔ عیسائیوں سے صرف حضرت عیسیٰ کے یقین کرنے کو کہو اور ان کے سوا کسی اور کو ان کا مالک و آقا نہ کہلواؤ۔ جن لوگوں کو معصوم ہونے کا کوئی حق نہیں ہے وہ اپنی عصمت کے دعوے کو ترک کردیں، اور جو لوگ قولاً اس سے تبرا کرتے ہیں عملاً بھی اس سے تبرا کریں۔ پروٹسٹنٹ اگر دوسروں کے عقائد کی وجہ سے ان پر ظلم کریں۔ تو وہ ہرگز قابل درگزر نہیں ہیں"۔ یہ وسیع المشرب تعصب کی مذمت کرتے کرتے اس اتحاد عام کا خواب دیکھنے لگے جو مور کی یوٹوپیا شائع ہونے کے وقت سے تمام نیک خیال لوگوں کے دلوں میں ایک ٹیس پیدا کر رہا تھا۔ ہیلس نے کلیسائے انگلستان کے ساتھ اپنی وفاداری کی وجہ یہ قرار دی تھی کہ انگلستان کا کلیسا تمام عالم عیسوی میں سب سے زیادہ وسیع الخیال اور سب سے زیادہ روادار کلیسا ہے۔ چلنگورتھ نے اس طرف اشارہ کیا تھا کہ کیونکر عقلی مذہب کے سادے اعتقاد سے اس اتحاد عام کی بہت سی دقتیں رفع ہوجاتی ہیں۔ مور کی طرح وہ بھی اس امر کا خواہاں تھا کہ "خدا کی عام عبادت کی ترتیب ایسی ہونا چاہیے، کہ جتنے لوگ انجیل کا اعتقاد رکھتے اور اس کے موافق

زندگی بسر کرتے ہیں وہ سب بغیر کسی دشواری، ریاکاری یا عذر و اعتراض کے اس میں شریک ہوسکیں۔" چلنگورتھ کی طرح ٹیلر نے بھی اتحاد عام کی امید کا مدار عقائد کی سادگی پر رکھا تھا۔ عیسوی کلیساؤں نے عقائد و استغفار کے جس قدر طریقے معین کئے تھے، چلنگورتھ کی نظر میں سب میں غلطی کا احتمال غالب تھا۔ اس کا قول تھا کہ "اس قسم کے عقائد و اعتراف گناہ کے طریقوں سے بہت نقصان ہوگا۔ درحقیقت افتراق پیدا کرنے والا وہی ہے جو غیر ضروری اور تکلیف دہ قواعد بنائے۔ وہ شخص تفرقہ پرداز ہرگز نہیں ہے جو اپنے ایقان سے مجبور ہوکر ان کے خلاف عمل کرے۔" اس کا خیال تھا کہ کلیسا کو عام اتحاد عیسوی پر اگر کسی شرط کے عائد کرنے کا حق ہے تو وہ صرف "حواریوں کا عقیدہ" ہے بشرطیکہ اس کے لفظی معنی لئے جائیں۔ رجعت شاہی کے بعد ان وسیع المشربوں کو فوراً ہی سب پر تقدم حاصل ہوگیا۔ وہ اپنے خیالات کے باعث بہت جلد پیوریٹن اور پیروان ہائی چرچ دونوں سے الگ نظر آنے لگے۔ عقائد مسلمہ سے ان کی مخالفت، روایات خواہ کتاب مقدس کی ہوں یا کلیسا کی سب کے مقابلہ میں عقل کی ترجیح، فطری اصول پر مذہب کی بنیاد، تصحیح رائے کے بجائے پاکیزہ زندگی بسر کرنے کی جانب ان کا میلان، اتحاد عام کیلئے رواداری و وسیع المشربی کی تائید، ان تمام امور نے انھیں ممتاز

زمانہ مابعد کے وسیع المشرب

بنا دیا تھا، بہچین طبیعت و خوش فہم برنیٹ روشن خیال و پاکباز
ٹلٹ سن، متین و ذی علم اسقف ٹلمر، چلنگورتھ اور ٹیلر کے جانشین
ہوئے۔ جس زمانے میں یہ لوگ مذہبی خیال میں یہ تحریک
پیدا کر رہے تھے، اسی زمانے میں ایک اور شخص جس کی
وسعت نظر و حدت ذہن ان لوگوں سے بدرجہا بڑھی ہوئی
تھی سیاسی و معاشرتی امور کی تحقیقات میں اسی قسم کی
تحریک پیدا کر رہا تھا۔

یہ شخص[ع۵] بیکن کا نہایت عزیز سکرٹری (کاتب)، ٹامس ہابس ہابس
ہابس تھا۔ آبری لکھتا ہے کہ "لارڈ بیکن اسے بہت عزیز
رکھتا تھا، اور درختوں کے جن نازک کنج میں بیٹھکر وہ
غور و فکر کیا کرتا تھا، اس میں ہابس کی آمد و رفت کو
پسند کرتا تھا۔ جب کوئی خیال بیکن کے ذہن میں آتا، وہ
اسے فوراً ہابس کو لکھا دیتا۔ لارڈ موصوف کا قول تھا کہ
جتنے اشخاص میرے پاس ہیں ہابس سب سے بہتر اس کام کو

ع۵ ہابس کے خیالات کی نقل بمصداق نقل کفر کفر نباشد ہے خود مصنف نے بھی بعنوان شائستہ
اس کی تعریض کر دی ہے اور اس کا خلاف مذہب ہونا صریحاً و بداہتہً ظاہر ہے پس
اس کا بیان ایک تذکرہ سے زیادہ نہیں ہے۔ انگلستان پر کسی زمانے میں اس کا اثر
ضرور پڑا تھا مگر اب تو وہاں بھی یہ فلسفہ مردود ہوگیا ہے اور ہم مسلمانوں کو تو
اس سے کوئی لگاؤ ہی نہیں ہے۔ چونکہ اس کے بیانات اس قدر
صاف طور پر معتقدات مذہبی کے خلاف ہیں کہ ہر شخص پر خود ظاہر و باہر ہیں
اسلئے کسی تفصیلی تنقید کی ضرورت نہیں ہے۔

انجام دیتا ہے۔ اور دن کی یادداشتوں کو جب میں پڑھتا ہوں
تو سمجھ میں نہیں آتا کہ انہوں نے کیا لکھا ہے کیونکہ وہ خود
سمجھکر نہیں لکھتے"۔ ہابس کی طولانی عمر تاریخ انگلستان کے ایک ۱۵۸۸
یادگار زمانے کو گھیرے ہوئے ہے۔ جس سال آرمیڈا ۱۶۷۹
پر فتح حاصل ہوئی ہے اسی سال وہ پیدا ہوا تھا، بانوے برس
کی عمر میں انقلاب سے صرف نو برس پیشتر اس کا
انتقال ہوا۔ اس کی لیاقت بہت جلد ظاہر ہوگئی اور
اوائل عمر ہی میں وہ بیکن کا سکرٹری اور بن جانسن اور
لارڈ ہربرٹ (چربری) کا دوست بن گیا۔ مگر دنیا اسکے
خیالات سے اس وقت تک آگاہ نہیں ہوئی جبتک
کہ وہ خانہ جنگی کے قریب زمانے میں فرانس کو نہ چلا گیا ۱۶۴۲
اور چوّن برس کی عمر میں اپنی کتاب "ڈی کیوے" شائع
کی۔ شہزادگان انگلستان جب بھاگ کر پیرس میں گئے ہیں
تو وہ ان کے درباریوں میں شامل ہوگیا، اور چارلس دوم
کا معلم ریاضی مقرر ہوگیا۔ چارلس آخر تک صدق دل سے
اس سے محبت کرتا رہا اور ہمیشہ اس کا خیال رکھتا،
مگر کتاب لیوایاتھن کے شائع ہونے کے بعد اس کی
معلمی کی جگہ ضبط ہوگئی اور اسے دربار میں آنے جانے کی ۱۶۵۱
ممانعت کردی گئی۔ چنانچہ وہ پھر انگلستان کو واپس چلا آیا
اور معلوم ہوتا ہے کہ کرامول کی حکومت سے وہ رضامند
تھا۔ رجعت شاہی کے بعد اسے وظیفہ مل گیا لیکن اس کی

دونوں کتابوں کو پارلیمنٹ نے مردود قرار دیدیا اور اسکے مرنے کے قبل ہی "طریق ہابس" کے معنی عام طور پر لامذہبی و بد اخلاقی کے سمجھے جانے لگے۔ایک ایسے مصنف کے خلاف جس نے نجات کے لئے حضرت عیسیٰ پر یقین کرنا اور قانون کی اطاعت کرنا یہی دو امور لازمی قرار دیئے تھے اسقسم کا تعصب نہایت ہی حیرت انگیز معلوم ہوتا مگر اس تعصب کی صحیح وجہ یہ تھی کہ ہابس کے فلسفے سے اس وقت کے مذہب اور سیاسی و معاشرتی اخلاق پر بہت بُرا اثر پڑتا تھا۔انگلستان کے اعلیٰ مصنفین میں ہابس ہی پہلا شخص تھا جس نے علم حکمرانی پر روایات کی بنا پر نہیں بلکہ عقل کی بنا پر بحث کی تھی۔انسانکے معاشرتی ترقی کے موجودہ درجے پر پہنچنے کے قبل کے مفروضہ مدارج پر اس نے جس انداز سے بحث کی تھی وہ مسلمہ عقائد کے سخت خلاف تھے۔اس کے نظریئے کے موافق سب انسان فطرۃً برابر تھے اور ان کی فطرت یہ تھی کہ وہ ایک دوسرے سے لڑتے رہیں۔انسان نے جو معاشرت پیدا کی وہ اس کی کسی فطری خوبی کی وجہ سے نہیں پیدا ہوئی بلکہ متخاصم قوتوں کے تعطل نے یہ صورت پیدا کردی۔درحقیقت ہابس اس امر سے منکر تھا کہ فطرۃً انسان میں کوئی روحانی حصہ بھی ہے۔اس نے انسان کے ایک ایک رسم و رواج اور خواہشات کا

اس کے سیاسی منصوبے

منطقی تجزیہ کر کے دکھایا تھا اور مقدس سے مقدس رسوم کی نسبت بھی یہ ثابت کیا تھا کہ وہ عاقلانہ خود غرضی کا نتیجہ ہیں۔ دوستی محض معاشرۃً ایک دوسرے سے فائدہ اٹھانے کا نام تھا، احسانمندی یا ہمسایوں کی محبت وغیرہ جنہیں فطرت کا قانون کہا جاتا ہے وہ سب حقیقت میں انسان کے طبعی جذبات کے خلاف ہیں اور یہ قانونِ فطرت ان کے روکنے پر قادر نہیں ہیں۔ مذہب خدائی مرضی کو درمیان میں لاکر بھی انسان کو نجات دلانے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ قدیم دنیا کی مذہبی روایات جس نئی تشکیک کے سامنے پاش پاش ہو جانے والی تھیں، اس کی مثال ہابس کی اس تحریر سے بہتر نہیں مل سکتی جہاں اس نے الہام کے نظرئے پر منطق کی چھری چلائی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "یہ کہنا کہ خدا نے خواب میں انسان سے کلام کیا ہے اس کہنے سے زیادہ نہیں ہے کہ انسان نے خواب دیکھا کہ خدا نے اس سے کلام کیا ہے۔ یہ کہنا کہ کسی نے عالم رویا میں کچھ دیکھا یا سُنا ہے اس کہنے کے برابر ہے کہ اس نے غنودگی کے عالم میں ایک خواب دیکھا ہے"۔ اُس کے خیال میں درحقیقت مذہب کی اصلیت اس سے زیادہ نہیں تھی کہ "غیرمرئی قوتوں کا ایک خوف پیدا ہوگیا تھا" اور علوم انسانی کی اور شاخوں کی طرح یہاں بھی افعال کے بجائے الفاظ سے کام لیا جاتا تھا۔ خود انسان نے

اپنے نفع کے لئے معاشرت کی صورت پیدا کی، اپنے بہت سے فطری حقوق ترک کردیئے اور صرف ان حقوق کو باقی رکھا معاہدۂ معاشرتی جو اس کی حفاظت ذات کے لئے ضروری تھے۔ انسانوں کے باہمی معاہدے نے اولاً وہ عظیم الشان لیوایاتھن پیدا کیا جسے دولت عامہ' یا سلطنت' کہتے ہیں۔ یہ دولت عامہ' یا سلطنت صرف ایک فرضی شخص ہے' جس کا مقصود انسان کی حفاظت و حمایت ہے اگرچہ وہ ازروئے خلقت وطاقت ایک طبعی انسان سے بڑھکر ہے" اس قسم کے ابتدائی معاہدے کا افسانہ مدت ہوئی کہ سیاسی خیالات سے خارج ہوچکا ہے مگر جس وقت پہلی مرتبہ اس کا اظہار ہوا ہے اس کے اثر کی کوئی انتہا نہیں رہی تھی۔ اس نظریئے کے تقریباً عالمگیر طور پر تسلیم کرلئے جانے سے معاشرت کے اس مذہبی و قدیمی اصول کا خاتمہ ہوگیا جس پر ابتک بادشاہوں کے حقوق ربانی کے دعوے کا انحصار تھا اور جس کی رو سے رعایا ان کے اقتدار پر کسی طرح کی جرح و قدح کی مجاز نہیں تھی۔ لیکن ہابس نے اگر شاہی مطلق العنانی کی قدیم بنا کو مسمار کردیا تھا تو اس کے ساتھ ہی اس نے ایک نئی و قوی تر بنا قائم کردی تھی۔ اس کا دعویٰ یہ تھا کہ معاشرت کے پیدا ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ محکوم اپنی حفاظت ذات کے سوا اور جملہ حقوق ایک

واحد حکمراں کے ہاتھ میں دیدیں جو ان سب کا قائم مقام ہو اس قسم کے حکمراں کا خود مختار ہونا لازمی تھا، کیونکہ اس سے کسی قسم کی شرط کرنے کے معنی یہ تھے کہ انسان خود اپنے سے شرط کرے۔ حقوق کا یہ انتقال ناقابل منسخ تھا، اور پشتوں بعد بھی اس کی پابندی ویسی ہی لازمی تھی جیسی عین انتقال حقوق کے وقت تھی۔ تمام جماعت کے سرتاج ہونیکی حیثیت سے ہر امر کا فیصلہ کرنا، انصاف و ناانصافی کے قوانین طے کرنا اور مذہب و توہمات میں فرق قرار دینا حکمراں کا کام تھا۔ یہ حق اسے خدا کی طرف سے حاصل تھا اور صرف وہی ایک شخص تھا جسے یہ حق حاصل تھا کیونکہ رعایا کے ہر فرد کا حق اس میں جذب ہوگیا تھا۔ ہابس کے خیال میں ظلم و ستم کے روکنے کے لئے آئینی بندشیں بیکار تھیں۔ اس کی صحیح و بہترین صورت یہ تھی کہ رعایا و حکمراں دونوں میں تعلیم و روشن خیالی کو یکساں ترقی دیجائے اور دونوں کی اصلی غایت یہ ہو کہ دولت عامہ کو فائدہ پہنچے۔ ہابس نے جس وجہ سے زمانہ مابعد کے علم و سیاسیات پر دائمی اثر ڈالا وہ حکومت کی اس غایت کا اس دلیری سے بیان کرنا اور حکومت کا معاہدے کی بنا پر قائم ہونیکے اصول کا شائع کرنا تھا۔ رجعت شاہی کے دور میں لاک سب سے بڑا عالم سیاسیات تھا، اس نے بھی ہابس ہی کے مانند سیاسی اقتدار کی بنا محکوم کی رضامندی پر

بیان لاک

رکھی تھی اور فائدہ مشترک کو حکومت کی غایت تسلیم کیا تھا لیکن اس زمانے کی طبیعتوں کے عملی میلان نے اس نظریے کو کچھ کا کچھ بنا دیا۔ لاک کا سیاسی فلسفہ درحقیقت اس سے زیادہ نہیں تھا کہ خانہ جنگی کی کشمکش عظیم سے انگریزوں کے بیشتر حصے نے جو نتائج اخذ کئے تھے اس نے انہیں ایک ترتیب خاص کے ساتھ بیان کردیا تھا۔ اس کے نظریے کے موافق رعایا کو باطناً وہ اقتدار حاصل رہتا ہے جسے اسنے اپنے حکمراں کو تفویض کردیا ہے اور انہیں یہ حق ہوتا ہے کہ اگر یہ اختیار اس مقصد کے خلاف استعمال کیا جائے جس کی ترقی کے لئے معاشرت کی بنا پڑی تھی تو وہ اسے واپس لے سکتے تھے۔ ہابس کے دو خاص مسلمہ مسئلے تھے۔ اولاً یہ کہ جملہ اختیارات کی ابتدا قوم سے ہوتی ہے، دوسرے یہ کہ تمام اختیارات قوم کی بہبود کے لئے کام میں آنا چاہئیں۔ اب لاک نے اس میں یہ اضافہ کیا کہ رعایا کو مقاومت کا بھی حق حاصل ہے اپنی امانت کے بجا استعمال کے لئے حکمراں اپنی رعایا کے جوابدہ ہیں اور قوم کے نائب ہونے کی حیثیت سے مجالس وضع قوانین کو بادشاہ پر فوقیت حاصل ہے۔ سنہ ۱۶۸۸ کے انقلاب کے بعد اس مہذب اور وسیع صورت میں فلسفہ سیاسی نے عام مقبولیت حاصل کی۔

جزو دوم

رجعت شاہی

۱۶۶۰ - ۱۶۶۷

{اسناد - کلیرنڈن نے اپنی سوانح عمری میں خود اپنی وزارت کی تفصیلی کیفیت لکھ دی ہے۔ اسقف کینیٹ نے ایک یادداشت (Register) اور برنٹ نے ایک دلچسپ کتاب "اپنے وقت کی تاریخ" (History of my own Times) کے نام سے لکھی ہے۔ یہی چیزیں اس زمانے کے لئے خاص معلومات کا ذریعہ ہیں۔ اس میں جیمز دوم کی خود اپنی لکھی ہوی سوانح عمری کے ان اجزا کا بھی اضافہ ہو سکتا ہے جنھیں میکفرسن نے اصلی کاغذات' (Original papers) کے ضمن میں محفوظ رکھا ہے۔ لیکن ان کاغذات کی قدر و قیمت مختلف نوعیت کی ہے۔ کلیسا اور منکرین کے تعلقات کتب ذیل میں دیکھنا چاہئیں۔

(۱) نیل کی تاریخ پیروان طریق پیوریٹنی (History of the Puritans)

(۲) کیلمی کی کتاب "خارج شدہ پادریوں کے تذکرے" (History of the rejected Ministers)

(۳) مسٹر ڈکسن کی سوانح عمری ولیم پین (Life of William Penn)

(۴) بیکسٹر کی خود اپنی "سوانح عمری"۔
(۵) بنین کی خود اپنے مصائب کے متعلق مختلف تصانیف۔
پیپس نے اپنی "یادداشتوں" میں اس زمانے کی معاشرت کو بڑی ہی خوبی سے بیان کیا ہے۔ چارلس دوم کے تمام زمانہ حکمرانی کے متعلق ہیلم کی آئینی تاریخ نہایت ہی منصفانہ ذخیرۂ معلومات ہے)

رجعت شاہی

چارلس دوم جس وقت وہائٹ ہال میں داخل ہوا ہے تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ طویل العہد پارلیمنٹ نے جو کچھ کیا تھا سب بیکار ہوگیا۔ نہ صرف بادشاہت ہی دوبارہ قائم ہوگئی بلکہ سر متھیو ہیل کی کوششوں کے علی الرغم رعایا کی طرف سے اس بادشاہت پر کسی قسم کی تحریری قید یا شرط بھی عاید نہیں کی گئی۔ اگرچہ معنًی یہ سمجھا جاتا تھا کہ چارلس نے خود کچھ پابندیاں عائد کی ہیں۔ ابتک دو اہم اثر ایسے تھے جو شاہی کے اختیارات کو محدود کرنے میں کام دے رہے تھے، ایک طریق پیوریٹنی دوسرے آئینی آزادی کی روایات قدیم۔ ان کا یہ حال ہوا کہ اوس طریق سے تو قوم عام طور پر منغض ہوگئی تھی، اور اِس آئین کو خانہ جنگی نے بیقدر بنا دیا تھا۔ تاہم اظہار وفاداری کے اِس تمام شور وشغب کے باوجود "سترہویں صدی کا انقلاب عظیم" برابر ایک رفتار سے آگے بڑھتا جارہا تھا۔ اعلیٰ اختیارات بتدریج بادشاہ کے ہاتھ سے نکل نکل کر دارالعوام کے ہاتھ میں آرہے تھے اور پارلیمنٹ اس سیاسی مشکل کے حل کرنے کی طرف برابر قدم بڑھاتی جارہی تھی جس نے اس کی کوششوں کو بیکار بنا رکھا تھا۔

یعنی بغیر اِس کے کہ پارلیمنٹ کو خود انتظامات اپنے ہاتھ میں لینا پڑیں انتظامی امور اس کی رائے کے تابع ہو جایں۔ رجعتِ شاہی اور انقلاب کی پر پیچ تاریخ کو حقیقت میں ہم اسی وقت سمجھ سکتے ہیں جب اس انتقال اختیار کے مراحل پر غور کے ساتھ نظر جمائے ہوئے اس مقصد کے حصول کے مدارج کو برابر دیکھتے رہیں۔

نئی حکومت کے ابتدائی حالات سے یہ ظاہر ہو گیا تھا کہ قوم اگرچہ وفاداری کے جوش سے بھری ہوئی ہے مگر یہ وفاداری شاہ پرستوں کی سی کورانہ وفاداری نہیں ہے۔ اس رجعتِ شاہی کے متعلق سب سے زیادہ اہم کام پرسبٹیرینوں نے انجام دیا تھا۔ اور چونکہ مقامی اختیارات اور عہدے تقریباً کل کے کل اسی فرقے والوں کے ہاتھوں میں تھے۔ اس وجہ سے انہیں اب پوری طاقت حاصل ہو گئی تھی۔ چارلس نے جو پہلی وزارت قائم کی اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اس کی کوشش یہ ہے کہ اس با اقتدار فریق اور ان کے قدیم مخالفوں میں ایک طرح کی مصالحت ہو جائے۔ اس میں شک نہیں کہ اس وزارت کا سب سے زیادہ باا ثر رکن سر اڈورڈ ہائڈ تھا، جو جلاوطنی کے زمانے میں بادشاہ کا صلاح کار رہا تھا اور اب اسے ارل کلیرنڈن اور لارڈ چانسلر بنا دیا گیا تھا۔ لارڈ ساؤتھیمپٹن شاہی کی حمایت میں برابر مستقل رہا تھا۔ اسے وزیر خزانہ کا عہدہ عطا ہوا، آرمنڈ کو اس کی وفاداری کے صلے میں ڈیوک کا منصب

نئی وزارت

اور لارڈ اسٹوراڈ کا عہدہ دیا گیا۔ لیکن خالص پارلیمنٹی مقاصد کی نمائندگی سے بھی وزارت خالی نہیں تھی۔ منک کو ڈیوک آلبیمارل کا لقب دے کر بہ دستور سپہ سالار اعظم کے عہدے پر قائم رکھا اور بادشاہ کا بھائی جیمز (ڈیوک یارک) اگرچہ بیڑے کا اول امیرالبحر مقرر کیا گیا تھا مگر عملاً بیڑے کا انتظام کرامویل کے ایک ہیرو مانٹیگو کے ہاتھ میں رہا جو اب ارل سینڈوچ بنا دیا گیا تھا۔ ایک بڈھا پیوریٹن لارڈ سے سیل، محافظ مہر شاہی مقرر ہوا۔ اسی فریق کے ایک ممتاز رکن سر ایشلی کوپر نے بادشاہی کے دوبارہ قائم ہونے کے لئے بڑی کوششیں کی تھیں، اسے اس خدمت کے صلے میں اولاً پریوی کاؤنسل میں داخل کیا گیا اور پھر تھوڑے ہی دنوں بعد بیرن کا لقب دے کر چانسلر آف دی اکسچکر (وزیر خزانہ) مقرر کر دیا گیا۔ دو وزیران سلطنت میں سے نکلسن مستقل شاہ پرست، اور موس پکا پرسبٹیرین تھا۔ پریوی کاؤنسل کے تیس ارکان میں سے بارہ ارکان وہ تھے جنھوں نے بادشاہ کے خلاف ہتیار اٹھایا تھا۔

یہ صاف عیاں تھا کہ اس قسم کی وزارت سے یہ توقع نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ اپنا کام صرف یہ سمجھے گی کہ تمام سابقہ کاموں کو پلٹ دے۔ اس لئے جب مجلس عارضی نے خود کو پارلیمنٹ قرار دیا اور قوم کے لئے جن انتظامات کی ضرورت تھی اس کی کارروائیاں شروع کیں، تو حکومت پارلیمنٹ کا ساتھ دینے کے لئے ہر طرح پر آمادہ تھی۔ اس مجلس عارضی کا انتخاب

عارضی مجلس ملکی

ان احکام کے ساتھ ہوا تھا کہ شاہی "مفسد" اس میں رائے نہ دیسکیں۔ اس لئے اس کے بیشتر ارکان پرسبٹیرینی خیال کے تھے اور وہ اگرچہ صدق دل سے بادشاہ کے وفادار تھے مگر مطلق العنانی کی مخالفت میں کسی طرح طویل العہد پارلیمنٹ سے کم نہ تھے۔ اس پارلیمنٹ کے ابتدائی زمانے میں ایک رکن نے یہ کہا کہ جو لوگ بادشاہ کے خلاف لڑے ہیں وہ انہیں لوگوں کے برابر مجرم ہیں جنھوں نے اس کا سر کاٹا تھا۔ تو صدر دارالعوام نے سختی کے ساتھ اسے جھڑک دیا۔ دارالعوام نے پہلی کارروائی یہ کی کہ معافی و درگذر کا ایک قانون پیش کیا تاکہ گذشتہ زمانہ آشوب میں لوگوں سے جو کچھ بھی خطائیں ہوئی تھیں سب فراموش کر دی جائیں۔ اس کارروائی سے فوراً یہ ظاہر ہو گیا کہ پارلیمنٹ کو کس درجہ اعتدال مدنظر ہے کیونکہ شاہ کشوں کے سزا دینے میں شاہ پرستوں کی طرح پرسبٹیرینیوں کے جوش دکھانے کے بھی وجوہ موجود تھے۔ چارلس نے اپنی واپسی کے ابتدائی دنوں میں ایک اعلان شایع کیا تھا جس میں اس نے ضمناً شاہ متوفی کے ان تمام ججوں کے لئے معافی کا وعدہ کر لیا تھا جو ازخود عدالت کے روبرو حاضر ہو جائیں مگر بعد کو اس نے اس امر پر زور دیا کہ جن لوگوں کو وہ اپنے باپ کا قاتل خیال کرتا تھا ان سے انتقام لیا جائے اور دارالامرا نے بھی بہت سرگرمی کے ساتھ بادشاہ کی تائید کی، لیکن دارالعوام کی تعریف کرنا

قانون معافی عامہ

چاہئے کہ اس نے برابر مطالبہ خونریزی کی مخالفت کی۔قانون معافی کا جو ابتدائی مسودہ پیش ہوا تھا اس میں موجودالوقت شاہ کشوں میں سے صرف سات شخصوں کو معافی سے محروم رکھا گیا تھا۔ یہ مسودہ تین مہینے تک زیر بحث رہا اور اس اثنا میں شاہ پرستوں کا جوش اس قدر بڑھ گیا کہ آخر میں دارالعوام کو مجبور ہوکر تقریباً تمام شاہ کشوں کو عدالت کے فیصلے پر چھوڑ دینا پڑا۔تاہم بہت سے لوگوں کی جان اس وسیلے سے بچ گئی کہ جن لوگوں نے اعلان شاہی کے مطابق خود کو حوالہ کر دیا تھا، ان کے قتل کے لئے پارلیمنٹ کی خاص منظوری لینا لازمی تھا۔ بہرحال شاہ متوفی کے ججوں میں سے اٹھائیس شخصوں کو ایک خاص عدالت کے روبرو لایا گیا مگر ان میں سے صرف تیرہ آدمیوں کو قتل کی سزا دی گئی ۔ ان تیرہ میں صرف ایک شخص جنرل ہیریسن ہی ایسا تھا جس نے اس بغاوت میں نمایاں حصہ لیا تھا۔گزشتہ بیس برس کے واقعات کو اب "آشوب" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اور اس "آشوب" کے بیس اور نمودار اشخاص سلطنت کے عہدوں سے ممنوع الخدمتہ کر دئے گئے۔قانون معافی کی آخری منظوری کے قبل اس میں ایک ناواجب دفعہ یہ بڑھا دی گئی کہ سرہیسری وین اور جنرل لیمبرٹ بھی عام معافی سے خارج ہیں۔حالانکہ ان دونوں نے بادشاہ کے قتل میں مطلق حصہ نہیں لیا تھا۔ خانہ جنگی کے دوران میں بندوبست ملکی

جو جائدادیں ضبط ہوئیں اور جس طرح وہ دوسروں کے ہاتھوں میں منتقل ہو گئی تھیں، ان کے مشکلات کے سلجھانے میں اس مجلس عارضی کو بڑی دقتوں کا سامنا ہوا۔ شاہی املاک کے دوبارہ سلطنت کے قبضے میں آجانے کی نسبت کسی قسم کی مخالفت نہیں ہوئی مگر مجلس عارضی کی خواہش یہ تھی کہ جن لوگوں نے کلیسا کی جائدادیں خرید کی ہیں اور جو لوگ طویل العہد پارلیمنٹ اور اس کے بعد کی حکومت کی ضبط کی ہوئی جائدادوں پر قابض ہیں ان کے قبضے بدستور قائم رہیں لیکن اس مقصد کے لئے جو مسودے تیار ہوئے تھے ہائیڈ اپنی تدبیروں سے ان کی پیشی کو ٹالتا رہا اور پارلیمنٹ کی میعاد ختم ہونے کے بعد اساقفہ اور خارج شدہ شاہ پرست بلا شور و شر اپنی اپنی جائدادوں پر پھر قابض ہو گئے لیکن شاہ پرست اسی پر اکتفا نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ جو لوگ بادشاہ کی حمایت میں مستقل رہ کر جرمانوں اور جبریہ استحصالوں سے بالکل غریب ہو گئے ہیں اور ان میں سے بہتوں نے مجبور ہو کر اپنی جائدادیں بیچ ڈالی تھیں، ان کے نقصانات کی تلافی کی جائے اور ان فروختوں کو منسوخ کر دیا جائے۔ پرجوش شاہ پرست یہ کہتے تھے کہ اگر یہ نہوا تو یہ قانون "بادشاہ کے دشمنوں کے لئے معافی اور بادشاہ کے دوستوں کے لئے کس مپرسی کا کام دیگا"۔ لیکن اس معاملہ میں مجلس عارضی نے پوری استقامت سے کام لیا۔

جس قدر جائدادیں فروخت کے ذریعہ سے منتقل ہوئی تھیں ان کی فروخت جائز قرار دی گئی، اور جبر ستانی کے ذریعہ جس قدر نقصانات ہوئے تھے ان کا معاوضہ قانوناً مسترد کردیا گیا۔ رعایا کے معاملات کو اس طرح طے کرنے کے بعد مجلس عارضی نے اب قوم و بادشاہ کے تعلقات باہمی کے طے کرنے کی طرف توجہ کی۔ طویل العہد پارلیمنٹ کے آئینی کاموں میں کچھ یوں ہی سی ترمیم کی گئی اور اس کی اہم تجویزوں کو آئندہ حکومت کی بنیاد کے طور پر خاموشی کے ساتھ قبول کرلیا گیا۔ ایک شخص نے بھی اجارے یا عدالت اسٹار چیمبر، یا عدالت ہائی کمیشن کے دوبارہ قائم کئے جانے کا مطالبہ نہیں کیا۔ محصول جہاز کے باطل قرار دئے جانے پر کسی نے زبان نہیں کھولی، نہ کسی نے اس بارے میں کچھ کہا کہ بادشاہ کے لئے روپئے کی منظوری دینے کا کامل اختیار صرف پارلیمنٹ کو حاصل ہے۔ البتہ ملیشیا (فوج محافظ ملک) بادشاہ کے اختیار میں دیدی گئی لیکن باقاعدہ فوج منتشر کردی گئی چارلس کو صرف یہ اجازت دی گئی کہ وہ چند دستے بطور اپنی محافظ فوج کے قائم رکھے۔ شاہی آمدنی بارہ لاکھ پاؤنڈ مقرر کی گئی اور یہ رقم بادشاہ کو ماوام الحیات کے لئے عطا کی گئی۔ درحقیقت یہ رقم ایسی تھی کہ جن محصولوں سے اس کی وصول یابی قرار پائی تھی اگر وہ تخمینے سے گھٹتے نہ رہتے اور بادشاہ کے اخراجات حالت امن میں بھی غیر معمولی طور پر بڑھ نہ گئے ہوتے تو یہ رقم

آزادی کے لئے بہت ہی خطرناک ہو جاتی۔ اس رقم کا معاوضہ بھی بہت سخت وصول کیا گیا۔ انگلستان کی اکثر جائدادوں کی طرح بادشاہ کی املاک کی حیثیت بھی فوجی جاگیر کی تھی اور اگرچہ ان میں بہت زیادہ مالی نفع نہیں رہا تھا مگر پھر بھی بالواسطہ ان سے بہت بڑا خطرہ درپیش رہا کرتا تھا۔ صاحب جائداد شخص کے معاشرتی و خانگی امور میں بادشاہ کا سب سے زیادہ ناگوار اثر یہ پڑتا تھا کہ اسے ان کی تولیت و تعین مناکحت کا حق حاصل تھا۔ الیزبتھ کے عہد میں تولیت کے حق سے یہ فائدہ اٹھایا گیا کہ کیتھولک نابالغوں کو پروٹسٹنٹ مذہب کی تعلیم دی جاتی اور جمیز کے عہد میں نابالغوں کی نگرانی دربار کے ندیموں کو سپرد کی جاتی یا کھلے بازار میں سب سے زیادہ قیمت دینے والے کے ہاتھ فروخت کر دی جاتی مگر بادشاہ کے لئے ان حقوق کی اصلی قدر و قیمت یہ تھی کہ وہ اس ذریعہ سے دیہات کے شرفا پر سیاسی دباؤ ڈال سکتا تھا۔ ایک اسکوائر (متوسط الحال زمیندار) کو بالطبع اس بادشاہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی خواہش ہوتی تھی جو بہت جلد اس کی لڑکی کا متولی اور اس کی جائداد کا منتظم بن جانے والا تھا۔ پس جن خیالات سے بادشاہ اپنے اس حق کے قائم رکھنے پر مصر تھا انہیں خیالات سے پارلیمنٹ ان حقوق کو برطرف کرنے کے لئے مضطرب تھی۔ بادشاہ کی شدت مخالفت کی وجہ سے جیمز اول کے

وقت میں پارلیمنٹ کی کوشش بیکار گئی مگر اب جنگ کے طولانی وقفے کے بعد ان حقوق کا اعادہ تقریباً ناممکن ہو گیا تھا۔ اس لئے مجلس عارضی کے اولین کاموں میں سے ایک کام یہ بھی تھا کہ اس نے شرفا سے قبضۂ جائداد کے وقت کے متولی ہونے، اشیاء کو کم قیمت پر خریدنے اور نذرانہ لینے ان کے شفعہ سے فائدہ اٹھانے کے شاہی حقوق کو منسوخ کر دیا اور اس وقت جو زمینیں قومی خدمت کے زیر اثر تھیں انہیں عام زمینداری کی صورت میں بدل دیا۔ چارلس نے ان حقوق کے عوض میں یہ منظور کر لیا کہ اسے ایک لاکھ پاؤنڈ سالانہ ملا کریں۔ ابتداً یہ تجویز تھی کہ جن جائدادوں سے جاگیردارانہ محصول اٹھا دے گئے ہیں انہیں سے یہ رقم وصول کی جائے مگر بعد کو خلاف انصاف تمام اشیا پر اسے عام کر دیا گیا۔

شاہ پرستوں کی پارلیمنٹ

مجلس عارضی اگرچہ سیاسی معاملات کے مناسب طریق پر طے کر دینے میں، کامیاب رہی مگر کلیسا کا انتظام کرنے میں اسے ناکامی ہوئی۔ چارلس نے بریڈا سے جو اعلان شایع کیا تھا اس میں وعدہ کیا تھا کہ وہ آزادی ضمیر کا احترام کریگا اور اس مقصد کے تحفظ کے لئے پارلیمنٹ جو قوانین بنائے گی انہیں منظور کریگا۔ مجلس عارضی میں پرسبٹیرینوں کا پورا غلبہ تھا مگر انہیں بہت جلد معلوم ہو گیا کہ خالص پرسبٹیرینی طریقے کا جاری رہنا غیر ممکن ہے۔ اسکاٹلینڈ کے ایک صاحب نظر مُبصر شارپ نے لندن سے لکھا تھا کہ "عام قوم مسئلہ کلیسا

استقفیت اور کتاب عبادت کے لئے بیچین ہو رہی ہے" تاہم مجلس عارضی ابھی تک اس توقع میں تھی کہ استقفی حکومت کا کوئی ایسا مہذب طریقہ نکل آئے جس سے پیوریٹن فریق کا گروہ کثیر بدستور کلیسا کے اندر شامل رہ سکے۔ موجودہ پادریوں کا ایک بڑا گروہ انڈپنڈنٹ (آزاد خیال) تھا اور حکومت اساقفہ سے کسی قسم کی مصالحت و معاملت کو وہ ناممکن سمجھتا تھا۔ لیکن بیشتر حصہ معتدل خیال پربسٹیرینوں کا تھا جو" حالات کے اور بدتر ہو جانے کے خوف سے" اس امر پر آمادہ تھے کہ استقف اعظم اشر کی تجویز کے موفق کلیسائی حکومت کو تسلیم کرلیں اور کتاب ادعیہ کو بعض ترمیمات اور" توہمانہ رسوم" کے حذف و اسقاط کے بعد قبول کرلیں۔ اشر کی تجویز یہ تھی کہ استقف اپنے اپنے حلقے میں عام پادریوں کی مجلس کے صرف صدر ہوا کریں۔ بادشاہ نے بھی اولاً اس قسم کی مصالحت باہمی کو پسند کیا۔ اور دونوں فریق کی کانفرنس میں ایک شاہی اعلان اس تجویز کی پسندیدگی کے متعلق پڑھا گیا اور اس میں انڈپنڈنٹ (آزادخیال) فریق کی ایک درخواست آزادی مذہبی کے متعلق بھی پیش ہوی۔ بادشاہ نے یہ تجویز کی کہ اس درخواست کے موافق نہ صرف انڈپنڈنٹ (آزاد خیالوں) بلکہ تمام عیسائیوں کو آزادی مذہبی عطا کی جائے۔ لیکن کیتھولک کے ساتھ رواداری برتنے میں حامیان اساقفہ اور پیوریٹن دونوں یکساں طور پر خلاف تھے" اور جب سرمتھو ہیل نے اعلان شاہی کو قانون بنا دینے کے لئے

مسودہ پیش کیا تو دارالعوام نے اسے مسترد کر دیا۔ ایک جدید کانفرنس کا وعدہ کیا گیا، مگر پارلیمنٹ کی طرف سے کسی کارروائی کے نہ ہونے سے حکومت اساقفہ کے طرفدار فریق نے اپنے قانونی حقوق سے بیباکانہ فائدہ اٹھانا شروع کر دیا۔ خارج شدہ پادریوں میں جو لوگ ابتک زندہ تھے وہ پھر اپنے اپنے حلقوں میں متعین ہو گئے، اساقفہ اپنی اپنی جگھوں پر واپس آ گئے اور مجلس عارضی کے برطرف کر دئے جانے سے کلیسا میں مصالحت باہمی کی آخری امید منقطع ہو گئی۔ درحقیقت اس مجلس عارضی کے زمانے ہی میں وفاداری کی لہر بہت زور کے ساتھ بلند ہو رہی تھی اور خود مجلس عارضی کے حکم سے یہ نہایت ہی شرمناک زیادتی عمل میں آ چکی تھی کہ کرامویل، براڈشا، اور آئیرٹن کی لاشوں کو قبروں سے نکال کر ٹائیبرن میں سولیوں پر لٹکا دیا گیا اور پم و بلیک کی لاشوں کو خانقاہ وسٹ منسٹر سے نکال کر کلیسائے سینٹ مارگیرٹ کے صحن میں دفن کیا گیا۔ اب نئی پارلیمنٹ کے انتخاب کے وقت کلیسا و بادشاہ کی طرفداری میں ایسے جوش و خروش کا اظہار ہوا کہ اعتدال و مصالحت کی تمام امیدیں ہوا ہو گئیں۔ "مفسدہ پردازی" اب جرم نہیں رہی تھی، اور منتظمان کلیسا، دیہات کے شرفا، کاشتکار، تمام کیتھولک اور جملہ وہ اشخاص جنھیں رائے دینے سے محروم کر دیا گیا تھا، ازسرنو رائے دینے کے لئے دوڑ پڑے۔ شاہ پرستوں کی اس

مجلس عارضی کی برطرفی سنہ ۱۶۶۰ء

سنہ ۱۶۶۱ء کے پارلیمنٹ

پارلیمنٹ میں پرسبٹیرینوں کی تعداد صرف پچاس رہ گئی۔ نئے دارالعوام میں زیادہ تر ایسے نوجوان شامل تھے، جن کے ذہن میں بچپن کی یادگار کے طور پر شاہان اسٹوآرٹ کے مظالم کا ایک دھندلا سا خیال باقی تھا، مگر دولت عامہ کے مظالم ان کی آنکھوں کے سامنے تازہ تھے۔ ان کے انداز سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ گزشتہ زمانے کے پیوریٹنی کاموں سے دیوانہ وار مخالفت کرنا چاہتے ہیں۔ ایک ذی ہوش مبصّر راجر پیپس ان لوگوں کی نسبت لکھتا ہے کہ "میں نے اپنی زندگی میں ان لوگوں سے زیادہ بدکار اور قسم کھانے والے آدمی نہیں دیکھے" درحقیقت پارلیمنٹ نے اول اول جس جوش کا اظہار کیا وہ خود چارلس اور اس کے وزرا کے جوش سے بھی آگے بڑھ گیا۔ اس پارلیمنٹ نے اگرچہ مجلس عارضی کے دوسرے کاموں کو منظور کر لیا مگر قانون معافی، کو اس نے بڑی مشکلوں سے منظور کیا۔ دارالعوام نے وین پر مقدمہ چلانے کے لئے زور دیا۔ وین قانوناً بھی محفوظ تھا اور بادشاہ نے مجلس عارضی سے یہ وعدہ کر لیا تھا کہ اگر اس پر غدّاری کا جرم ثابت بھی ہو جائے گا تب بھی وہ اس کے قتل کی اجازت نہ دیگا۔ لیکن اب اس پر ایک ایسے بادشاہ کے خلاف غداری کا جرم عاید کیا گیا "جسے غداروں اور باغیوں نے اس کے شاہی اختیارات سے محروم کر دیا تھا"۔ اس نے اپنی بریت میں نہایت پرجوش کوشش کی اور یہی امر اس کے قتل کے لئے

ایک عذر ہو گیا۔ چارلس نے اپنے عادتی سکون اور معمولی اطمینان
کے ساتھ لکھا تھا کہ "اگر اس شخص کو باطمینان دفع
کیا جاسکتا ہے تو اس کا زندہ رکھنا نہایت خطرناک ہے۔"
لیکن نئے ارکان وفاداری میں جس قدر بڑھے ہوے تھے
اس سے زیادہ وہ کلیسا کے طرفدار تھے۔ مشترک مصائب
نے متوسط طبقے کے لوگوں اور حکومت اساقفہ کے حامی
پادریوں کو متحد کر دیا تھا اور اصلاح کے بعد سے یہ پہلا
موقع تھا کہ انگلستان کے متوسط الحال شرفا صرف بادشاہی
کے لئے نہیں بلکہ کلیسا و بادشاہ دونوں کے لئے گرمجوشی کا
اظہار کر رہے تھے۔ اجلاس کے شروع ہوتے ہی دارالعوام
نے یہ حکم دیا کہ ہر رکن عشاء ربانی میں شرکت کرے اور
معاہدہ لیگ اور "عہد و میثاق" کو سرکاری جلاد وسٹ منسٹر ہال میں
جلا دے۔ دارالامرا سے اساقفہ کے خارج کئے جانے کا قانون
منسوخ کر دیا گیا۔ حامیان اساقفہ اور پریسبٹیرینوں کے
خلاف سیوائے میں جو مجلس شوریٰ جمع ہوی تھی وہ غصے
کے ساتھ درہم و برہم ہو گئی اور کتاب ادعیہ میں جو چند
ترمیمیں کی گئیں وہ اس نظر سے نہیں تھیں کہ پیوریٹن اس
سے مطمئن ہوں بلکہ ان کی غرض یہ تھی کہ وہ اور زیادہ
متنفر ہو جائیں۔

کلیرنڈن بایں ہمہ نئی پارلیمنٹ ہمہ تن خیال انتقام ہی میں غرق
نہیں ہو گئی تھی بلکہ وہ یہ چاہتی تھی کہ خانہ جنگی کے باعث

نظام سلطنت میں جو سخت اختلال واقع ہو گیا ہے اسے رفع کیا جائے۔ان آئین پسندوں میں سب سے زیادہ سرگرم شخص ہائیڈ تھا۔ ۱۶۴۲ء میں وہ فاکلینڈ کا شریک کار تھا اور اب ارل کلیرنڈن کے خطاب اور لارڈ چانسلر کے عہدے پر ممتاز اور حامیان شاہی کا سرگروہ تھا۔اس کی رائے یہ تھی کہ پارلیمنٹ اور کلیسا انگلستان کے نظام حکومت کے اجزائے لازمی ہیں۔ انہیں کے توسط سے شاہی اختیارات نافذ ہونا چاہئیں۔اسی کی رہنمائی سے پارلیمنٹ اس جانب متوجہ ہوئی کہ کلیسا و سلطنت دونوں میں اتحاد عمل کے اصول کو اس کے حسب منشا پختہ کر دے۔اس کارروائی میں خاص دقّت پرسبٹیرینوں کی طرف سے پیش آرہی تھی قصبات کے اراکین کا انتخاب عملاً قصبات کی بلدی مجلسوں کے ہاتھ میں ہوا کرتا تھا اور ان مجلسوں میں پرسبٹیرینوں کو پورا غلبہ حاصل تھا۔ اس لئے کوشش یہ کی گئی کہ مجالس بلدی کے قانون کو سخت کر کے ان لوگوں کو ان مجلسوں کے عہدوں سے خارج کر دیا جائے۔پس قانوناً یہ لازم کیا گیا کہ بلدی عہدوں پر فائز ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ انگلستان کے کلیسا کے موافق عبادت عامہ و عشائے ربانی کے دستور کو قبول کیا جائے، معاہدہ لیگ اور "عہد و میثاق" کے ترک کا اقرار کیا جائے اور یہ اعلان کیا جائے کہ کیسا ہی عذر قوی کیوں نہ ہو مگر بادشاہ کے خلاف ہتھیار اٹھانا ناجائز ہے، قانون اتحاد عبادت کو ازسرنو جاری کر کے پیورٹینوں پر

قانون بلدی

قانون اتحاد عبادت

اس سے بھی سخت تر ضرب لگائی گئی۔ نہ صرف یہ کہ عام عبادت میں صرف کتاب ادعیہ ہی کا استعمال کیا جانا لازمی قرار دیا گیا بلکہ کلیسا کے تمام پادریوں سے یہ خواہش کی گئی کہ جو کچھ اس کتاب میں مندرج ہے ان سب کو صاف الفاظ میں قبول کر کے ان سے اتفاق کریں۔ اصلاح کے بعد اب پہلی مرتبہ یہ ہوا تھا کہ جن احکام کی منظوری اساقفہ نے نہ دی ہو وہ قانوناً ناجائز ہیں۔ مجالس بلدی سے جو اقرار لیا جاتا تھا' پادریوں سے بھی اسی کا مطالبہ کیا گیا اور مزید براں انہیں یہ بھی وعدہ کرنا پڑتا تھا کہ وہ کلیسا یا سلطنت میں کسی قسم کے تغیر کے خواہاں نہونگے۔ ایشلے نے دارالامرا میں بڑی سختی سے اس قانون کی مخالفت کی۔ امرا نے اس امر پر زور دیا کہ خارج شدہ پادریوں کے وظیفے مقرر کر دئے جائیں اور مدرسوں کے معلم اس قسم کے اقرار سے مستثنیٰ کئے جائیں۔ خود کلیرنڈن نے یہ خیال کر کے کہ بادشاہ زبان دے چکا ہے، بہت چاہا کہ چند ایسی دفعات بڑھا دی جائیں جن سے بادشاہ کو یہ اختیار حاصل ہو جائے کہ وہ جسے چاہے ان قیود سے مستثنیٰ کر دے لیکن کچھ نتیجہ نہ نکلا' مصالحت کی ہر تجویز کو دارالعوام نے مسترد کر دیا اور آخرالامر چارلس نے بھی اپنی طرف سے منظوری دے دی مگر اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہدیا کہ وہ اپنے شاہی اقتدار سے کام لے کر اس قانون کے نفاذ کو معلق کر دیگا۔

پارلیمنٹ [illegible] ۱۶۶۱

لیکن یہ پارلیمنٹ جو انگریزی کلیسا کے تفوق کی حامی تھی اس

قانون کے عمل میں لانے کا عزم مصمم کئے ہوئے تھی۔اس نے اس قانون کی دفعات سے اتفاق کرنے کے لئے عید سنٹ بارتھولومیو کو آخری دن مقرر کر دیا تھا اور اس روز عدم اتفاق کے جرم میں تقریباً دو ہزار رکٹر (منتظم مقیم) اور وکار (شمباق) اپنی اپنی جگہ سے ہٹا دئے گئے۔یہ تعداد انگلستان کے تمام پادریوں کی تعداد کے پانچویں حصے کے برابر تھی۔کلیسا کی مذہبی حالت میں ایسا عام تغیر کبھی اس سے پہلے واقع نہیں ہوا تھا اور "اصلاح" کے تغیرات میں خود پادریوں کا تغیر بہت کم ہوا تھا۔ ایلزبتھ کے عہد میں ہائی کمیشن کی سختیاں بھی اس سے آگے نہیں بڑھیں کہ سو دو سو پادری خارج کر دئے گئے۔ لاڈ نے پیوریٹینوں کے ہٹانے میں بہت زور دکھایا مگر قانون کی بندشوں اور پادریوں میں عام طور پر طریق پیوریٹنی کی ترقی کے باعث وہ بھی اپنی کوششوں میں ناکام رہا۔ البتہ خانہ جنگی سے بہت بڑا تغیر پیدا ہو گیا تھا مگر یہ تغیر بھی آہستہ آہستہ ہوا تھا اور بظاہر یہ تغیر زیادہ تر سیاسی و اخلاقی وجوہ سے ہوا تھا؛ اس میں مذہب کو زیادہ دخل نہیں تھا۔دیہات کے جو پادری خارج کئے گئے وہ "مفسدہ پردازی" سستی، بدکاری اور وعظ گوئی کی ناقابلیت کے باعث اپنے عہدے کے سزا قرار پا کر خارج کئے گئے تھے۔ لیکن عید بارتھولومیو کے روز جو تغیر ہوا وہ خالص مذہبی تغیر تھا اور یہ تغیر دفعتہً ایسے وسیع پیمانہ پر ہوا کہ کہیں اس کی کوئی نظیر نہیں

ملتی ۔ جس قدر رکٹر (منتظم مقیم) اور وکار (شدباق) خارج کئے گئے
وہ اپنے زمرے میں بہت ہی ذی علم و نہایت ہی مستعد
کار تھے ۔ ملک کے تمام بڑے بڑے وظائف و اوقاف
انہیں کے ہاتھوں میں تھے ۔ لنڈن کے پادری اپنی عام
شہرت و رفعت میں انگلستان کے تمام پادریوں سے فائق
تھے اور یہ خارج شدہ پادری ان لنڈن کے پادریوں میں
بھی خصوصیت سے ممتاز تھے، جریمی ٹیلر کے سوا انگلستان
کا کوئی واعظ ہو کا مد مقابل نہیں تھا ۔ مناظرے اور قوت
عمل میں کوئی پادری بیکسٹر کے رتبے کو نہیں پہنچتا تھا اور
پادریوں کی تمام مجموعی تعداد کا پانچواں حصہ انہیں افراد کے
ساتھ تھا ۔ انہیں کے جوش و محنت کا نتیجہ تھا کہ تمام ملک
میں پرہیزگاری و مذہب کا ایسا اثر ظاہر ہو رہا تھا کہ کبھی
اس سے قبل یہ حالت دیکھنے میں نہیں آئی تھی ۔ ان لوگوں
کے اخراج سے جس قدر ان کا ذاتی نقصان ہوا اس سے
زیادہ خود کلیسا کو نقصان پہنچا، اس اخراج کے معنی یہ تھے کہ
اصلاح کے زمانے سے جس فرقے نے کلیسائے انگلستان میں سب سے (اخراج کے مذہبی نتائج)
زیادہ آمادگی کے ساتھ کام کیا تھا اور عوام پر سب سے
زیادہ اثر ڈالا تھا، اسے یک قلم کلیسا سے خارج کر دیا جائے
اور الیزبتھ کے وقت سے انگلستان کے طریق عبادت اور
براعظم کے اصلاح شدہ طریقوں میں زیادہ قریبی تعلقات پیدا کرنے
اور خود انگلستان کے اندر طریق عبادت کو عام رعایا کے مذہبی

احساس سے زیادہ ہمنوا بنانے کی جو کوششیں ہو رہی تھیں وہ سب بند ہو جائیں۔اسی زمانے سے انگلستان کا کلیسا تمام عالم کے کلیساؤں سے بالکل علیحدہ و منفرد ہو گیا ہے، "اصلاح" نے اسے ان کلیساؤں سے جو اب تک پوپ کی پیروی پر قائم تھے، اس طرح جدا کر دیا تھا کہ ان سے ملنے کا امکان باقی نہیں رہا تھا۔ اب قانون اتحاد مذہب نے اسقفی طریقوں کے سوا اور تمام طریقوں کو خارج کر کے پروٹسٹنٹ کلیساؤں کی عام جماعت سے بھی اسے علیحدہ کر دیا اور اس علیحدگی میں لوتھر کے پیرو یا اصلاح شدہ کلیسا میں کوئی فرق نہیں کیا گیا۔اس طرح کلیسائے انگلستان ایک طرف تو بیرونی دنیا کے نشاط افزا تعلقات سے منقطع ہو گیا، دوسری طرف خود اندرونی طور پر بالکل سست، افسردہ و پژمردہ ہو کر رہ گیا۔ پیوریٹین پادریوں کے اخراج کے ساتھ ہی ہر قسم کے تغیرات، اصلاح کی تمام کوششیں، قومی نشو و نما کی تمام تحریکیں دفعتۃً رک گئیں۔ اُس وقت سے لے کر اس وقت تک اس اسقفی کلیسا کے طریق حکومت و عبادت میں کسی قسم کی ایسی تبدیلی نہیں ہوئی ہے جس سے اس کے پیرووں کی مختلف النوع مذہبی ضروریات پوری ہوتی ہوں۔مغربی ممالک عیسوی میں یہی ایک کلیسا ہے جس میں دو سو برس کے اندر ایک دعا یا ایک حمد کا بھی اضافہ نہیں ہوا ہے، لیکن عید سنٹ بارتھولومیو کے واقعات کے نتیجے اگر کلیسائے انگلستان کی مذہبی نشو و نما کے لئے

مضر ثابت ہوئے تو مذہبی آزادی کے حق میں نہایت ہی کارآمد ثابت ہوئے۔ رجعت شاہی کے وقت یہ معلوم ہوتا تھا کہ مذہبی آزادی کا دوبارہ خاتمہ ہوگیا ہے۔ ابتک صرف انڈپنڈنٹ (آزاد خیال) اور کوئیکر کے چند مبغوض فرقے اس حق کے دعویدار تھے کہ ہر شخص اپنے ایمان کے موافق جس طرح چاہے خدا کی عبادت کرے ورنہ پیوریٹن فریق کا بیشتر حصہ پرسبٹیرینوں کے اس خیال میں اپنے مخالفین کا ہمرائے تھا کہ عقائد نہیں تو عبادت میں ضرور ہی تمام ملک کو ایک طریق پر چلنا چاہیئے۔ اگر یہ دونوں فریق کلیسا کے معاملہ میں متحد ہو جاتے تو ان کا مقابلہ تقریباً ناممکن ہو جاتا لیکن خوش قسمتی سے سینٹ بارتھولومیو کے اخراج عظیم نے پرسبٹیرینوں کو اس کلیسا سے نکال دیا جس پر وہ اس قدر فریفتہ ہورہے تھے۔ اور انہیں مجبور کیا کہ ان فرقوں سے عام اتحاد کریں جن سے نفرت کرنے میں وہ کسی طرح اساقفہ سے کم نہ تھے۔ اس مشترک مصیبت نے ان تمام لوگوں کو جو عام عبادت سے اتفاق نہیں کرتے تھے بہت جلد ایک کر دیا۔ ان نئی جماعتوں کی تعداد، ان کی دولت، اور ان کی سیاسی اہمیت کے باعث ان کی داروگیر مشکل تھی اور کلیسا کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ اپنے دائرہ اثر سے خارج منحرفوں کی ایک مرتب و منتظم جماعت سے اسے سابقہ پڑا۔ اس وسیع جماعت کو پامال کر دینا ناممکن تھا اور اسی عجز کی وجہ سے مدبرانِ انگلستان نے بدرجۂ

اس اخراج کے سیاسی نتائج

مجبوری قانون رواداری کے رو سے پہلی مرتبہ آزادی عبادت کو قانونی طور پر تسلیم کر لیا۔ اس جماعت کی روز افزوں ترقی نے کلیسا کو قریب قریب اس کے تمام مخصوص حقوق و امتیازات سے محروم کر دیا ہے اور اب اندیشہ یہ ہو چلا ہے کہ سلطنت سے اس کا جو کچھ سرکاری تعلق باقی رہ گیا ہے وہ بھی منقطع نہ ہو جائے، لیکن ان بعید نتائج سے ہمیں ابھی بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں صرف اتنا بیان کر دینا کافی ہے کہ قانون اتحاد عبادت اور پیوریٹن پادریوں کے اخراج کے باعث انگلستان کی مذہبی و سیاسی تاریخ میں ایک نیا عنصر پیش نظر آنے لگا، یعنی کلیسا سے منحرف اور عام عبادت سے اتفاق نہ کرنے والی جماعتوں کا اثر محسوس ہونے لگا۔ یک بیک شدت کے ساتھ داروگیر کے جاری ہو جانے سے پریسبٹیرینوں کی ناامیدی غضب آمیز مایوسی سے بدل گئی۔ بہتوں نے ہالینڈ چلے جانے کا ارادہ کیا اور اکثروں نے نیوانگلینڈ اور امریکہ کی آبادیوں کی طرف بھاگ نکلنے کی صلاح ٹھہرائی۔ ادھر چارلس کو یہ فکر دامن گیر تھی کہ پروٹسٹنٹوں کی ان دونوں مقتدر جماعتوں کے مناقشہ باہمی سے فائدہ اٹھا کر کیتھولکوں کے لئے رواداری حاصل کر لے اور اس کے ساتھ ہی اپنے اس حق شاہی کو دوبارہ قائم کر دے کہ اسے قوانین کے نفاذ کو معلق کر دینے کا اختیار حاصل ہے۔ ایک شاہی اعلان نے

داروگیر

اعلان رعایت
سنہ ۱۶۶۲ء

تحفظ کی نئی امیدیں پیدا کر دیں۔ بادشاہ نے اس اعلان میں اپنا یہ ارادہ ظاہر کیا تھا کہ وہ "اس قانون کے تاوان و جرمانے سے ان تمام لوگوں کو معاف کر دیگا جو امن کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں مگر اپنی طبیعت و احساس کی غلطی کی وجہ سے اس قانون سے اتفاق نہیں کرتے اور بلا شور وشر خاموشی کے ساتھ اپنے طریقے پر عبادت کرتے ہیں" ۱۶۶۳ء میں ایک مسودہ قانون اس غرض سے پیش ہوا کہ پہلے اعلان شاہی میں جس رعایت کا وعدہ کیا گیا تھا اسے پورا کیا جائے۔ اس مسودے میں چارلس کو صرف اسی قدر اختیار دینا تجویز نہیں ہوا تھا کہ وہ قانون اتحاد عبادت کے دفعات کو معلق کر دے بلکہ مذہبی اتحاد اور مذہبی اختبار کے لئے تاوان و جرمانہ عاید کرنے کے جس قدر قوانین ابتک نافذ ہوئے ہیں وہ ان سب کو بے اثر کرسکتا ہے۔ شاہی مجلس شوری کے پرسبٹیرین سرگروہ اس اعلان سے فائدہ اٹھانے پر آمادہ ہو گئے مگر منحرفوں کا گروہ کثیر اس کا روادار نہیں تھا کہ ان کے شکایات سے فائدہ اٹھا کر رومن کیتھولکوں کے ساتھ رعایت برتی جائے یا قانون کے معطل کر دینے کے جس اختیار کو خانہ جنگی نے زایل کر دیا تھا اسے پھر بحال کر دیا جائے۔ اہل کلیسا بھی اس رواداری کے سخت مخالف تھے، منحرفوں سے تو انہیں پہلے ہی سے نفرت تھی اب اس شبہہ نے ان کی نفرت کو اور قوی کر دیا کہ

کیتھولکوں اور منحرفوں میں کوئی خفیہ معاہدہ ہو گیا ہے اور خود بادشاہ بھی اس میں شریک ہے۔نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں ایوانہائے پارلیمنٹ نے ایک ہی وار میں اپنے دونوں مخالفونکا کام تمام کر دیا۔انہوں نے اول ایک محضر کے ذریعہ سے چارلس کو مجبور کیا کہ وہ اپنی واداری کے وعدے کو واپس لیلے اور پھر بزور اس سے ایک اعلان یہ شایع کرایا کہ تمام کیتھولک قِسّیس جلاوطن کروئے جائیں۔اس کے بعد "قانون مجلس منحرفین" کے نام سے ایک قانون یہ بنایا کہ "عبادت عامہ" کے سوا اور کسی قسم کی مذہبی عبادت کے لئے اگر پانچ سے زاید آدمی جمع ہوں گے تو تیسری مرتبہ اس جرم کے سرزد ہونے پر انہیں جرمانہ' یا قید یا جلاوطنی کی سزا دی جائیگی۔اور جلاوطنی سے واپس آجانے یا بھاگ جانے پر موت کی سزا ہوگی۔ایک سال بعد ایک قانون "پانچ میل کے قانون" کے نام سے بنایا جس نے اس تشدد کو انتہا کو پہنچا دیا۔اس قانون کے بموجب ہر ایک پادری کو جسے قانون اتحاد عبادت کی رو سے خارج کیا گیا تھا طلب کر کے یہ حکم دیا گیا کہ وہ اس امر کا حلف اٹھائے کہ کیسا ہی عذر کیوں نہ ہو بادشاہ کے خلاف ہتیار اٹھانا خلاف قانون ہے اور وہ کسی وقت بھی" کلیسا یا سلطنت کے طریق حکمرانی میں کسی تغیر کی کوشش نہیں کریگا"۔ اگر وہ اس سے انکار کرتا تو اسے یہ حکم دیا جاتا کہ وہ کسی قصبے یا کسی ایسی جگہ کے پانچ میل کے اندر

قانون مجلس منحرفین
۱۶۶۴

۱۶۶۵

نہ جائے جہاں اس نے بہ حیثیت پادری کے کام کیا ہو۔ چونکہ عبادت عامہ سے اتفاق نہ کرنے والوں کا بیشتر حصہ شہر کا رہنے والا تھا اور تجارتی طبقات سے تعلقات رکھتا تھا اس لئے اس کارروائی کا اثر یہ ہوا کہ وہ ہر قسم کی مذہبی تعلیم سے محروم ہو گئے۔ پارلیمنٹ کی اسی نشست میں ایک تجویز یہ بھی پیش ہوی کہ پانچ میل کے قانون کا حلف قوم کے ہر شخص سے لیا جاے اور صرف چھ رایوں کی کثرت سے یہ تجویز نامنظور ہوئی۔ ان حالات میں مشکل تھا کہ عام قوم کو ان عبادت عامہ سے اتفاق نہ کرنے والوں کی مصیبتوں میں ان کے ساتھ ہمدردی نہ ہو جاتی پرسبٹرینوں نے اپنی کامیابی کے زمانے میں جو زیادتیاں کی تھیں اس کی وجہ سے انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی مگر شکست کے بعد ان کی جیسی تذلیل ہوئی اس سے یہ انتقام کے شعلے فرد ہو گئے۔ پرہیزگار وذی علم پادریوں کا اپنے گھروں اور اپنے معتقدوں سے الگ کیا جانا، برق اندازوں کا مذہبی مجلسوں کو درہم و برہم کرنا، عدالت کے کٹھرے میں چوروں اور قزاقوں کے دوش بدوش واعظوں کا کھڑا ہونا، قیدخانوں کا ان پرجوش ایمانداروں سے بھر جانا جن کا جرم اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ پرہیزگار تھے، یہ ایسے مناظر تھے کہ دنیا کی تمام قوت استدلال بھی رواداری کی حمایت اس سے زیادہ فصاحت

کے ساتھ نہیں کر سکتی تھی۔ اس تشدد کا صرف ایک فرقے پر جو اثر پڑا اسی سے ہمیں یہ پتہ چل سکتا ہے کہ اس کا اثر کس قدر وسیع تھا۔ کوئیکروں نے اپنے طور و طریق کی پابندی کے باعث ہتیار اٹھانے اور قسم کھانے سے انکار کرنے میں ایسا مبالغہ کیا تھا کہ ان کی طرف سے ایک اندیشہ پیدا ہو گیا تھا، اور خاص ان کے دبانے کے لئے ایک قانون منظور ہوا۔ عبادت مشترک سے اتفاق نہ کرنے والی جماعتوں میں یہ سب سے چھوٹی جماعت تھی مگر تہوڑی ہی مدت کے اندر ان میں سے چار ہزار سے زاید آدمی قید خانے میں ڈال دئے گئے جن میں سے پانچ سو صرف لندن میں قید تھے۔ بارہ برس بعد بادشاہ کے اعلان رعایت نے بارہ سو کوئیکروں کو قید خانوں سے آزاد کیا۔ خارج شدہ پادریوں کے مصائب کی داستان انہیں میں سے ایک شخص رچرڈ بیکسٹر نے بیان کی ہے وہ لکھتا ہے کہ "ان میں سے سیکڑوں اپنی بیوی بچوں کے ساتھ اس حالت میں مبتلا تھے کہ نہ ان کے پاس گھر تھا نہ کھانے کا سامان تھا۔ ان کی جماعتیں اپنے قیدیوں کی مدد کرنے اور ان کی خوراک بہم پہنچانے میں اس درجہ مصروف تھیں کہ ان لوگوں کے لئے سد رمق کے مہیا کرنے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتی تھیں۔ یہ لوگ حتی الامکان کفایت سے کام لیتے تھے مگر پھر بھی ان کے لئے زندگی بسر کرنا دشوار تھا۔ بعض صرف موٹی روٹی اور پانی پر بسر

کرتے تھے ۔ بعضوں کی آمدنی آٹھ یا دس پاؤنڈ سالانہ تھی
اور اسی میں انہیں ایک خاندان کا خرچ چلانا تھا۔ چنانچہ چھ
چھ ہفتے گزر جاتے تھے کہ ان کے دسترخوان پر گوشت نہوتا
تھا۔انہیں جو امداد ملتی تھی اس سے وہ بہ مشکل روٹی و پنیر
پر گزر کر سکتے تھے۔ان میں ایک شخص چھ روز ہل چلاتا تھا
اور اتوار کے روز وعظ کہتا تھا ۔ دوسرا اوقات بسر کرنے
لئے تنباکو کترتا تھا" لیکن ان کی مصیبتوں میں افلاس سب سے
ادنیٰ مصیبت تھی ۔ تماشا کرنے والے ان کا مضحکہ کرتے
تھے، بازاری لوگ ان پر آوازے کستے تھے بیکسٹر ہی
لکھتا ہے کہ "پادریوں میں بہت سے ایسے تھے جو حکم
ملنے کے بعد بھی اپنی خدمت کے ترک کر دینے سے ڈرتے
تھے اور جو لوگ ان کا وعظ سننا چاہتے تھے ان کے
سامنے وہ کھیتوں میں اور ذاتی مکانوں میں وعظ کہتے رہتے
تھے تا آنکہ ان لوگوں کو گرفتار کرکے قید خانوں میں
ڈال دیا گیا جہاں ان میں سے بہت سے مر گئے" اسافقہ
کی عدالتوں میں وہ ملت سے خارج قرار دئے جاتے اور
گرجا میں نہ حاضر ہونے کی علت میں ان پر جرمانے ہوتے
تھے۔ یہ لوگ آدھی رات گئے پر اپنے جلسے کیا کرتے
تھے اور اسی سے سراغ رسانوں کا ایک گروہ پیدا ہو گیا
جن کا ذریعہ معاش یہی تھا کہ ان لوگوں کے جلسوں کا
پتہ لگائیں۔ ایلین جس کی کتاب "تبدیل مذہب نکرنے والوں

کو انتباہ" بہت مشہور کتاب ہے، وہ چھتیس برس کی عمر میں ٹانٹن کے قید خانے میں مصیبتیں اٹھا کر مرگیا۔ ڈیلز کا مبشر ویویسور پاول رجعت شاہی کے گیارہ برس بعد تک شرد سبری، ساوتھ سی اور کارڈف کے قیدخانوں میں مصیبتیں جھیلتا رہا یہاں تک کہ آخر میں فلیٹ کے قیدخانے میں مرگیا، جان بنین بارہ برس تک بڈفرڈ میں قید رہا۔

{پلگرمز پراگرس (سفر زائر)} بنین نے اپنی نوعمری کا زمانہ جن شور انگیز حالتوں میں بسر کیا تھا، ان کا ذکر پہلے ہی ہو چکا ہے۔ بچپن سے اس کے ذہن میں یہ خیال جما ہوا تھا کہ وہ آسمان کی آوازیں سنتا اور بہشت کے خواب دیکھتا ہے۔ بچپن ہی سے وہ اس خیال میں بھی غرق تھا کہ گناہ اسے مغلوب کئے لیتے ہیں جن سے بچنے کے لئے وہ ہر طرح ہاتھ پاؤں مار رہا تھا اس کی علالت اور بار بار موت کے پنجے سے بچ جانے سے جوانی میں یہ خیال اور گہرا ہوگیا تھا، وہ اگرچہ خود کو نہایت قابل ملالت سمجھتا ہے مگر درحقیقت وہ بالکل مذہبی زندگی بسر کرنے والا شخص تھا، اور سترہ برس کی عمر میں "عساکر جدیدہ" میں اس کے داخل ہو جانے ہی سے اس کی نوجوانی کی پاکبازی و تورع کا ثبوت ملتا ہے۔ دو برس بعد جب جنگ ختم ہوگئی اس وقت بنین کی عمر ابھی پوری بیس برس کی بھی نہیں ہوی تھی مگر اسی زمانے میں اس نے ایک پرہیزگار عورت سے شادی کرلی یہ عورت بھی اسی کے

مانند نوعمر و مفلس تھی- یہ دونوں میاں بیوی اس قدر غریب تھے کہ دونوں کے درمیان ایک رکابی اور ایک چمچہ بھی مشکل سے مہیا ہو سکا تھا- غالباً گھر کی اسی غربت سے اس نو عمر قلعی گر کی طبیعت کی بیچینی اور اس کے مذہبی تفکرات کی غمناکی اور بڑھ گئی تھی- اس کی بیوی سے جہاں تک ہو سکتا تھا وہ اسے تسلی و تشفی دیتی رہتی تھی- بنین نے مدرسہ میں جو کچھ پڑھا تھا اسے وہ بھول گیا تھا، بیوی نے اسے پھر سے پڑھنا اور لکھنا سکھایا- ان کا کل کتبخانہ دو مذہبی کتابوں پر مشتمل تھا، انہیں کتابوں کو وہ بنین کو پڑھایا کرتی تھی- لیکن اپنے خیال میں وہ یہی سمجھتا رہا کہ اس کی روح کے گرد تاریکی کی گھٹا گہری ہوتی جاتی ہے- اس زمانے کے متعلق وہ لکھتا ہے کہ "میں چلتے چلتے ایک قریب کے قصبے میں پہنچا اور سڑک کے کنارے ایک بنچ پر بیٹھ کر اس فکر میں مستغرق ہو گیا کہ میرے گناہوں نے مجھے کیسی سخت خطرناک حالت میں پہنچا دیا ہے- بہت دیر تک سوچتے رہنے کے بعد میں نے اپنا سر اٹھایا تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ آفتاب عالمتاب کو ناگوار ہے کہ میں اس کی روشنی سے متمتع ہوں بلکہ سڑک کے پتھر اور مکانوں کے کھپرے تک مجھے اپنے خلاف معلوم ہونے لگے اور سب متفق ہو کر مجھے دنیا سے خارج کر دینا چاہتے ہیں- چونکہ میں نے خداوند نجات دہندہ کا گناہ کیا تھا

اس وجہ سے سب مجھ سے متنفر تھے، اور میں اس خیال سے رونے لگا کہ کیوں میں ان کے درمیان میں ہوں۔ ہر مخلوق مجھ سے بہت زیادہ خوش و خرم تھی کیونکہ وہ اپنی اپنی جگہ پر مضبوطی سے قائم تھی لیکن میں تباہ و برباد ہو گیا تھا۔" سنہ ۱۶۵۳ء
آخر دو برس کی کشمکش کے بعد تاریکی کا پردہ شق ہوا۔ بنین کو یہ محسوس ہونے لگا کہ اس کی حالت بدل گئی ہے اور وہ گناہ کے بوجھ سے ہلکا ہو گیا ہے وہ بڈفرڈ میں فرقہ اصطباغی کے ایک گرجا میں شامل ہو گیا اور چند برس کے اندر اندر ایک مشہور واعظ بن گیا۔ چونکہ اس جماعت میں اسے پادری کا باضابطہ عہدہ حاصل نہیں تھا اس لئے بہ قول خود کرامویل کے دور میں بھی اس کے وعظ خلاف قانون سمجھے جاتے تھے اور اس صوبے کے عالموں اور پادریوں کو اس سے بہت تکلیف ہوتی تھی۔ تاہم رجعت شاہی کے زمانے تک وہ اپنا کام کئے گیا اور اسے زیادہ پریشانی نہیں اٹھانا پڑی۔ لیکن بادشاہ کے واپس آنے کے چھ مہینے بعد غیر اجازت یافتہ مجامع میں وعظ کہنے کے جرم میں وہ بڈفرڈ کے قید خانے میں قید کر دیا گیا اور چونکہ وہ وعظ گوئی کے ترک کرنے کا وعدہ کرنے سے انکار کرتا رہا اس لئے وہ بارہ برس تک قید خانے میں پڑا رہا۔ قید خانہ اسی کے ہمخیال قیدیوں سے بھرا ہوا تھا اور وہ انہیں میں اپنا کام کرتا رہتا تھا۔ تاگے کے فیتے بنا کر بسر کرتا اور تسکین خاطر کے لئے کتاب مقدس اور "کتاب شہدا"

بنین کا قید میں ہونا

پڑھا کرتا تھا اور چونکہ اسے قید خانے میں لکھنے کا سامان رکھنے کی اجازت تھی، اس وجہ سے کچھ لکھتا بھی رہتا تھا۔ لیکن ابھی اس کے شباب کا زمانہ تھا، قید کے وقت اس کی عمر بتیس برس کی تھی اور اس لئے بیوی اور چھوٹے چھوٹے بچوں کی علیحدگی اور پھر بیکاری اس پر نہایت شاق تھی۔ وہ اپنے سادے و پردرد الفاظ میں لکھتا ہے کہ "اپنی بیوی اور غریب بچوں سے جدا ہونے کی تکلیف مجھے اکثر ایسی معلوم ہوتی ہے کہ گویا میری ہڈیوں سے گوشت جدا کیا جاتا ہو، اس کی وجہ صرف یہی نہیں ہے کہ مجھے ان قابل رحم بچوں سے بے انتہا محبت ہے بلکہ اکثر میرے دل میں یہ خیال بھی گزرتا ہے کہ ایک میرے نہ ہونے سے میرے اس غریب خاندان پر کیسی کچھ سختی، مصیبت اور تنگدستی گزرتی ہوگی۔ خاص کر مجھے اپنے اندھے بچے کا بہت خیال آتا ہے جو سب میں زیادہ مجھے عزیز ہے۔ اس غریب اندھے بچے کی مصیبتوں کا جب میں خیال کرتا ہوں تو میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ اے میرے غریب بچے دنیا کی کون سی مصیبت ہے جو تجھے برداشت نہ کرنا پڑے گی۔ تو مار کھائیگا تجھے بھیک مانگنا پڑے گی، بھوکھ، سردی، برہنگی اور ہزاروں مصیبتیں تجھے برداشت کرنا پڑیں گی، حالانکہ اس وقت مجھ سے اتنا بھی نہیں دیکھا جاتا کہ تجھے تیز ہوا لگ جاسے" لیکن یہ تکلیفیں اس کے عزم کے توڑنے پر قادر نہیں تھیں اور

بنین کی قلم کی روانی نے اس کے قید خانے کی بندش کا معاوضہ کر دیا اس نے رسالے، مناظرات، نظم، اور تخیلات کے علاوہ "گریس اباؤنڈنگ" (وسعت رحمت) اور "ہولی سٹی" (شہر مقدس) دو کتابیں بھی شایع کیں۔قید خانے ہی میں اس نے اپنی کتاب "پلگرمس پروگرس" (سفر زائر) کا پہلا اور سب سے بڑا حصہ تیار کر لیا تھا۔اعلان رعایت کے بموجب رہا ہونے کا اولین نتیجہ یہ ہوا کہ بنین نے یہ کتاب شایع کی۔ یہ کتاب ابتدا ہی سے جیسی مقبول ہوئی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت تک اہل انگلستان زیادہ تر پیوریٹین ہی خیال کے تھے۔ ۱۶۸۸ء میں بنین کا انتقال ہوا اور اس سے قبل ہی "سفر زائر" کے دس اڈیشن فروخت ہو چکے تھے۔اور اگرچہ اس سے ایک صدی بعد بھی کاؤپر کو اس خیال سے کہ مہذب طبقہ اس پر ہنسے گا یہ جرأت نہ ہوئی کہ "سفر زائر" کے اقتباسات اپنے کلام میں داخل کر سکے مگر غریب و متوسط طبقوں میں اس کتاب کی وقعت اس کے مصنف کے وقت سے اس وقت تک برابر بڑھتی ہی رہی ہے۔ اس وقت انگریزی زبان کی کتابوں میں یہ کتاب سب سے زیادہ عام پسند اور سب سے زیادہ مشہور ہے۔کتاب مقدس کے مطالعہ سے انگریزوں کی عام زندگی پر جو اثر پڑا تھا اور خیالات میں جو ندرت و جدت پیدا ہوگئی تھی اس کا اندازہ اس کتاب سے بہتر کہیں اور نہیں ہو سکتا۔انگلستان کے بڑے بڑے لکھنے والوں

میں کسی نے بھی اس سے زیادہ سلیس رواں انگریزی کا نمونہ پیش نہیں کیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی اس کتاب کا طرز بیان کتاب مقدس کے طرز بیان سے مشابہ ہے 'سفر زائر' میں لوگوں کی جو تصویریں کھینچی گئی ہیں وہ سب نبیوں اور بزرگوں کے خاکے ہیں۔ جہاں اس میں لطیف خیالات کا اظہار ہوا ہے وہاں مزامیر کے فقرے کے فقرے بجنسہ لے لئے ہیں اور "آسمانی شہر" کا نقشہ بالکل "الہامات سنٹ جان" کے الفاظ میں دکھایا گیا ہے۔ لیکن کتاب مقدس کو بنین نے اس طرح سے اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا کہ اس کتاب کے فقرے بالکل بنین کے الفاظ معلوم ہوتے ہیں۔ وہ کتاب مقدس کے مطالعہ میں اس طرح فنا ہوگیا تھا کہ اس کتاب کے الفاظ خود اسی کے الفاظ ہو گئے تھے۔ کتاب مقدس کے مناظر اور اس کی آسمانی آوازوں میں وہ اس درجہ محو ہوگیا تھا کہ ان کے عدم حقیقت کا امکان تک اس کے دل سے بتمامہ زائل ہوگیا تھا۔ وہ اپنے قصّے کو ایسے کامل فطری انداز سے بیان کرتا ہے کہ تمام تشبیہات بالکل زندہ چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔ اس کا "دلدل ناامیدی" و "قصرِ شبہات" بالکل ایسے ہی مقامات معلوم ہوتے ہیں گویا ہم ان کو روزمرہ دیکھتے رہتے ہیں۔ اس کے "مسٹر لیگیلٹی" (بندۂ قانون) اور "مسٹر ورڈلی وائز میں" (چالاک و دنیادار) سے ہم اسی طرح واقف ہیں گویا ہم اُن سے

سڑک پر سے ملے تھے بنین کی ندرت خیال کی خاص خوبی یہی ہے کہ اس نے جس وصف کو مجسم کر کے دکھایا ہے اسے بالکل ہی اصلیت کا جامہ پہنا دیا ہے۔ مگر اس کا کمال صرف یہیں تک ختم نہیں ہو جاتا۔ انگریزی کی اعلیٰ درجہ کی نظموں میں جس وجہ سے سفر زائر کا شمار ہوتا ہے اس کے اور بھی بے شمار وجوہ ہیں۔ اس کتاب کی وسعت نظر، اس کی قطعیت، اس کی سادگی بیان، اس کا خوش اسلوبی سے ایک حالت سے دوسرے حالت کی طرف منعطف ہو جانا۔ دلچسپ مکالمات کو چھوڑ کر حیرت افزا کاموں کی جانب متوجہ ہو جانا، سادگی سے درد دل کا بیان کرتے کرتے پرجوش عزم و استقلال کی طرف مائل ہو جانا، بچوں کے سے الفاظ میں دقیق و نازک خیالات کا داخل کر دینا، مذاق کو دلچسپ بنا دینا۔ جس کیفیت کو دکھانا اسے ہو بہو عیاں کر دینا "سایہ موت کی وادی" سے نکل کر بلا تصنع یکساں روانی کے ساتھ اس زمین پر پہنچ جانا "جہاں بہشت کے قرب میں اجرام درخشندہ حرکت کرتے تھے" اور تمام کتاب کو اس لطف آمیز شان سے لکھنا کہ ایک بھی ناگوار لفظ نہ آنے پائے، یہ وہ خصوصیات ہیں جنھوں نے "سفر زائر" کو آسمان کمال کا آفتاب بنا دیا ہے۔ مذہب پیوریٹنی نے اگرچہ سب سے پہلے اس امر کو ظاہر کیا تھا کہ شاعری کے وسیلے سے ادنیٰ ترین روح میں عالم بالا کا اثر حلول کر جاتا ہے تو بنین پیوریٹنوں میں پہلا شخص تھا

جس نے اس قسم کی شاعری کو قوت سے فعل میں لاکر
دکھا دیا "کرسچن" کا "سٹی آف ڈسٹرکشن" (شہر تباہی) سے
نکل کر ہیونلی سٹی (آسمانی شہر) کے طرف جانا خود بنین کے
سے پیوریٹنوں کی زندگی کا احوال ہے' اور چونکہ اس پر مذہبی
خیال آرائی کا رنگ چڑھا دیا گیا ہے اس لئے اس کے
معمولی واقعات بھی بہت ہی بلند و درخشاں نظر آتے ہیں۔
بنین خود ہی وہ زائر ہے جو "سٹی آف ڈسٹرکشن" سے بھاگتا'
ڈِفِکلٹی ("مشکلات") کی پہاڑی پر چڑھتا' اپولیون ("فرشتہ
موت") کا مقابلہ کرتا اور دیکھتا ہے کہ اس کے احباب عزیز
ڈیتھ ("موت") کے دریا سے گزر کر ہیونلی سٹی ("آسمانی شہر"
کو جا رہے ہیں اور چونکہ "یہ شہر جس پہاڑ پر واقع تھا وہ پہاڑ
بادلوں سے بلند تھا اس لئے یہ لوگ ہنسی خوشی باتیں کرتے
ہوئے عالم ہوا میں نظروں سے غائب ہو جاتے ہیں"

ہالینڈ سے جنگ

بہر نوع مذکورۂ بالا مذہبی تشدد کی کامیابی کا انحصار زیادہ تر
اس امر پر تھا کہ ملک میں امن قائم رہے۔ لیکن جس زمانے
میں کہ بنین بڈفرڈ کے قید خانے میں پڑا ہوا تھا' اور کلیسا
عبادت مشترکہ سے اتفاق نہ کرنے والوں کے خلاف سخت
داروگیر کے لئے شور مچا رہا تھا' اسی زمانے میں بیرون ملک
میں انگلستان متواتر' ذلت و نقصان اٹھا رہا تھا۔ اہل ہالینڈ
اور اہل انگلستان کی قدیم تجارتی رقابت ۱۶۶۲ء کے باضابطہ
معاہدے سے فرو ہوگئی تھی مگر سمندر پر چھوٹے چھوٹے فسادات

اب بھی ہوتے رہتے تھے۔اب بمبئی کے انگریزوں کے ہاتھ میں آجانے اور افریقہ کے گولڈ کوسٹ (ساحل زرین) سے تجارت کرنے کے لئے لندن میں ویسٹ انڈین کمپنی کے قائم ہو جانے سے اس رقابت میں زیادہ ناگواری پیدا ہو گئی۔بمبئی کے بندرگاہ نے انگریزوں کے لئے ہندوستان میں بڑی ہی نفع بخش تجارت کا راستہ کھول دیا تھا۔پس اب اس مناقشے کو بڑھا کر جنگ کی حد تک پہنچا دیا گیا۔پارلیمنٹ نے بالاتفاق ایک بہت بڑی رقم کی منظوری عطا کی اور بادشاہ کو یہ امید دلا کر ہموار کر لیا گیا کہ اس جنگ سے ہالینڈ کے پریسبٹرین اور اس کی جمہوریہ تباہ ہو جائیگی اور جلا وطنی کے زمانے میں اسے ہالینڈ میں جن زیادتیوں سے سابقہ پڑا تھا ان کا بھی عوض ہو جائے گا۔ اس کے بعد سمندر میں جو جنگ ہوئی وہ گویا دیوزادوں کی جنگ

۱۶۶۵ تھی۔لوئسٹاف کے قرب میں ایک سخت مقابلہ پیش آیا۔ اور آخر اس میں انگریزی بیڑے کو فتح حاصل ہوئی مگر دوسرے برس نارتھ فورلینڈ کے نواح میں ڈی روئیٹر سے جو مقابلہ ہوا اس میں دو روز تک لڑائی جاری رہنے کے بعد منک اور اس کا بیڑا صرف شہزادہ ریوپرٹ کے آجانے سے تباہ ہوتے ہوتے بچ گیا۔اس مستقل مزاج امیرالبحر نے دوبارہ جنگ شروع کردی مگر اب کے بھی جنگ کا خاتمہ ڈی روئیٹر ہی کے حق میں ہوا اور انگریزوں کو بھاگ کر ٹیمز میں پناہ لینا پڑی۔درحقیقت انگریزی بیڑہ

۱۶۶۶ بالکل تباہ ہو گیا تھا مگر دشمن کا نقصان بھی کچھ کم نہیں ہوا تھا

ڈی وِٹ کا قول تھا کہ "انگریز ملاحوں کا ہلاک کر دینا ممکن ہے مگر ان کا مغلوب کر لینا ممکن نہیں"۔ یہ قول جس طرح ایک جانب کے لئے صحیح تھا اسی طرح دوسری جانب کے لئے بھی صحیح تھا۔ تیسری جنگ بھی انہیں سابقہ جنگوں کے مانند نہایت سخت ہوی اور اس کا انجام انگریزوں کی فتح پر ہوا، اور ان کے بیڑے نے ہالینڈ کے جہازوں اور شہر کو جلاتے ہوے ہالینڈ کے ساحل کے گرد چکر لگایا مگر جس طرح انگلستان کا مغلوب ہونا ممکن نہ تھا اسی طرح ہالینڈ کا مغلوب ہونا بھی ممکن نہیں تھا اور ہالنڈ والوں کا بیڑہ بہت جلد پھر درست کر دیا گیا اور رود بار انگلستان میں فرانسیسی بیڑہ بھی آکر اس سے مل گیا اس اثنا میں جنگ کے مصائب کے ساتھ اندرون ملک کی پریشانی کا بھی اضافہ ہو گیا۔ سال گزشتہ لندن کی گنجان آبادی میں طاعون پھیل گیا تھا اور چھ ماہ کے اندر دو لاکھ اہل لندن ہلاک ہو گئے تھے - اب طاعون کے بعد شہر میں آگ لگ گئی۔

لندن کی آتشزدگی

یہ آگ وسط شہر سے شروع ہوی اور ٹاور سے لے کر ٹمپل تک تمام شہر کو جلا کر راکھ کر دیا۔ تیرہ ہزار مکان اور نوے گرجے خاک سیاہ ہو گئے - مال تجارت اور جائدادوں کے نقصان کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ خزانہ خالی تھا اور جس وقت ہالینڈی بیڑہ نور میں آیا ہے اس وقت نہ جہازوں کا انتظام درست تھا اور نہ قلعوں کی حفاظت کا سامان تھا - یہ بیڑہ بلا مخالفت ٹیمز میں بڑھتا ہوا گریوسینڈ تک آگیا میڈوے کے لٹھوں کے پل کو توڑ دیا، اور دریا میں جو تین جنگی جہاز لنگر انداز تھے ان میں آگ لگا کر طمطراق کرتا ہوا ساحل کی طرف روانہ ہو گیا اور تمام رود بار کا مالک بن گیا۔

جزو سوم
چارلس دوم
۱۶۶۷—۱۶۷۳

[اسناد۔جن اسناد کا پہلے ذکر ہوچکا ہے اُن میں ہم سر ولیم ٹمپل کے "تذکرے"، اور خود اس مدبر کے متعلق لارڈ میکالے کے مشہور مضمون، اور بریڈسبی کے "تذکرے"، اور اینڈریو مارویل کی تصانیف کا اضافہ کرسکتے ہیں۔ اینٹونی ہملٹن نے کاؤنٹ دی گراموں کا جو تذکرہ لکھا ہے اس میں درباری زندگی کی بہت ہی پرمذاق اور دلچسپ تصویر کھینچی ہے، لنگرڈ نے چونکہ اصلی ماخذوں سے کام لیا ہے اور کیتھولکوں کے متعلق بے لوث و بے غرضانہ بحث کی ہے، اسوجہ سے اس کی تصنیف کی اہمیت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ رانکے کی سترھویں صدی کی تاریخ"، (History of the XVII Century) سے زمانہ مابعد کے شاہان اسٹوارٹ کے معاملات خارجہ کی تاریخ پر بہت روشنی پڑتی ہے ڈالیرمپل پہلا شخص ہے جس نے اپنے "تذکرہ برطانیہ عظمیٰ و آئرلینڈ"، میں فرانس کے ساتھ مراسلات کے اصلی راز کا انکشاف کیا ہے۔ لیکن موسیو مینی اے کی تحقیقات کے سامنے تمام سابقہ تحقیقاتین ہیچ ہوگئیں۔ اُس کی کتاب "مراسلات جانشینی اسپین"، و Mignet's Nigociations relatives a la Suesessions d' Espagne اس زمانے

کے حالات سے واقفیت پیدا کرانے کے لئے لازمی ولابدی ہے۔}

چارلس دوم

آبنائے میڈوے اور دریائے ٹیمز میں ہالینڈی توپوں کی گرج سے تمام انگلستان میں اپنے ملک کی ذلت کا ایک تلخ و ناگوار احساس پیدا ہوگیا اور لوگوں نے اب وفاداری کا خواب دیکھنا چھوڑدیا پیپس لکھتا ہے کہ "آج کل ہر شخص اولیور کو یاد کرتا اور اُس کی تعریف کرتا ہے کہ اُس نے کیسے کیسے دلیرانہ کام انجام دئے اور کس طرح تمام قرب وجوار کے حکمرانوں پر اپنا سکہ جمادیا" لیکن اولیور کا جانشین رعایا کی اس ندامت وبددلی کو بہت اطمینان سے دیکھ رہا تھا، اور صرف اسی میں فکر تھا کہ اس سے اپنا کام نکالے۔ انگلستان کی اس ذلت کو چارلس دوم محض اپنی بساط تدبیر کی ایک چال سمجھتا تھا۔ اُس نے ایسی پختہ رازداری و ہوشیاری کے ساتھ اس کام کو انجام دیا کہ نہ صرف اس زمانے کے غائر نظر مبصر دھوکھا کھا گئے بلکہ اس وقت تک مورخین مغالطے میں پڑے ہوئے ہیں رعایا صرف یہ دیکھتی تھی کہ اسکا بادشاہ ایک خوش مزاج گندمی رنگ کا جنٹلمین ہے جو کبھی کتّوں کے ساتھ کھیلا کرتا ہے، کبھی اپنے وزیروں کی مضحکہ خیز تصورین بناتا رہتا ہے، کبھی باغ میں تالاب کی چڑیوں کو کیک کھلاتا ہے۔ بظاہر حالات یہ معلوم ہوتا تھا کہ چارلس ایک اول درجہ کا کاہل ہے، اس کے درباریوں میں سے ایک شخص لکھتا ہے کہ "بیکار اِدھر اُدھر پھرنے

سے اسے عجیب و غریب مسرت ہوتی ہے ''۔ پیپس ایک کارشناس شخص تھا مگر وہ بھی اُس کے سوا کچھ اور رائے نہ قائم کرسکا کہ '' بادشاہ عیش و آرام کے سوا اور کسی امر کو پسند نہیں کرتا، کام کے دیکھنے بلکہ اُس کا خیال تک کرنے سے اُسے نفرت ہے ''۔ ٹام کلگریو نے جب پیپس سے صاف الفاظ میں یہ کہا کہ '' اگرچہ تمام کام ابتر ہوئے جا رہے ہیں مگر ایک شخص ہے جو ان تمام کاموں کو اپنی محنت و توجہ سے بہت جلد درست کرسکتا ہے۔ اور وہ شخص چارلس اسٹوارٹ ہے جو اس وقت صرف دربار میں باتیں کرنے کے سوا اور کچھ نہیں کرتا ''، تو پیپس اس تقریر کو سنکر ہنسنے لگا۔ اس میں مطلق شک نہیں کہ چارلس میں بہت اعلیٰ قابلیتیں موجود تھیں۔ اپنی اوائل عمر کی شکستہ حالی و مصیبت کے وقت اُس نے جس پر سکون ہمت اور ضبط و استقلال کا ثبوت دیا تھا ان میں حکمرانی کی نازک وقتوں میں بھی کوئی فرق نہیں آیا تھا، وہ بالطبع خوش مزاج اور ملنسار واقع ہوا تھا، اس کے عادات و اطوار نہایت شائستہ تھے اور گفتگو کرنے میں وہ ایسی بے پروایانہ آزادی اور اخلاق سے کام لیتا تھا کہ جو شخص بھی اس سے ملتا تھا وہ اُس کا گرویدہ ہوجاتا تھا۔ البتہ اُس کی تعلیم اس درجہ ناقص تھی کہ اُس کے لئے لاطینی کی آسان کتاب پڑھنا بھی دشوار تھا۔ علم کیمیا اور علم تشریح الابدان کے

مطالعہ اور رائل سوسائٹی کی علمی تحقیقات میں اپنی دلچسپی سے
اُس نے اپنی فطری طباعی و ذہانت کا ثبوت دیدیا تھا۔
پیٹر اعظم کی طرح اسے بھی بحری تعمیرات کے متعلق غور و فکر
کرنے کا بالطبع شوق تھا، اور اگر کوئی اسے ایک ہوشیار
جہاز ساز نہ سمجھتا تو اُسے رنج ہوتا تھا، فنون لطیفہ اور
شاعری سے بھی اسے کسی قدر رغبت تھی اور موسیقی سے بھی
ذوق رکھتا تھا۔ مگر اُس کی جودت و طبّاعی کا اظہار سب سے
زیادہ اس کی مسلسل گفتگو میں ہوتا تھا۔ اسے قصے کہنے کا
شوق تھا اور ایک حد تک وہ اُن قصوں کو خوش بیانی
و دلآویزی کے ساتھ بیان کرتا تھا۔ ظرافت سے وہ کبھی
باز نہیں آتا تھا۔ مرتے وقت تک ظرافت کو اُس نے
نہیں چھوڑا۔ اُس نے اپنے روتے ہوئے درباریوں کی
طرف مخاطب ہوکر کہا کہ "اگر مرتے دم تھوڑی دیر کے لئے
اس سے آداب مجلس ترک ہو جائیں تو اسے معاف رکھیں"۔
دربار کے مسخروں میں وہ سب پر غالب رہا کرتا تھا اور
سیڈلے و بکنگھم کو برابر کا جواب دیتا تھا۔ روچسٹر تک نے
اپنے بیدردانہ قطعہ میں مجبور ہوکر یہ اعتراف کیا ہے کہ
"چارلس نے کبھی کوئی احمقانہ بات نہیں کہی"، درحقیقت
پرزور فقرے کہنے کی یہ مہارت اسے اپنے دادا سے
ورثے میں ملی تھی اور وہ اپنی طبعی ظنز آمیزی سے
انہیں اور دلچسپ بنا دیتا تھا۔ اُس کا بھائی انگلستان میں

سب سے زیادہ قابل نفرت شخص تھا۔ ایک مرتبہ اُس نے سنجیدگی کے ساتھ چارلس کو متنبہ کیا کہ اُس کی جان کے خلاف سازشیں ہورہی ہیں، چارلس نے ہنسکر کہا کہ "کچھ خوف نکرو لوگ ہرگز یہ نہ کریں گے کہ مجھے قتل کر کے تمھیں بادشاہ بنادیں" لیکن معلوم ہوتا تھا کہ یہ تمام ہمت و ذہانت و قابلیت اُسے بیکار عطا کی گئی تھی۔ سرسری نظر سے دیکھنے والوں کو اس میں اولوالعزمی و حوصلہ مندی کے آثار بالکل نظر نہیں آتے تھے۔ جس ایک امر پر وہ مستقل معلوم ہوتا تھا وہ صرف لذاتِ شہوانی سے حظ حاصل کرنا تھا، اور اس میں وہ ایسی کھلی کھلی بےشرمی سے کام لیتا تھا کہ اس کے بیحیا درباری تک شرمندہ ہوجاتے تھے۔ ایک عورت کے بعد دوسری عورت اُس کی منظور نظر بنتی رہتی تھی اور وہ آوارہ عورتوں کے اس غول کو خطابات اور جاگیریں دیکر انہیں دنیا میں نمودار کیا کرتا تھا۔ بادشاہ کے ناجائز بچے انگلستان کے امیر بنائے جاتے تھے۔ گرافٹن کے ڈیوکوں کا خاندان باربراپامر کے ساتھ بادشاہ کے تعلق ناجائز کا نتیجہ ہے جسے اُس نے ڈچس کلیولینڈ بنادیا تھا۔ سنٹ البنز کے ڈیوکوں کی ابتد نیل گوئن کے تعلق ناجائز سے ہوئی جو تھیٹر میں تماشہ کرنے والی بازاری عورت تھی۔ فرانس نے ایک عورت لوئیز ڈی کیرویل کو اس غرض سے بھیجا تھا کہ وہ چارلس کو فرانس کیطرف مائل کرے، اسے ڈچز پورٹسمتھ بنادیا گیا اور خاندان رچمنڈ

سابق کی ایک آشنا لوسی والٹرز سے ایک لڑکا ہوا تھا جسے چارلس نے ڈیوک مانمتھ بنادیا اور بکلیو کے ڈیوک اپنا سلسلہ نسب اسی سے ملاتے ہیں مگر بادشاہ کے صلب سے اس کا ہونا بوجوہ مشکوک ہے۔ چارلس کی عیش پرستی صرف اسی ایک نوعیت یا انہیں مشہور عورتوں تک محدود نہیں تھی، جو وقت ان حسینوں میں بسر ہونے یا نیومارکٹ میں مچھلی کا شکار کھیلنے سے بچتا تھا وہ قمار بازی و شرابخواری میں صرف ہوتا تھا۔ اور تاسف یا ندامت کا خیال کبھی اُس کے دلمیں نہیں آتا تھا۔ ایک مرتبہ اُس نے یہ کہا کہ " میری عقل میں نہیں آتا کہ اگر کوئی شخص ذرا سا بیراہ ہوکر کچھ مسرت حاصل کرلیگا تو خدا اُسے مصیبتوں کا آماجگاہ بنادے گا "۔ شرم و ندامت کو اُس نے اسطرح بالائے طاق رکھدیا تھا کہ انسان کی نکوکرداری پر اُسے مطلق یقین نہیں رہا تھا۔ اسکی رائے یہ تھی کہ نکوکرداری ایک طرح کی عیاری ہے جس سے ہوشیار مکار، بیوقوفوں سے اپنا کام نکال لیتے ہیں۔ وہ سمجھتا تھا کہ عورتوں میں عفت اور مردوں میں عزت کا دعوی محض ظاہر داری ہے، احسان و امتنان کو وہ کوئی چیز نہیں سمجھتا تھا کیونکہ وہ انسان کے تمام افعال کا محرک صرف خود غرضی کو قرار دیتا تھا۔ اور اگرچہ اُس کے لئے سپاہیوں نے سرفروشیاں کیں اور عورتوں نے اپنی

جالوں تک کو خطرے میں ڈالا مگر وہ یہی کہتا رہا کہ "لوگ مجھ سے جیسی کم محبت کرتے تھے میں بھی اُن سے ویسی ہی محبت کرتا ہوں"، لیکن یہ ضرور تھا کہ اگر وہ نفع رسانی کا شکر گزار نہیں ہوتا تھا تو نقصان رسانی کی شکایت بھی نہیں کرتا تھا۔ اسے نہ کسی سے محبت تھی نہ نفرت، بنی نوع انسان کے متعلق اُس کی طبیعت کی کیفیت یہ تھی کہ وہ اُن کی توہین سے خوش ہوتا تھا۔

بادشاہ کی حکمت عملی

انگریزوں کے لئے یہ یقین کرنا مشکل تھا کہ چارلس کے سے کاہل اور شہوت پرست شخص سے آزادی کو کوئی خطرہ پیش آسکتا ہے، لیکن اس یقین کی دشواری ہی میں بادشاہ کی نصف قوت مخفی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ اسے سابق شاہان اسٹوارٹ کی سی مطلق العنانی کا بالکل خیال نہیں تھا۔ وہ اپنی ذہانت طبعی کی وجہ سے اپنے دادا کے نظریہ حقوق ربانی، کا تمسخر کیا کرتا تھا اور اپنی کاہلی کیوجہ سے اپنے باپ کے سے شخصی انتظام کو وبال جان سمجھتا تھا، اور اپنی حد سے بڑھی ہوئی خوش طبعی کیوجہ سے اُسے اپنے اقتدار کو شان و شوکت سے ظاہر کرنے کی پروا نہیں تھی۔ معہذا وہ اپنی نیک مزاجی کیوجہ سے ایک ظالم بادشاہ بننا بھی نہیں چاہتا تھا۔ مگر تاج کے قدیمی اختیارات پر اسے ویسا ہی راسخ یقین تھا جیسے اُس کے باپ یا دادا کو تھا اور انھیں کے مانند وہ بھی

پارلیمنٹ کو رشک وحسد کی نگاہ سے دیکھتا تھا بقول برنیٹ
اُس نے لارڈ ایسکس سے کہا تھا کہ "اسے یہ شوق
نہیں ہے کہ وہ سلطان روم بنکر بیٹھے اور لوگ زبانیں بند
کئے ہوئے اُس کے گرد کھڑے رہیں اور آدمیوں کا
گلا گھونٹنے کے لئے پھندوں کا ایک تھیلا اس کے پاس
رکھا ہو، مگر اُس کے ساتھ ہی وہ اسوقت تک اپنے کو
بادشاہ بھی نہیں سمجھتا جبتک عام آدمیوں کا ایک گروہ
اُس کے کاموں کو غور سے دیکھتا رہے اور اُس کے
وزیروں کے کاموں اور اُس کے حسابات کی جانچ پڑتال
کرتا رہے"۔ اُس کا خیال یہ تھا کہ "جس بادشاہ کے
کاموں میں روک ٹوک ہوتی ہو اور جس کے وزرا سے
جواب طلب کیا جاتا ہو وہ محض نام کا بادشاہ ہے"
بالفاظ دیگر مطلق العنانی کی کوئی معین و مشخص تجویز اسکے
ذہن میں نہیں تھی وہ صرف یہ چاہتا تھا کہ جہاں تک
ہو سکے خود مختارانہ حکومت کرے اور اپنی ابتدائے حکومت
سے آخر وقت تک وہ اپنی اسی تجویز کے پورا کرنے
کے لئے کچھ نہ کچھ کرتا رہا۔ لیکن اس کام کو وہ بہت
پہلو بچاکر رفتہ رفتہ کرکے انجام دیتا تھا اور اسوجہ سے
اُس کا پتہ چلانا اور اُس کا توڑ کرنا مشکل ہو گیا تھا۔
جب مخالفت سخت ہوتی وہ فوراً دب جاتا، اگر عام
رائے وزرا کی برطرفی کی خواہاں ہوتی تو وہ انہیں برطرف

کر دیتا، اس کے اعلان رعایت پر اعتراض کیا جاتا تو وہ اس اعلان کو واپس لے لیتا۔ "پیروان پوپ کی سازش" سے مضطرب ہو کر عام رائے اگر کچھ لوگوں کو شکار بنانا چاہتی تو وہ اس میں بھی مانع نہیں ہوتا، یہانتک کہ بے چینی رفع ہو جاتی، وقت پر دب جانا اور موقع کے انتظار میں رہنا اسے خوب آتا تھا اور یہ بھی اُس کے لئے آسان تھا کہ جب دباؤ اوٹھ جائے تو پھر اپنی کارروائی کو اسی جگہ سے شروع کر دے جہاں سے اسے چھوڑا تھا۔ بادشاہ کے دل میں جو عزم تمام خیالات پر غالب تھا، وہ یہ تھا کہ "اب دوبارہ سفر کی زحمت نہ اٹھائے"۔ ایوانہاے پارلیمنٹ سے لڑکر اُس کے باپ نے اپنے کو تباہ کیا اور اب چارلس نے یہ پختہ ارادہ کرلیا تھا کہ وہ ان ایوانوں سے اسوقت تک مصالحت قائم رکھے گا جبتک کہ اسے اتنی قوت نہ حاصل ہو جائے کہ ان سے لڑکر وہ غالب ہو سکے۔ وہ امراسے ایسی بے تکلفی کا برتاؤ کرتا تھا کہ ان لوگوں کو سختی کے ساتھ اس سے مخالفت کرنے کی جرات ہی نہیں ہوتی تھی۔ اُس نے ایک مرتبہ بے پروائی سے کہا تھا کہ "ان لوگوں کے مباحثے میں مجھے بہت لطف آتا ہے"، جس وقت امرا یکے بعد دیگرے اُس کے وزیروں پر لعن طعن کرتے ہوتے وہ آتشدان کے پاس کھڑا ہوا خوش گپی کرتا تھا۔ شافٹسبری نے جب ملکہ کے عقیم ہونے کے متعلق نہایت نا ملائم الفاظ

میں طنز کیا تو ہنسنے والوں میں چارلس کی آواز سب سے زیادہ بلند تھی۔ درباریوں کو دارالعوام کا خفیہ انتظام تفویض ہوتا تھا۔ دیہات کے مستقل العزم شرفا کو بادشاہ کے کمرے میں بلایا جاتا اور وہاں وہ بادشاہ کا ہاتھ چومتے اور جنگ وورسٹر کے بعد اُس کے بھاگنے کا دلچسپ قصہ اسکی زبان سے سنتے۔ جو لوگ اس پر بھی رام نہ ہوتے انہیں رشوتیں دیکر ہموار کرلیتا۔ جب رشوت، خوشامد، انتظام دارالعوام کسی سے کام نہ چلتا اُس وقت چارلس دب جانے کو غنیمت سمجھتا اور موقع کے انتظار میں رہتا۔ اس اثنا میں وہ استقلال کے ساتھ شاہی اختیارات کے ان قدیم اجزا کو فراہم کرنے میں لگا رہتا تھا جو ابتک باقی رہ گئے تھے اور نئے ذرائع کے پیش آنے پر اُن سے بھی فائدہ اٹھاتا تھا۔ مذہب پیوریٹنی نے انگلستان میں جو کچھ کیا تھا اگر اسے وہ باطل نہیں کرسکتا تھا تو کم از کم اسکاٹلینڈ اور آئرلینڈ میں اس کے کاموں کو الٹ سکتا تھا۔ خانہ جنگی کے قبل انگلستان کی آزادی کے روکنے میں ان سلطنتوں سے بہت مفید طلب کام نکلا تھا اور طویل العہد پارلیمنٹ اور کرامویل نے جو اتحاد قائم کیا تھا اگر وہ از روئے قانون نادرست قرار پاجاتا تو پھر ان سلطنتوں سے سی قسم کی روک کا کام لیا جانا ممکن تھا۔ اتحاد کو تسلیم کرنے سے انکار کرنے کے معاملہ میں انگلستان کی رعایا کی عام رائے بھی چارلس

اتحاد کی موقوفی ۱۶۶۰

کی تائید میں تھی۔ جس کی وجہ کچھ تو یہ تھی کہ "زمانہ آشوب" میں جسقدر تغیرات عمل میں آئے سب سے ایک سرے سے نفرت ہوگئی تھی اور کچھ یہ خوف بھی طاری تھا کہ انگلستان کی پارلیمنٹ میں اسکاٹلینڈ اور آئرلینڈ کے ارکان متفق ہوکر بادشاہ کی مرضی پر چلنے کے لئے ایک فریق بنجائینگے۔ لیکن اس کارروائی کے نتائج نے بجائے خود بہت جلد وسعت پیدا کرلی۔ اسکاٹلینڈ میں "عہد و میثاق" فوراً ہی منسوخ کردیا گیا اور نئی پارلیمنٹ نے جسے "مخمور پارلیمنٹ" کہتے تھے اظہار وفاداری میں انگلستان کے شاہ پرستوں کو بھی مات کردیا۔ اس پارلیمنٹ کے ایک قانون کے ذریعہ سے سابق پارلیمنٹوں کی گزشتہ اٹھائیس برس کی تمام کارروائیوں کو کالعدم قرار دیدیا۔ جس سے اسکاٹلینڈ کے کلیسا کا تمام موجودالوقت انتظام قانونی حد سے ساقط ہوگیا۔ مذہب کی مجلس عامہ کے اجتماع کو کرامویل پہلے ہی ممنوع قرار دیچکا تھا۔ اب کلیساؤں کے اجلاس اور پادریوں کی مجلسیں بھی معطل کر دی گئیں اساقفہ پھر اپنے مذہبی منصبوں پر فائز ہوگئے اور پارلیمنٹ میں انکی جگہیں انہیں ملگئیں۔ صرف مارکوئیس آگائل ایک ایسا امیر تھا جو شاہی مرضی کی مخالفت کرنے کی قوت رکھتا تھا اس شخص کو ایک نہایت خلاف انصاف مقدمے میں ملزم ٹھہراکر قتل کردیا گیا، اور حکومت کا کام چند عیش پرست مدبروں کو سپرد

ہوا، یہانتک کہ لاڈرڈیل جو بادشاہ کے وزرا میں سب سے زیادہ قابل اور سب سے زیادہ بیباک شخص تھا، حکومت پر قابض ہوگیا۔ان مدبروں کی قوت عمل ہمیشہ انہیں دو مقصدوں کے حاصل کرنے کی طرف مائل رہی، ایک یہ کہ مذہب پر سبیٹرین کو ذلیل کیا جائے، دوسرے یہ کہ ایک شاہی فوج تیار کیجائے جو ضرورت کے وقت بادشاہ کی مدد کے لئے سرحد کے پار جاسکے۔طریق پرسبٹیرین کو ذلیل کرنے کا باعث یہ تھا کہ یہی ایک قوت تھی جس سے دوبارہ اسکاٹلینڈ کو آزادی حاصل ہوسکتی تھی اور بادشاہ سے کشمکش پیش آجانے کی صورت میں مثل سابق انگلستان کی آزادی میں بھی مدد دیسکتی تھی۔اتحاد کے ختم ہو جانے سے آئرلینڈ میں اساقفہ پھر اپنی جگہوں پر واپس آگئے لیکن کیتھولکوں اور پروٹسٹنٹوں میں توازن سابق قائم کرکے اُس سے تاج کو قوت دینے کا جوکام چارلس نے لینا چاہا وہ پورا نہ ہوسکا کیونکہ کرامویل کی ضبط کردہ جائدادوں کو واپس دینے کی ہر ایک تجویز پر پروٹسٹنٹ نوآبادیوں نے بڑی ہی سخت مخالفت کی۔خارج شدہ وفاداروں اور نئے قابضوں کے درمیان پانچ برس تک ناگوار کشمکش جاری رہی مگر انجام کار میں پروٹسٹنٹ کے غلبہ پر کوئی اثر نہ پڑا اور اگرچہ ضبط شدہ جائدادوں کا ایک تہائی حصہ برائے نام اُن کے سابق مالکوں کو واپس دیدیا گیا مگر پھر بھی تمام جزیرے میں کام کے لائق زمین کا چھٹا حصہ بھی کیتھولکوں

کے ہاتھ میں باقی نہ رہا۔ ڈیوک آرمنڈ کے حقوق خدمت کی وجہ سے یہ ضروری تھا کہ حکومت کا کام اُس کے ہاتھ میں چھوڑ دیا جائے مگر آرمنڈ اپنی وفاداری میں اسدرجہ معتدل اور آئین کا ایسا پابند تھا کہ وہ اس قسم کی کسی تجویز سے موافقت نہیں کرتا تھا جیسی آئندہ دور حکومت میں ٹرکونیل کے ہاتھوں شد و مد سے عمل میں آئی۔ با ایں ہمہ ان دونوں سلطنتوں کا انگلستان سے جدا ہو جانا ہی بجائے خود شاہی طاقت کے اضافہ کا باعث تھا اور چارلس اب خاموشی کے ساتھ انگلستان میں ایک شاہی فوج کے تیار کرنے میں مشغول ہوگیا۔ مستقل فوج سے تمام قوم اور خاصکر شاہ پرستوں کو (جنہیں عساکر جدیدہ، نے پامال کردیا تھا) اس درجہ نفرت ہوگئی تھی کہ اس کے قیام کی تجویز تک کا پیش کرنا ممکن نہ تھا لیکن چارلس اور اس کے بھائی جیمز دونوں کے دلمین یہ خیال جما ہوا تھا کہ ان کے باپ کا زوال اسی وجہ سے ہوا کہ کوئی باقاعدہ فوج موجود نہ تھی جو قومی مقاومت کی کوشش کو شروع ہی سے فرو کردیتی۔ اسی اثنا میں لندن میں کچھ لوگوں نے جو حضرت عیسیٰ کے جلد تر نازل ہونے کے معتقد اور ہر قسم کی حکومت کے منکر تھے، ایک بڈھے سپاہی وینر نامی کے تحت میں مجنونانہ شورش برپا کردی۔ چارلس نے اس سے یہ فائدہ اٹھایا کہ عساکر جدیدہ، کے منتشر کرتے وقت پانچ ہزار سوار و

شاہی فوج

پیدل کو اپنی فوج محافظ کے نام سے روک لیا۔ اسطرح
پانچ ہزار دو ذی عزت و کار آزمودہ سپاہیوں کی ایک جماعت
جو ہر طرح ساز و سامان سے درست و منظم حالت میں تھی"
ہمہ وقت بادشاہ کے حضور میں حاضر رہنے لگی۔ اور اگرچہ
یہ فوج بڑی بدنامیوں کا موجب ہوئی مگر بادشاہ موقع
پاکر برابر یہی کوشش کرتا رہا کہ اُس کی تعداد کچھ بڑھاتا
جائے۔ بیس برس بعد انگلستان میں اُس کی تعداد سات
ہزار پیدل اور سات سو سواروں تک پہنچگئی۔ اور اُس کے
علاوہ چھ عمدہ رجمنٹیں بطور فوج محافظ کے صوبجات متحدہ
(ہالینڈ) کی خدمت میں تھیں۔

چارلس اور فرانس

لیکن چارلس اس درجہ ذہین و طبّاع تھا کہ وہ اپنے
بھائی جیمز کیطرح سے یہ اعتقاد نہیں رکھتا تھا کہ شاہی
اقتدار یا چند ہزار مسلح سپاہیوں سے انگلستان کی آزادی
کو سلب کرلینا ممکن ہے۔ پس اس قسم کے ذرائع سے
انگلستان کے اندر مذہب پروٹسٹنٹ کو مٹا دینا، اور بھی
ناممکن تھا۔ یہ قصہ صحیح ہو یا غلط کہ چارلس نے اپنی جلاوطنی
کے زمانہ میں مذہب پروٹسٹنٹ کو ترک کردیا تھا مگر اُس میں
شک نہیں کہ وہ ایک مدت سے دل میں پروٹسٹنٹ نہیں
رہا تھا۔ مذہب کا جو کچھ بھی تھوڑا بہت احساس اُس میں
باقی تھا اُس کا میلان مذہب کیتھولک کی طرف تھا۔ مذہب
کیتھولک کے اختیار کرنے میں وہ اپنے درباریوں کی

ہمت افزائی کرتا تھا اور اپنی زندگی میں اُس نے آخری کام یہ کیا کہ خود باضابطہ طور پر اس طریق میں داخل ہونے کی خواہش کی۔ لیکن اس معاملہ میں مذہب سے زیادہ معاملات سیاسی کا خیال اسے مرکوز خاطر تھا۔ اس وقت کی بہ نسبت اُس زمانہ میں رومن کیتھولک آبادی انگلستان میں بہت زیادہ تھی۔ اس زمانے میں انھیں اپنی دولت اور اپنے مقامی اثر کے باعث ایک ایسی سیاسی اہمیت حاصل تھی جو اب مدت سے زائل ہوچکی ہے، اس لئے اظہار احسانمندی کے طور پر اور اپنے ذاتی مفاد کے خیال سے چارلس ہرطرح پر یہ کوشش کرتا تھا کہ اُن کے لئے بجا آوری عبادت کی رواداری کا جو وعدہ اُس نے کیا ہے اُسے پورا کرے۔ لیکن وہ رواداری کے علاوہ کچھ اور بھی توقع کررہا تھا اگرچہ یہ توقع ابھی موہوم سی تھی۔ اُس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اگر عقیدے کے معاملے میں آزادانہ تحقیقات اور آزادانہ عمل کی اجازت ہوگی تو پھر سلطنت میں مطلق العنانی کا نباہنا مشکل ہوجائے گا۔ اس کا قول تھا کہ "حکمرانی اس وقت زیادہ محفوظ و آسان ہوجاتی ہے جبکہ اقتدار شاہی کو ناقابل خطا سمجھا جاتا ہے اور رعایا کا عقیدہ اور اُس کی اطاعت خود ساختہ اصول پر مبنی نہیں ہوتی بلکہ اطاعت پذیری کی بنا پر قائم ہوتی ہے"، چونکہ وہ مدتوں رومن کیتھولک ممالک میں رہا تھا اور مذہب کے متعلق تشکیک

چارلس اور مذہب کیتھولک

کی حالت میں پڑا ہوا تھا اس لئے گمان غالب یہ ہے
کہ اس قسم کے مذہبی تغیر کے مشکلات اسے کم نظر آتے
تھے۔ درحقیقت اپنی تخت نشینی کے دو ہی برس بعد اس نے
اپنا ایک وکیل روما کو اس غرض سے بھیجدیا تھا کہ کلیسائے
انگلستان اور پیروانِ پوپ کے درمیان مصالحت کے شرائط کا
انتظام کرے۔ وہ اپنی اس رواداری کی کامیابی کا بڑا انحصار
اس پر سمجھتا تھا کہ پروٹسٹنٹ اہل کلیسائے انگلستان اور پروٹسٹنٹ
"منحرفوں" کے درمیان جو اختلافات ہیں اُن سے فائدہ
اٹھایا جائے مگر اس پر بہت جلد منکشف ہوگیا کہ اپنے
سیاسی و مذہبی مقصد میں حقیقی کامیابی حاصل کرنے کے لئے
اُسے انگلستان سے باہر کوئی ذریعہ تلاش کرنا چاہئے۔
اس زمانے میں یورپ میں فرانس کی قوت سب میں بڑھی
ہوئی تھی اور فرانس کا نوجوان بادشاہ لیوئس چہاردہم ملکی
و مذہبی آزادی کے خلاف تمام دنیا کے لئے مذہب کیتھولک
اور مطلق العنانی کا پشت و پناہ بنا ہوا تھا۔ یورپ کی طاقتوں
میں فرانس سب سے زیادہ دولتمند تھا اور اُس کی امداد
سے چارلس پارلیمنٹ کی دست نگری سے آزاد ہوسکتا
تھا۔ اُس کی فوج تمام دنیا میں بہترین فوج تھی اور خیال
یہ تھا کہ انگلستان کے محبان وطن کی طرف سے اگر کسی
قسم کی مقاومت پیش آئے گی تو فرانس کے سپاہی اسے
فرو کردینگے۔ پس لیوئس کی امداد سے چارلس کا اپنے مقاصد

میں کامیاب ہوجانا ممکن تھا اور لیوئس اس امداد کا جو بدلہ چاہتا تھا چارلس اُس کے لئے آمادہ تھا۔ لیوئس یہ چاہتا تھا کہ چارلس اسپین کے خلاف فرانس سے متحد ہوجائے۔ اسپین کی حالت یہ تھی کہ اس سے یورپ کو کسی قسم کا خطرہ نہیں تھا بلکہ وہ خود فرانس کی دھمکیوں سے خوفزدہ ہورہا تھا، مگر لیوئس کی تمنا یہ تھی کہ اسپین کی تباہی کو انتہا کو پہنچا دے، اس کے ندرلینڈز کے صوبوں پر قبضہ کرلے اور آخرالامر خود تخت اسپین پر کسی فرانسیسی شہزادے کو متمکن کردے۔ لیکن فلینڈرز میں فرانسیسیوں کی موجودگی انگلستان و ہالینڈ دونوں کو ناپسند تھی اور اسپین کی یہ توقع بیجا نہ تھی کہ اس مقابلے میں یہ دونوں سلطنتیں اور شہنشاہ سب مل کر، اُس کی مدد کریں گے۔ لیوئس چند برس تک اس پر قانع رہا کہ اپنی فوج کو آراستہ کرلے اور باتدبیر نامہ و پیام سے اپنے خلاف سلطنت ہائے عظام کے اس اتحاد کو ناممکن کردے۔ انگلستان میں لیوئس کی

چارلس کا عقد

پہلی کامیابی بادشاہ کا عقد تھا۔ پرتگال نے حال میں اسپین کی حکومت سے آزادی حاصل کی تھی اور اس کا بھروسہ تمامتر فرانس کی پشت پناہی پر تھا۔ اس حالت میں اسپین کے اعتراضات کے باوجود چارلس کا کیتھرین (براگینزا) کو اپنی زوجیت مین قبول کرلینا گویا اس امر کا اعلان کرنا تھا کہ وہ لیوئس سے متفق ہوگیا ہے۔ انگلستان کی

رائے عامہ نے اسیوقت اس خطرے کو محسوس کرلیا اور اُس کا میلان اسپین کی طرف ہوگیا۔ چنانچہ ۱۶۶۱ء میں یہ کیفیت ہوگئی تھی کہ سڑک پر جاتے ہوئے اسپین اور فرانس کے سفیروں میں آگے بڑہنے کے لئے کچھ مناقشہ ہوگیا تو لندن کے عوام نے اسپین ہی کے سفیروں کا ساتھ دیا۔ پیپس لکھتا ہے کہ "ہم سب بالطبع اسپینیوں سے الفت اور فرانسیسیوں سے نفرت رکھتے ہیں" کیتھرین سے عقد کرلینے اور کرامویل کی آخری یادگار فتح یعنی ڈنکرک کو فرانس کے ہاتھ فروخت کردینے سے قوم میں فرانسیسی اثر کے متعلق رقابت وشک کا خیال پیدا ہوگیا تھا اور ایک وقت میں یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہالینڈ کے ساتھ جنگ کا انجام یہ ہوگا کہ لیوئس سے جنگ ہو پڑے گی۔ ہالینڈ کی جنگ بجائے خود ہی فرانسیسی تجاویز کے لئے سنگ راہ تھی۔ کسی ایک جانب کو مدد دینے کا نتیجہ یہ ہوتا کہ دوسرے جانب کو خاندانِ آسٹریا کی مدد حاصل ہو جاتی اور یہ اتحاد فرانس کے حصول مقاصد میں حائل ہو جاتا۔ صرف امن ہی کی حالت میں یورپ کی سلطنتیں ایک دوسرے سے غیر متفق رہ سکتی تھیں اور اسی عدم اتفاق سے لیوئس کو یہ موقع ملسکتا تھا کہ فلینڈرز پر قابض ہو جائے۔ اس نے درمیان میں پڑکر امن قائم رکھنے کی کوشش کی مگر یہ کوشش بیکار ہوگئی۔ آخر

۱۶۶۵ لوسٹافٹ کی شکست نے اسے مجبور کردیا کہ وہ ہالینڈ کی مدد کرے اور اُس کے اس ارادے کی خبر سے معاً انگلستان میں جنگ کی امیدیں لہرانے لگیں۔ چارلس نے جب ایوان ہائے پارلیمنٹ میں اس خبر کا اعلان کیا ہے تو بقول لوڈا پارلیمنٹ میں شور مچ گیا اور دونوں ایوان ہائے پارلیمنٹ اس خیال سے بہت ہی خوش تھے کہ اب فرانس سے بھی جنگ ہو جائے گی،، لیکن لیوئس نے بہت ہوشیاری کے ساتھ اپنی کوششوں کو صرف سمندر کی جدوجہد تک محدود رکھا اور چونکہ انگلستان اندرونی و بیرونی تباہیوں سے اسقدر پریشان ہوگیا تھا کہ جنگ کا جاری رکھنا اُس کے لئے بہت دشوار تھا اسلئے ہالینڈ کے بیڑے کے ٹیمز میں نمودار ہونے کے بعد یکایک صلح ہوگئی اور لیوئس کی سیاسی ریشہ دوانیوں کے لئے پھر میدان صاف ہوگیا۔ صلح بریڈا ۱۶۶۷

کلیرنڈن کا زوال

اس صلح سے انگلستان میں بہت ہی سخت بیچینی عام ہوگئی مگر عوام کا یہ رنج و غصہ صرف کلیرنڈن تک محدود رہا ۱۶۶۳ء میں کلیرنڈن نے ایک مسودہ قانون اس غرض سے پیش کیا تھا کہ بادشاہ کو 'قوانین سے مستثنیٰ کرنیکا اختیار دیدیا جائے' اس مسودے کے پیش ہونے پر خود کلیرنڈن سے علانیہ مخالفت کی گئی اور چارلس اسیوقت سے نہایت برہم تھا۔ پریسبیٹیرین فریق بہ سرکردگی ایشلے اور فریق کیتھولک بہ سرکردگی

ارل برسٹل دونوں یکساں طور پر اُس کے زوال کے خواہاں تھے۔ دربار میں بادشاہ کا ایک دست پرور بینٹ (جو اس عہد میں ارل آرلنگٹن ہو گیا تھا) اُس کا مخالف تھا۔ لیکن کلیرنڈن اب بھی بہت قوی تھا، بادشاہ کے معاملات سے اُس کا رازدارانہ تعلق تھا، اُس کی بیٹی این ہائمڈ ڈیوک یارک کے عقد میں تھی۔ کام کی قابلیت اس میں بہت اعلیٰ درجہ کی تھی۔ سب سے بڑھکر یہ کہ کلیسا اُس کا موید تھا اور شاہ پرست و قدامت پرست، دارالعوام کو اس پر اعتماد تھا پس اُس کے رقیبوں کو اس طرح جب اسے خارج کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی تو انہوں نے طبقہ تجار کی رقابت سے فائدہ اٹھاکر اُس کی رائے کے خلاف اُسے ہالینڈ سے جنگ کرنے پر مجبور کیا۔ اور اگرچہ چانسلر "پانچ میل والے قانون" کو دونوں ایوانوں سے منظور کرانے میں کامیاب ہو گیا مگر اُس کے دشمنوں نے اس کی نسبت جو قیاسات قائم کر رکھے تھے وہ بہت جلد صحیح ثابت ہوئے۔ جنگ کی وجہ سے کلیرنڈن اور پارلیمنٹ کا اتفاق باہمی ٹوٹ گیا۔ اُس نے پارلیمنٹ کی برطرفی کی صلاح دی، اور یہ تجویز کی۔ کہ پارلیمنٹ روپئے کی منظوری نہ دے جب بھی فوج رکھی جائے، اور اُس کے ساتھ اُس نے حسابات کے معائنہ کی بھی مخالفت کی جس سے پارلیمنٹ نے یہ سمجھا کہ وہ اس کوشش میں ہے کہ سب سے زیادہ ناگوار شے (یعنی مستقل فوج)، کو از سر نو قائم کردے۔ لامحالہ پارلیمنٹ

اس سے برہم ہوگئی اور چارلس کو موقع ملگیا کہ جس وزیر نے اسے اتنے دنوں تک دبا رکھا تھا اُس کے دباؤ سے آزادی حاصل کرلے، چانسلر اپنے عہدے سے معزول کردیا گیا اور اسے پناہ لینے کے لئے فرانس کو بھاگنا پڑا۔ کلیرنڈن کی جلاوطنی، اور ساؤتھمپٹن کے انتقال اور آرمنڈ و نکولس کے ترک ملازمت سے آئین پسند وفاداروں کا فریق بالکل معدوم ہوگیا اور جب فریق نے اولاً پرسبیٹرین کی نمائندگی کی تھی اور جو ایشلے کی رہبری میں حصول رواداری کے لئے اس حدتک سرگرم تھا کہ اس مقصد کے لئے تاج کے حقوق خاص تک کو بڑھا دینے پر آمادہ تھا، اس فریق کو
کابالؔ اب معاملات سلطنت میں سب پر تقدم حاصل ہوگیا۔ چارلس کی مذہبی حکمت عملی میں ابتک اس وجہ سے ناکامی ہوتی رہی تھی کہ پارلیمنٹ شدت کے ساتھ کلیسا کی موید تھی۔ کلیرنڈن کا اثر غالب تھا، اور پرسبیٹرین بہ حیثیت مجموعی اس امر پر رضامند نہ تھے کہ کیتھولکوں کے ساتھ رواداری جائز رکھکر اور بادشاہ کے اس اختیار کو تسلیم کرکے کہ وہ پارلیمنٹ کے قوانین سے مستثنے کرسکتا ہے "رعایت" حاصل کریں۔ اب نئی

ؔ ۱۶۷۱ء میں وزارت میں پانچ ارکان تھے، جنکے نام کلیفرڈ، آرلنگٹن، بکنگھم، ایشلے، لاڈرڈیل تھے اور انہی ناموں کے ابتدائی حرفوں سے انگریزی میں لفظ Cabal بنتا ہے، جیسے اردو میں "کابال" کہنے سے وہی مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔

وزارت نے پہلا کام یہ کیا کہ عام عبادت سے اتفاق نہ کرنے والوں کو قید سے رہا کردیا، قانون اتحاد عبادت کے نافذ ہونے کو معطل کردیا، منحرفوں کے جلسوں کے منعقد ہونے اور انکی عبادت گاہوں کے دوبارہ جاری ہونے کی اجازت دیدی یہ تمام باتیں علانیہ طور پر ایوان ہائے پارلیمنٹ کے منشا کے خلاف تھیں۔ مگر جب چارلس نے اپنے مشیروں کے سامنے عام رواداری کی تجویز پھر پیش کی تو اسے معاً
۱۶۶۸ معلوم ہوگیا کہ اسوقت بھی اس کی تائید ۱۶۶۲ء سے زیادہ نہیں ہوسکتی۔ ایشلے کا انداز بدل گیا۔ رواداری کے بجائے ان مشیروں نے اس امر پر زور دیا کہ تمام پروٹسٹنٹوں میں اتحاد قائم ہو جائے جس سے بادشاہ کے منصوبے کے بالکل غارت ہو جانے کا یقین تھا۔ چنانچہ پروٹسٹنٹ کی ”مفاہمت عامہ“ کی ایک تجویز دارالعوام کے سامنے پیش کی گئی۔ جسے دونوں جانب کے اعتدال پسند علمائے مذہب نے قبول کرلیا۔ کلیسا کی جانب سے ٹلٹسن اور اسٹلنگفلیٹ نے اور عام عبادت سے اتفاق نہ کرنے والوں کی جانب سے مینٹن اور بیکسٹر نے اسے منظور کیا، یہ تجویز اگرچہ نامنظور ہوگئی مگر ایشلے اور اس کے فریق نے اپنی قدیم روش کی طرف عود نہیں کیا۔ وہ اب بھی رواداری کے موید تھے مگر وہ صرف ایسی رواداری چاہتے تھے جس میں کیتھولک داخل نہ ہوں کیونکہ ”قانون نے یہ طے

کر دیا تھا کہ رومن کیتھولک کے اصول اعلیحضرت کی ذات اور سلطنت کی حفاظت کے منافی ہیں"۔ اصل یہ ہے کہ مجلس شاہی نے اپنا طرز عمل باہر کے معاملات کو دیکھکر قائم کیا تھا۔ انگلستان و اہل ہالینڈ کے درمیان لیوئس نے جس سرگرمی سے صلح کے لئے زور دیا تھا اُس کی اصلی وجہ اُس نے بہت جلد ظاہر کردی۔ اس نے ایک خفیہ معاہدہ کے ذریعے سے شہنشاہ سے یہ طے کر لیا تھا کہ شاہ اسپین اگر بغیر وارث کے انتقال کر جائے تو اس کے ممالک کو وہ دونوں آپس میں تقسیم کرینگے اور اس طرح اُس نے شہنشاہ کی غیر جانبداری کا اطمینان کر لیا تھا۔ انگلستان کی نسبت اسے یہ یقین تھا کہ اولاً تو چارلس اس کے روکنے پر قادر ہے، دوسرے ہالینڈ کی طرح وہ بھی سابق جنگ سے اسقدر خستہ ہو گیا ہے کہ اب کسی نئی جنگ کو نہیں چھیڑ سکتا۔ پس جس روز معاہدے پر دستخط ہوئے ہیں اسی روز اس نے ندرلینڈز کے متعلق اپنے باضابطہ دعادی پیش کئے اور اس کی فوجیں فوراً میدان کو روانہ ہوگئیں۔ فلینڈرز کے بہت بڑے حصے پر اس کا قبضہ ہوگیا اور دو مہینے کے اندر اندر چھ قلعے اُس کے ہاتھ میں آگئے۔ فرانش کا کومٹے سترہ روز کے اندر تہ و بالا ہوگیا۔ ہالینڈ نے اعتراضات کئے اور انگلستان سے مدد کی درخواست کی لیکن اُس کی درخواستوں کا کوئی جواب نہیں دیا گیا۔

فرانس کا طرز عمل

انگلستان نے درحقیقت خفیہ طور پر ہالینڈ، اسپین اور فرانس
سے باری باری شرائط اتحاد طے کرنے کی کوشش کی،
فرانس سے اس نے یہ مطالبہ کیا کہ اگر وہ ہالینڈ اور غالباً
اسپین کے خلاف بھی اس کی مدد کرے تو اسپینی ممالک
کی آخری تقسیم میں اسے بھی حصہ دیا جائے اور اس
صورت میں نئی دنیا میں اسپین کے وسیع ممالک اسے دیدئے
جائیں۔ مگر ان تمام شرائط سے یکقلم انکار کردیا گیا۔ عملی
کارروائی کی ضرورت انگلستان کے وزرا پر لمحہ بہ لمحہ عیاں
ہوتی جاتی تھی اور وسیع النظری نے محض قومی مفاد کے
خیال کو آہستہ آہستہ برطرف کردیا تھا۔ لیوئس کے فتوحات
اور فرانس کی قوت کے یکبیک ظاہر ہونے سے نہایت
روادار طبقوں پر بھی مذہب کیتھولک کا خوف چھا گیا۔ لوگ
بالطبع یہ محسوس کرنے لگے کہ خود مذہب پروٹسٹنٹ اور
اُس کے ساتھ ہی ملکی آزادی کا وجود معرضِ خطر میں آیا محالفۂ ثلثہ
چاہتا ہے۔ آرلنگٹن کی بیوی ہالینڈ کی رہنے والی تھی وہ خود ۱۶۶۸
اسپین میں رہچکا تھا، اور دل سے کیتھولک تھا اُس نے بھی
مذہب کیتھولک کے مقاصد کے بجائے انگلستان کے سیاسی
اغراض کو مقدم رکھا اور مدبران انگلستان کے اس ناقابل
ترمیم عزم کو پسند کیا جو الیزبیتھ کے وقت سے چلا آرہا تھا کہ
فرانس کو فلینڈرز کے اندر نہ آنے دینا چاہئے۔ لیوئس کو اس
خطرے نے متنبہ کردیا اور اُس نے اسپین کے سامنے شرائط

صلح پیش کرکے عام اضطراب کو فرو کرنا چاہا مگر اس کے ساتھ ہی ٹیورین کو یہ لکھتا رہا کہ "میں نے اپنے ذہن میں ایسی تجویزیں سوچ لی ہیں جنکا عمل میں آنا ناممکن نہ ہو، اور ہر حال میں ان کے عمل میں لانے کی تدبیر کر رہا ہوں" درحقیقت اسپین، جرمنی اور فلینڈرز پر حملہ کرنے کے لئے تین فوجیں تیار تھیں کہ عین اسیوقت آرلنگٹن نے سر ولیم ٹمپل کو ہیگ روانہ کیا اور انگلستان، ہالینڈ اور سویڈن کے درمیان محالفۂ ثلثہ پر دستخط ہو گئے۔ اور لیوئس نے فریب دینے کے لئے جو شرائط پیش کئے تھے اب مجبور ہوکر اسے ان شرائط کو قبول اور صلح ایکسلاشاپیل پر دستخط کرنا پڑے۔

معاہدۂ ڈوور

چند ہی کام ایسے ہوے ہونگے جنہیں اس اتحاد ثلثہ سے زیادہ ہردلعزیزی حاصل ہوی ہو۔ پیپس لکھتا ہے کہ "بادشاہ جب سے انگلستان میں آیا ہے اس وقت سے مفاد عامہ کا یہی پہلا کام ہوا ہے"۔ ڈرائڈن نے بہ حیثیت ایک ٹوری کے شافٹسبری کے بدترین جرائم میں اس امر کو شمار کیا ہے کہ "اس نے اس اتحاد ثلثہ کو توڑ دیا"۔ ظاہرا یہ اتحاد ثلثہ اتنا ہی تھا کہ لیوئس نے خود ہی جو شرائط صلح تجویز کئے تھے وہ ان کا پابند بنا دیا گیا اور یہ شرائط مفید تھے مگر باطناً اس نے لیوئس کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دیا تھا، ماسوا اس کے اس سے یورپ کی طاقتوں کا وہ اتحاد قائم ہوا، جس سے لیوئس نے سمجھ لیا کہ وہ اُس کے خلاف

سر ٹکرا کر رہجائے گا مگر اُس کی تمنائیں پوری نہ ہوں گی۔ آرلنگٹن کی کوشش یہ تھی کہ اس اتحاد کو ایک وسیع تر اتفاق باہمی کی بنیاد قرار دے اور اُس نے نہ صرف اسے مستقل کرنے کی کوشش کی بلکہ شہنشاہی، خاندان آسٹریا اور سوئٹزرلینڈ کے صوبوں کو بھی اس میں شامل کرنا چاہا۔ اس کوشش میں اسے کامیابی نہیں ہوئی مگر اس "اتحاد ثلثہ" نے اس "اتحاد اعظم" کی بنیاد کا کام دیا جس نے بالآخر یورپ کو بچالیا۔ کرامویل کے انتقال کے بعد انگلستان کی شہرت میں جو کمی واقع ہوگئی تھی وہ اس سے فوراً ہی رفع ہوگئی۔ گویا انگلستان دوبارہ یورپ کی عام سیاسیات میں داخل ہوگیا، اور اس توازن کو اُس نے باضابطہ تسلیم کرلیا جو عام یورپ کی بہبود کے لئے شرط لازمی تھی۔ لیکن لیوئس کے غرور کو جس شے سے اس درجہ صدمہ پہنچا وہ درحقیقت انگلستان کی کارروائی نہیں بلکہ زیادہ تر ہالینڈ کی کارروائی تھی۔ وہ یہ کہا کرتا تھا کہ اسے سخت اذیت ہوتی ہے کہ دوکانداروں کی ایک قوم نے "اس کے منصوبوں کو عین کامیابی کے وقت اس طرح برباد کردیا (نپولین نے انگلستان پر "دوکانداروں کی قوم" کا آوازہ کسا تھا مگر لیوئس اس سے بہت قبل ہالینڈ کے لئے یہی الفاظ کہہ چکا تھا) لیوئس اگر فوری حملہ کردینے سے باز رہا تو اُس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ زیادہ تیقّن کے ساتھ انتقام لینے کی فکر میں تھا۔ صلح ایکسلاشاپل کے

بعد چار برس تک وہ برابر اس کوشش میں لگا رہا کہ صوبہ جات متحدہ کو سب سے الگ کردے۔ اس پر حملے کی حالت میں شہنشاہی کو غیر جانبدار بنادئے۔ سویڈن کو الگ کرکے اور چارلس کو اپنے قابو میں لاکر اتحاد ثلثہ کو بیکار کردے، اور سوائے برینڈنبرگ اور اسپین کی بیکار ہوا خواہی کے اور کہیں سے اہل ہالینڈ کو مدد کی امید باقی نہ رہے؛ اس کی تدابیر سیاسی کو اگرچہ کامیابی حاصل ہوی مگر جیسی کامیابی انگلستان میں حاصل ہوئی ویسی کسی اور جگہ نہیں ہوی۔ اتحاد ثلثہ کی کامیابی سے چارلس ذرا غرور میں آگیا تھا مگر اُسنے اپنی حکمت عملی کو کسی وقت بھی ترک نہیں کیا تھا اور آخر اس حکمت عملی کو اُس نے مستعدی سے عمل میں لانے کا عزم کرلیا۔ اس پر یہ ظاہر ہوگیا تھا کہ اس کے نئے وزرا سے یہ توقع نہیں ہوسکتی تھی کہ وہ کیتھولکوں کے لئے رواداری کو جائز رکھینگے بلکہ وہ درپردہ اس امر پر تلے ہوئے تھے کہ پروٹسٹنٹوں میں ایک ایسا اتحاد پیدا کردیں جس سے ان کے ارادے بالکل باطل ہو جائیں۔ پس اتحاد ثلثہ کے طے ہونے کے بعد ہی اس نے لیوئس پر اپنا یہ عندیہ ظاہر کردیا کہ وہ اس سے جارحانہ و مدافعانہ اتحاد کرنا چاہتا ہے۔ وہ یہ تسلیم کرتا تھا کہ سلطنت میں وہی ایک شخص ہے جو اس قسم کے اتحاد کا خواہان ہے مگر اس کے ساتھ ہی وہ اپنی خواہش کے عمل میں لانے پر بھی تلا ہوا تھا۔ اُس کے وزرا

چارلس کا فرانس کیطرف متوجہ ہونا

کے خیالات کچھ ہی کیوں نہ ہوں، اُس نے یہ ٹھان لی
تھی کہ یا تو وہ اپنے وزرا کو اس تجویز سے متفق کرلیگا
یا نہیں مغالطہ میں رکھیگا۔ ان وزرا میں سے دو شخص یعنی
آرلنگٹن اور سر ٹامس کلیفرڈ بھی بادشاہ کی طرح سے درپردہ
رومن کیتھولک تھے، ڈیوک یارک بھی خفیہ طور پر یہ مذہب قبول
کرچکا تھا۔ پس چارلس نے ڈیوک یارک، ان دونوں وزیروں
اور دو اور کیتھولک امیروں کو مشورے کے لئے طلب ۱۶۶۹
کیا، اور اُن سے راز داری کا اقرار لیکر یہ ظاہر کیا کہ وہ
بھی کیتھولک ہے، اور اپنی سلطنت میں اس مذہب کے
جاری کرنے کے لئے اُن کی رائے و صلاح دریافت
کرنا چاہتا ہے، طے یہ ہوا کہ اس معاملے میں لیوئس سے
مدد کی درخواست کرنا چاہیئے، اور بقول سفیر فرانس، چارلس
نے بادشاہِ (لیوئس) سے "صیانت" کی درخواست کی
"جس سے اسے اُمید تھی کہ انگلستان کی موجودہ مذہبی
حالت کو بہتر بنانے میں اور اپنے اقتدار کو اس طرح
قائم کرنے میں کہ رعایا خاطر خواہ اُس کی مطیع رہے
ہمیشہ اچھا اثر پڑیگا" اس صورت میں ہالینڈ کا زوال
چارلس کی کامیابی کے لئے اسیقدر ضروری تھا جس قدر
خود لیوئس کی کامیابی کے لئے، اور اتحاد ثلثہ کی تحریر کی
روشنائی ابھی خشک بھی نہیں ہوئی تھی کہ چارلس نے ہالینڈ
کی تباہی اور فلینڈرز کے الحاق کی تجویزوں میں لیوئس

کی مدد کا وعدہ کرلیا اُس نے صرف یہ شرط پیش کی کہ لیوئس اگر اسے دس لاکھ سالانہ کی امداد دینا منظور کرے تو وہ اپنا مذہب آشکارا کردیگا اور ہالینڈ پر حملہ کرنے میں فرانس کا ساتھ دیگا۔شاہ اسپین کے اگر کوئی لڑکا نہوا اور اسکا انتقال ہوگیا تو اس حالت میں چارلس فلینڈرز کے متعلق فرانس کے دعاوی کی تائید کرے گا۔اُس کے عوض میں لیوئس نے یہ وعدہ کیا کہ وہ اسپین کے مقبوضات امریکہ کے متعلق انگلستان کی خواہشوں کو قبول کرے گا۔ایک برس کی خط وکتاب کے بعد انہیں بنیادوں پر چارلس اور اُس کی بہن ہنریٹا (ڈچز آرلینز) کی ملاقات کے موقع پر ڈوور میں ایک خفیہ معاہدہ ہوگیا۔اس معاہدے میں یہ قرار پایا کہ چارلس اپنے تبدیل مذہب کا اعلان کردے اور اگر اس سے کسی قسم کا ہنگامہ برپا ہو تو فرانس کی فوج اور فرانس کے روپئے سے اس کی مدد کیجائے۔ہالینڈ کے خلاف دونوں سلطنتیں اعلان جنگ کردیں، انگلستان ایک مختصر سی برّی فوج مہیا کرے مگر سمندر کی جنگ کا بار زیادہ تر اسی پر ہو بشرطیکہ فرانس تین لاکھ پاؤنڈ سالانہ اسے ادا کرتا رہے۔ مئی ۱۶۷۰ء

اعلان رعایت

اس زمانے کی سیاسی لغویت کی کوئی مثال اس سے بہتر نہیں ملسکتی کہ اتحاد ثلثہ کا بانی آرلنگٹن، چارلس کے معاہدہ ڈوور کا رازدار قرار پائے۔لیکن بادشاہ کے تبدیل مذہب اور اُس کے سیاسی مقاصد کی آرلنگٹن اور کلیفرڈ کے علاوہ

کسی اور کو مطلق خبر نہیں تھی۔ یہ غیر ممکن تھا کہ معاہدہ ڈوور
کے متعلق ایشلے، لارڈ لڈیل، ڈیوک بکنگھم یا اس فریق کی جو
مجلس شاہی میں قدیم پرسبیٹرینوں کا قائمقام تھا منظوری حاصل
ہوسکے مگر یہ ممکن تھا کہ عام عبادت سے اتفاق نہ کرنے
والوں کے متعلق اُن کی خواہش کے پورا کرنے کی توقع
دلاکر ان سے بلطائف الحیل ہالینڈ کی جنگ کی منظوری حاصل
کرلیجائے۔ اس لئے بادشاہ کے مذہب کیتھولک قبول کرنے
کے اعلان کو ملتوی رکھا گیا اور بکنگھم کے توسط سے محض کابال اوبرنگ
فرضی مراسلات کا ایک سلسلہ فرانس کے ساتھ جاری رہا جسکا
انجام اس پر ہوا کہ فرانس کے ساتھ ایک مصنوعی معاہدہ ہوگیا
جس کی اطلاع لارڈ لڈیل اور ایشلے کو بھی دی گئی اس معاہدے
میں مذہبی تغیرات یا فرانس کی مدد سے ان کے پورا کرنے
کے متعلق کوئی ذکر نہیں تھا، صرف یہ شرط تھی کہ انگلستان
و فرانس ملکر اہل ہالینڈ کے خلاف جنگ کریں۔ اس جنگ
سے ظاہراً "اتحاد ثلثہ" کی شکست بھی لازم نہیں آتی تھی کیونکہ
"اتحاد ثلثہ" میں صرف ممالک اسپین کے خلاف حملوں کی محافظت
کی گئی تھی۔ پس ۱۶۷۰ء میں ایشلے اور اس کے رفقا کو یہ
طمع دلاکر کہ رواداری مذہبی کا اجرا اُن کی مرضی کے موافق ہوجائے
گا، انہیں اس معاہدے سے متفق کرلیا۔ درحقیقت چارلس ابتک
جس امر پر مصر تھا وہ اس سے باز آگیا تھا اور ایشلے کے
مطالبے پر اُس نے یہ وعدہ کرلیا تھا کہ اس رعایت مذہبی

سے کیتھولک کسی قسم کا فائدہ نہ اٹھا ئینگے۔اس معاملے کے
طے ہوجانے اور اپنے وزیروں کو مغالطہ دیدینے کے بعد
چارلس کے لئے اب صرف یہ کام باقی رہ گیا تھا کہ وہ پارلیمنٹ
کو بھی مغالطہ دیدے۔ ۱۶۷۰ء میں اتحادِ ثلثہ کو تقویت دینے کے
حیلے سے بیڑے کے لئے بہت بڑی رقم کا مطالبہ کیا گیا تھا،
۱۶۷۱ اور رقم منظور بھی ہوگئی۔پس موسم بہار میں دونوں ایوانوں
کے اجلاس ملتوی کردئے گئے مگر چارلس کی تجاویز کے
متعلق قومی مخالفت اسقدر بڑھی ہوئی تھی کہ چارلس مجبور ہوگیا
کہ جسقدر جلد ہوسکے جنگی کارروائی شروع کردے۔ہالینڈ کے
ایک تجارتی بیڑے پر حملہ کرنے کے بعد فوراً ہی جنگ کا
اعلان کردیا گیا اور خزانے کو بند کرکے آنیوالی جنگ
کے لئے مزید رقوم مہیا کرلی گئیں۔ایشلے کی رائے کے موافق
خزانہ سے سلطنت کے قرضوں کی ادائی میں اصل و سود
دونوں کا دینا بند کردیا گیا۔اس التوا سے لندن کے
نصف زرگر دیوالئے ہوگئے۔لیکن جنگ کے شروع ہوتے
ہی ایشلے اور اس کے رفقا کو وہ رواداری حاصل ہوگئی
جس کے لئے انہوں نے اسقدر گراں قیمت ادا کی تھی۔
۱۶۷۲ بادشاہ نے اپنے کلیسائی اختیارات کی رو سے یہ حکم دیدیا
کہ "اس تاریخ سے مذہبی معاملات کے متعلق تمام تعزیری
قوانین جنکا تعلق عام عبادت سے اتفاق نہ کرنے والوں یا
اور کسی قسم کے اختلاف رکھنے والوں سے ہو سب ملتوی کردئے

جائیں" کیتھولکوں کے سوا اور تمام مختلف العقاید فرقوں کو علانیہ عبادت کرنے کی آزادی دیدی گئی، مگر کیتھولکوں کو صرف اُن کے گھروں کے اندر عبادت کی اجازت دی گئی۔ ایشلے اور اس کے رفیقوں کے کام کی تائید اگر ممکن ہو تو یہ کہنا بجا ہے کہ انہوں نے یہ رواداری جس قیمت پر مول لی تھی وہ آخر میں بہت نفع بخش ثابت ہوئی۔ برسوں کی جلاوطنی کے بعد پادری اپنے گھروں اور اپنے لوگوں میں واپس آگئے۔ معابد پھر کھل گئے۔ قید خانے خالی ہو گئے۔ بنین بڈفرڈ کے قید خانے سے رہا ہوا، اور سیکڑوں کو جو خصوصیت سے نشانۂ ستم بنے ہوئے تھے، اپنے طور پر خدا کی پرستش کرنے کے لئے آزاد کردئے گئے۔

جنگ ہالینڈ

لیکن عام عبادت سے اتفاق نہ کرنے والوں کے انبوہ کثیر نے اس اعلان رعایت کو نظر استحسان سے نہیں دیکھا، وہ اگرچہ رواداری کے شیدا تھے مگر مذہب کے عام مفاد کو اس رواداری سے زیادہ گرانقدر سمجھتے تھے اور اب صرف مذہبی مفاد ہی نہیں بلکہ قومی آزادی بھی معرض خطر میں تھی۔ حلیفوں کی کامیابی اول اول بالکل مکمل معلوم ہوتی تھی۔ فرانس کی فوج رائن سے گزر کر بلا مخالفت تین سلطنتوں کو پامال کرتی ہوئی ایمسٹرڈم کے قریب پہنچ گئی اور اس کا طلایہ عین شہر ایمسٹردم کے سامنے خیمہ زن ہوگیا۔ صرف ڈی رویٹر کی کار دانی اور اس کی جانبازانہ ہمت تھی کہ ہالینڈ کے

جہازوں نے ڈیوک یارک کے انگریزی بیڑے کو ساحل سفک کے قریب ایک سخت جنگ کرکے روکے رکھا۔ انگلستان کی مجلس وزرا کی ظفرمندیون کا اظہار اس طرح ہوا کہ دونوں فریق کے سرگروہوں کو اعزاز و منصب عطا کئے گئے، ایشلے چانسلر اور ارل شافٹسبری بنا دیا گیا اور کلیفرڈ وزیر خزانہ مقرر ہوا۔ لیکن فاتح کے متکبرانہ مطالبات نے اہل ہالینڈ میں مردانہ ہمت پیدا کردی اور ان کی پامردی ہی نے انہیں بچا لیا۔ دونوں درباروں کی سازش کی کامیابی کا انحصار اس امر پر تھا کہ اچانک کامیابی کے مواقع ہاتھ آجائیں۔ موسم سرما کے آجانے سے فوجی کارروائیاں ملتوی کرنا پڑیں اور اچانک حملے کا موقع جاتا رہا۔ تاجروں کے طبقہ عظیم کے سرگروہ ڈی وٹ کے انتقال کے باعث شہزادہ آرینج (یعنی ولیم) ہالینڈ کی جمہوریہ کا صدر ہوگیا۔ وہ ایک نوجوان شخص تھا مگر اپنے اہل ملک کی طرح اس نے بھی معاً اپنی پرسکون ہمت و استقلال کا ثبوت دیدیا۔ ڈیوک بکنگھم جو اس سے گفتگو کرنے کے لئے ہیگ بھیجا گیا تھا جب اُس نے یہ کہا کہ " آپ دیکھتے ہیں کہ آپ کا ملک تباہی کے قریب پہنچ گیا ہے " تو ولیم نے جواب دیا کہ " اس کی تباہی کے نہ دیکھنے کا ایک قطعی ذریعہ میرے پاس ہے اور وہ یہ کہ میں میدانِ جنگ کی آخری خندق میں جان دیدوں "۔ موسم بہار کے ساتھ ہی معاملات کا رنگ بدلنا شروع ہوا۔ ہالینڈ تباہی سے بچ گیا اور ولیم

۱۶۷۳ء
نے دلیرانہ ہمت کے ساتھ یکے بعد دیگرے اپنے تمام صوبے
فرانس کے قبضے سے نکال لئے۔ موسم سرما کی اس تعویق سے
انگلستان کی وہ رقمیں ختم ہوگئیں جو اسقدر بے اصول طریقے پر
مہیا کی گئی تھیں: خزانے کے بند کردینے کے باعث ساکھ
بھی خراب ہوگئی تھی اور نئے قرض کا ملنا ناممکن تھا۔ پس
۱۶۷۳ء میں دارالعوام سے روپئے کے لئے درخواست کرنے
کی ضرورت پیش آئی مگر ارکانِ دارالعوام غصے اور بدگمانی کے
ساتھ جمع ہوئے۔ جنگ اگرچہ عام طور پر ناپسند کی جاتی تھی
مگر اس سے کچھ بحث نہیں کی گئی۔ جس خیال نے تمام دوسرے دیہاتی فریق
خیالات کو مغلوب کردیا تھا وہ ایک موہوم سا گمان تھا کہ کی ابتدا
آزادی و مذہب کی بری طرح تباہی ہورہی ہے اور بعد کو
واقعات نے اس گمان کو صحیح ثابت کردکھایا تھا۔ ایک بدگمانی
یہ تھی کہ قوم کی تمام مسلح قوت کیتھولکوں کے ہاتھ میں دیدی
گئی تھی: ڈیوک یارک کے نسبت یہ شک تھا کہ وہ دل میں
پوپ کا معتقد ہے اور بیڑے کی کمان اسی کے ہاتھ میں
تھی۔ جنگ ہالینڈ کے لئے جو فوجیں بھرتی ہورہی تھیں انکی
افسری پر کیتھولک ہی مامور کئے جارہے تھے۔ بادشاہ کی
منظورِ نظر لیڈی کیسلمین اپنے تبدیل مذہب کو علانیہ ظاہر
کرتی پھرتی تھی اور خود بادشاہ کے طریق پروٹسٹنٹ پر قائم
رکھنے کے متعلق بھی شک و شبہہ کے وجوہ بڑھتے جاتے تھے۔
ایک عام بدگمانی یہ پھیلی ہوی تھی کہ مذہب کیتھولک اور مطلق العنان

حکومت کے قائم کرنے کیلئے سازش ہورہی ہے اور جنگ و" اعلان رعایت"
اسی سازش کے اجزا ہیں۔ دارالعوام کے انداز کا فرق اس سے محسوس ہونے لگا
کہ ایک" دیہاتی فریق"، پیدا ہوگیا، جسکے سرگروہ لارڈ رسل، لارڈ کیونڈش اور
سر ولیم کوینٹری تھے۔ یہ فریق عام عبادت سے اتفاق نہ کرنے والوں کی مذہبی
رواداری کی خواہش سے ہمدردی رکھتا تھا مگر اپنا پہلا فرض یہ سمجھتا تھا کہ دربار
کی سازشوں سے ملک کو محفوظ رکھے۔ لیکن" اعلان مراعات"، کے متعلق دارالعوام
کے تمام فریق متفق تھے دارالعوام نے یہ تجویز کی کہ" مذہبی معاملات کے متعلق
تعزیری قوانین بغیر مرضی پارلیمنٹ کے ملتوی نہیں ہوسکتے"، اور رقوم کی منظوری
سے اسوقت تک کیلئے انکار کردیا جبتک کہ یہ اعلان واپس نہ لے لیا جائے۔

قانون اختبار بادشاہ اس موقع پر دب گیا اور" اعلان مراعات"، کے واپس ہوتے ہی دونوں
ایوان پارلیمنٹ میں بلا اختلاف ایک قانون اختبار منظور ہوگیا، جسکے بموجب
سلطنت کے ہرایک ملکی و فوجی ملازم کیلئے یہ لازمی قرار دیاگیا کہ وہ بادشاہ کی
وفاداری اور تفوق مذہبی کا حلف اٹھائے، انقلاب دم ولم کے عقیدے سے انکار
کرے اور کلیسائے انگلستان کے رسوم کے موافق عبادت کو اور عشائے ربانی
کے رسوم کو قبول کرے۔ یہ معلوم تھا کہ پروٹسٹنٹوں میں جو لوگ کلیسا سے منحرف
ہیں وہ حلف اٹھانے اور رسوم عبادت کے متعلق اپنے اعتراضات کے ترک
کردینے پر آمادہ ہیں مگر اس قانون کیوجہ سے کیتھولک، حکومت میں حصہ لینے
سے کلیتہً محروم ہوجائینگے۔ کلیفرڈ نے فوراً ہی اس قانون کی مخالفت کرنیکی
صلاح دی اور بکنگھم پردے پردے میں یہ کہنے لگا کہ فوج لنڈن میں طلب
کرلیجائیگی۔ لیکن اس پر بھی روپئے کی منظوری معلق رہی، اور آرلنگٹن نے
جب یہ دیکھا کہ اسکی" اہم تجویز"، کے پورا کرنیکی تمام امیدوں کا خاتمہ ہوا

جاتا ہے تو اس نے چارلس پر دباؤ ڈالکر اسے منظور کرا دیا۔ بادشاہ کے ہاتھ میں صرف یہی چارہ کار تھا کہ وہ پارلیمنٹ کو برطرف کردے مگر قوم کے تیور صاف یہ کہ رہے تھے کہ نئی پارلیمنٹ اس موجودہ پارلیمنٹ سے بھی زیادہ سخت گیر ثابت ہوگی۔ آخر چارلس نے رنج وغصّہ کے ساتھ اس تجویز کو مان لیا۔ اس قانون سے جیسے حیرت انگیز نتیجے پیدا ہوئے بہت کم کارروائیاں ایسی ہوی ہونگی۔ ڈیوک یارک نے اپنے کیتھولک ہونیکا اقرار اور بیڑے کی امیرالبحری سے الگ ہوگیا۔ جب یہ خبر شایع ہوی کہ کلیفرڈ بھی کیتھولک ہونیکا اقرار کرکے عہدہ وزارت سے ہٹ گیا تو لوگوں کے تحیر کی یہ کیفیت ہوی کہ لوگ غول کے غول وزیر خزانہ کے مکان کے گرد جمع ہونے لگے۔ ان دونوں کے مستعفی ہونے کے بعد ہی بادشاہ کے سیکڑوں ملکی وفوجی عہدہ داروں نے استعفادے دیا۔ ایولن کہتا ہے کہ " شہر میں جس قسم کی عجیب وغریب گفتگوئیں ہورہی ہیں میں ان سب کے لکھنے کی جرات نہیں کرسکتا،، لوگوں کے مستعفی ہونے سے یہ ثابت ہوگیا کہ قانون اختبار جس مظنون خطرے کو روکنے کے لئے بنایا گیا تھا وہ خطرہ صحیح نکلا۔ اُسوقت سے چارلس پر کسی قسم کا اعتماد باقی نہیں رہا۔ شافٹسبری تلخی کے ساتھ لکھتا ہے کہ " بادشاہ اگر خوش قسمتی سے کسی معمولی شریف گھرانے میں پیدا ہوا ہوتا تو یقیناً وہ بڑی قابلیت تہذیب اور اخلاق کا شخص ہوتا مگر بادشاہ کے گھر میں پیدا ہونیکا نتیجہ یہ ہوا کہ اب اُسکے معاملات اس حد کو پہنچ گئے ہیں کہ دنیا میں ایک متنفّس بھی اُس کے فعل اور اس کی راستی پر اعتماد کرنے کی جرات نہیں کرسکتا "

جزو چہارم

ڈینبی

۱۶۷۳—۱۶۷۸

{اسناد۔ مثل سابق۔ مسٹر کرسٹی نے "شافٹسبری کی جو سوانح عمری" لکھی ہے، اس میں اس مدبّر کے کاموں کی خوب ہی حمایت کی ہے اس کتاب سے اس زمانے کے وہگ فریق کے طرز عمل پر مزید روشنی پڑتی ہے۔}

شافٹسبری

بادشاہ کی فریب کاری کے ظاہر ہوجانے سے انگلستان بھر میں سب سے زیادہ جس شخص کو صدمہ پہنچا وہ لارڈ شافٹسبری تھا، ایشلےکوپر کو اس امر پر ناز تھا کہ وہ اپنے گردوپیش کے لوگوں کی اصلی طبیعت کے معلوم کرلینے میں طاق ہے اور سیاسیات میں اس کی نظر اس قدر دور رس ہے کہ اسے ہر ایک پیش آنیوالے تغیر کا پتہ چل جاتا ہے۔ درحقیقت اس کی خود اعتمادی کے حیرت انگیز ہونے میں کوئی شک نہیں۔ جب وہ بالکل لڑکا تھا اس زمانے میں اس نے اپنی جائداد کو

اپنے متولیوں کی حرص وطمع سے اس طرح بچایا کہ خود بذات
خاص اٹیرنی جنرل (وکیل سرکار) نائے کے روبرو حاضر ہوکر
متولیوں کے خلاف درخواست پیش کی۔ آکسفورڈ میں یہ دستور
چلا آتا تھا کہ اوپر کی جماعت کے طلبہ نیچے کی جماعت والوں سے
کام لیتے اور انہیں بہت پریشان کرتے تھے، کوپر جب
آکسفورڈ میں داخل ہوا تو اس نے اپنے کالج کے نئے داخل
ہونے والے طلبہ کو جمع کر کے ایک باقاعدہ شورش برپا
کردی اور آخر اس دستور کو منسوخ کرا کے رہا۔ خانہ جنگی کے
شروع ہونے پر اس نے اولاً بادشاہ کا ساتھ دیا مگر بادشاہ
کی کامیابیوں ہی کے زمانے میں اسے یہ معلوم ہوگیا کہ انجام
کار میں بادشاہ کا کام تباہ ہوجائے گا۔ اس لئے وہ بادشاہ
کا ساتھ چھوڑ کر پارلیمنٹ کی جانب ہوگیا اور کرامویل کے
نیک وبد میں اس کا رفیق اور اس کی "مجلس سلطنت"
کا رکن بنگیا۔ لیکن چونکہ وہ پارلیمنٹ کے اقتدار کو ہر شئے
پر مقدم رکھتا تھا اس وجہ سے جب کرامویل نے بغیر
پارلیمنٹ کے خود مختارانہ حکومت شروع کردی تو وہ کرامویل
سے بھی الگ ہوگیا۔ کرامویل کے دور حکومت میں اسے
کچھ دنوں ذلت اٹھانا پڑی جس سے وہ اس حکومت
کے خلاف اور بھی سرگرم ہوگیا اور منجملہ دیگر امور کے اسکی
یہ مخالفت بھی اس حکومت کے زوال کا ایک بڑا سبب
بن گئی۔ اس نے متوفی پروٹکٹر (محافظ سلطنت) کے خلاف

جیسے سخت الفاظ استعمال کئے، منک سے جس قسم کی سازشیں کیں اور بحیثیت رکن "مجلس سلطنت" بادشاہ کے واپس بلانے میں جس قدر مستعدی دکھائی اس کا انعام یہ ملا کہ رجعتِ شاہی کے بعد اسے طبقہ امرا میں داخل کرلیا گیا اور شاہی مجلسوں میں اسے بہت بلند جگہ دی گئی۔ اس وقت ایشلے کی عمر چالیس برس کی تھی، اور ڈرائیڈن نے بحیثیت ایک ٹوری کے حقارۃً اس کے متعلق لکھا تھا کہ دولت عامہ کے زمانے کے "تمام بہکنے والوں میں وہ سب سے زیادہ بلند آہنگ تھا" مگر چارلس کے وزرا میں داخل ہوتے ہی وہ دربار کی عیش پرستیوں میں ایسا منہمک ہوگیا کہ اپنے آقا کو بھی شرما دیا۔ ایک مرتبہ چارلس نے اپنے اس مشیر کے ایک بے ہنگام مزاح پر ہنسکر کہا کہ "تمام انگلستان میں تم سب سے زیادہ شریر گنتے ہو" ایشلے نے بے تکان جواب دیا کہ "بیشک مگر صرف طبقہ رعایا میں"۔ لیکن درحقیقت اس کی یہ عیش پرستی محض ایک دھوکے کی ٹٹی تھی وہ طبعاً وعادتاً اعتدال پسند تھا اور اپنی خرابی صحت کی وجہ سے وہ حد سے زیادہ بڑھ بھی نہیں سکتا تھا۔ لوگوں کو بہت جلد معلوم ہوگیا کہ جو درباری لیڈی کیسلمین کے کمرے میں پڑا رہتا اور سڈلی اور بکنگھم کے ساتھ مے نوشی وبذلہ سنجی میں مشغول رہا کرتا ہے وہ ایک نہایت ہی ہوشمند وقابل کارکن ہے۔ رجعتِ شاہی کے تین ہی برس بعد پیپس اس کی نسبت حیرت سے لکھتا ہے

کہ "وہ بڑا ہی کارگزار اور اس کے ساتھ ہی اول درجہ کا عیش پرست واوباش شخص ہے" وہ جس آسانی و قدرت کے ساتھ مالی معاملات کو طے کرتا تھا اور اپنی پُرمذاق باتوں سے جسطرح بادشاہ کی خوشنودی حاصل کرلیتا تھا، اس پر اس کے رقیبوں کو بھی رشک تھا؛ اس کے آخری زمانے میں دشمنوں تک کو بادل ناخواستہ اس کی محنت وجفاکشی کی داد دینا پڑی۔ ڈرائیڈن بھی اسے تسلیم کرتا تھا کہ چانسلر کی حیثیت سے وہ نہایت عجلت وآسانی کے ساتھ اپنے کام کو انجام دیتا تھا اور اسے حیرت تھی کہ "جس عمر میں آدمی کو آرام کی ضرورت ہوتی ہے اس عمر میں اس سے یہ مستعدی وہمہ گیری کیونکر ظاہر ہوتی ہے"۔ زیادہ حیرت اس وجہ سے تھی کہ اس کی صحت بالکل خراب ہوچکی تھی۔ اوائل عمر کے ایک حادثے سے اسے دائمی کمزوری لاحق ہوگئی تھی۔ اس کے زرد چہرے پر جھرّیاں پڑی ہوئی تھیں، اس کی صحت خراب ہوچکی تھی، جسم میں رعشہ پیدا ہوگیا تھا۔ اس کا "چھوٹا سا قد"، اس کی شعلہ زن طبیعت سے جلا جارہا تھا۔ مگر اس تمام تکلیف وکمزوری پر بھی اس کی ہمت میں مطلق تزلزل نہیں آیا تھا۔ والپول کے سوا اور کوئی مدبر ایسا نہیں گزرا ہے جس پر اشلے سے زیادہ بے باکانہ اعتراضات ہوے ہوں مگر برنیٹ تک کو (جسے اشلے سے کوئی خصوصیت نہیں تھی)، یہ اعتراف ہے کہ وہ اپنے معترضین کے متعلق کبھی رنج وغصہ کے الفاظ استعمال نہیں

کرتا تھا۔ البتہ اپنی ظرافت سے انہیں بھی نیچا دکھاتا تھا مگر اسمیں بھی خوش مزاجی کو ہاتھ سے نہیں دیتا تھا۔ ایک مرتبہ جب وہ دارالامرا میں تقریر کر رہا تھا تو ایک اسقف نے مزاحاً دبی زبان سے کہا کہ "آپ اس وعظ کو کب ختم کریں گے" ایشلے نے ہنسکر جواب دیا کہ حضرت جب میں اسقف ہوجاؤں گا"

شافٹسبری کی حکمت عملی

بحیثیت مدبر کے ایشلے کو اپنے ہمعصروں پر۔ بھی نوقیت نہیں حاصل تھی کہ اس کی حیرت انگیز مستعدی وجفاکشی سب سے بڑھی ہوئی تھی بلکہ اس امر میں بھی وہ سب پر فائق تھا کہ وہ ذاتی نفع کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا، ڈرائیڈن نے اس کے اخلاق کی ایک ایک خرابی کو گنایا ہے مگر اسے بھی یہ ماننا پڑا ہے کہ وہ ایک بے غل وغش آدمی تھا۔ بحیثیت ایک سیاسی سرگروہ کے اس زمانے کے لوگوں کو اس کی حالت اعجوبہ معلوم ہوتی ہے۔ مذہب میں وہ زیادہ سے زیادہ موحد تھا یعنی خدا کو مانتا تھا، الہام کا قائل نہیں تھا اور ایک دھندلا سا خیال اس کے ذہن میں یہ تھا کہ "مرنے کے بعد روحیں ستاروں میں رہتی ہیں"، لیکن باوجود موحد ہونے کے وہ شاہی مجلس میں پرسبٹیرین اور عام عبادت سے اتفاق نہ کرنے والوں کی قائمقامی کرتا رہا۔ وہ رواداری کا مستقل دپرزور حامی تھا مگر اس حمایت کی بنا خالصتہً سیاسی وجوہ پر تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اہل انحراف تشدد وسختی کے خوف سے کلیسا میں واپس نہ آئیں گے اور ان کو واپس لانے کی کوشش کا نتیجہ صرف یہ ہونا ہے کہ

ملک میں نااتفاقی قائم رہے، انگلستان کی آزادی کو بادشاہ اپنا تختہ مشق بنائے رہے، اور یورپ میں انگلستان کا اثر بالکل زائل ہوجائے۔ اہل کلیسا اور منحرفین کو متحد کرنے کا صرف ایک ہی ذریعہ تھا یعنے رواداری لیکن رجعتِ شاہی کے بعد انگلستان کی حالت یہ ہوگئی تھی کہ ایشلے کو بادشاہ کے سوا اور کسی سے رواداری کے حاصل کرنے کی توقع نہیں ہوسکتی تھی۔ پس یہ تمام ظرافت وبذلہ سنجی وعیش وطرب، کاموں کی عاجلانہ تعمیل اسی ضرورت سے تھی کہ بادشاہ پر اثر پیدا ہوجائے اور کلیرنڈن کی عدم رواداری کے خلاف اس کی جد وجہد میں بادشاہ اس کا حامی ہوجائے مگر جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے چارلس خود اپنی تدبیر میں لگا ہوا تھا اور اسی وجہ سے وہ قانون اختبار، قانون اتحاد عبادت اور منحرفین کی داروگیر کے متعلق ایشلے کی پُرزور مگر بے نتیجہ کوششوں میں اس کا شریک ہوگیا۔ آخر قسمت نے بھی اس بے باکانہ جرأت میں ایشلے کا ساتھ دیا۔ اور اس نے بڑی خوبی سے کلیرنڈن کو ۱۶۶۴ء کی جنگ ہالینڈ میں پھنسادیا اور پارلیمنٹ کی روگردانی سے فائدہ اُٹھاکر اس کے زوال پر مہر لگادی۔ اسے یقین تھا کہ ایک ایسا ہی بے باکانہ معاملہ اس نے اور کیا ہے جس کا معاوضہ یہ تھا کہ اعلان رعایت شائع کیا گیا، عام عبادت سے اتفاق نہ کرنے والے قید سے رہا ہوگئے، تمام منحرفوں کو عبادت کی آزادی مل گئی اور اس کی قیمت اسے صرف یہ دینا پڑی کہ وہ ہالینڈ پر ایک دوسرے حملے

کے لئے رضامند ہوگیا۔ مگر جن معاملات کی اس نے صلاح دی تھی اور جن معاملات سے اسے سروکار نہیں تھا۔ قوم میں دونوں کا ذمہ دار عام طور پر وہی سمجھا جانے لگا۔ اس سے اس کے خلاف عام نفرت کا ایک طوفان امنڈنے لگا مگر عین اس وقت جب کہ وہ اپنی خود اعتمادی میں سرمست اور اس طوفان عام کے مقابلے میں سرگرم تھا۔ اس پر بادشاہ کے مذہب کا حال منکشف ہوا اور اس نے اپنے ایک دوست سے یہ اعتراف کیا کہ "انگلستان پر جو ابر سیاہ جمع ہو رہا ہے اس سے وہ پریشان ہوگیا ہے" مگر اس پر بھی اسے یہ یقین تھا کہ اسے اتنی قوت حاصل ہے کہ وہ چارلس سے جو کام چاہے گا لے لیگا۔ چانسلری کے عہدے اور ارل شافٹسبری کے منصب کے قبول کرنے اور پارلیمنٹ کے کھلنے پر جنگ کی پُرزور حمایت کرنے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ پہلے سے بھی زیادہ بادشاہ کے طرز عمل سے متحد ہوگیا ہے۔ اگر ہم فرانسیسی سفیر کے بیان کا یقین کریں تو یہ ماننا پڑے گا کہ اسے معاہدہ ڈوور کا راز پارلیمنٹ کے کھلنے کے بعد آرلنگٹن سے معلوم ہوا تھا۔ بہر حال یہ بیان صحیح ہو یا یہ وجہ ہو کہ عام طور پر جو شک وشبہہ پیدا ہو رہا تھا اس نے شافٹسبری کے دل میں تیقن کی صورت اختیار کرلی تھی، مگر اس نے یہ سمجھ لیا کہ اسے بیوقوف بنالیا ہے۔ اس انکشاف کی ناگواری کو اس خیال نے اور تکلیف دہ بنادیا کہ اسے جن تجویزوں سے نفرت تھی ان کے پورا کرنے میں اس نے مدد کیوں دی۔ اس نے فوراً اپنا طرز عمل بالکل بدلدیا

شافٹسبری کے طرز عمل میں تبدیلی

اور مجلس شاہی میں اس امر پر زور دیا کہ اعلان رعایت ، واپس لے لیا جائے ۔ پارلیمنٹ میں اس نے غیر معمولی جوش کے ساتھ قانون اختبار کی تائید کی اور اس قانون کی وجہ سے جیمز اور کلیفرڈ کے علیحدہ ہوجانے سے اسے یہ توقع ہوگئی کہ اب مجلس شاہی پر وہ ہر طرح سے حاوی ہوجائے گا اور اس کے ساتھ جو دغا کی گئی ہے اس کا عوض یوں لیگا کہ بادشاہ کو اپنی حکمت عملی پر مجبور کردے گا۔ وہ جنگ کے ختم کرنے کا تہیّہ کرچکا تھا۔ وہ یہ بھی خواب دیکھ رہا تھا کہ بادشاہ کے عقد کو باطل قرار دیکر اور کسی پروٹسٹنٹ شہزادی سے اس کا نیا عقد کرکے کیتھولک جانشین کے خطرے کو بھی مٹادے گا۔ درحقیقت چارلس بالکل بے یار و مددگار معلوم ہوتا تھا۔ اس نے مدتوں پہلے لیوئس سے جیسا کہا تھا ویسا ہی ہوا کہ وہ اپنی مملکت میں بالکل تنہا رہ گیا۔ قانون اختبار کو دونوں ایوانہاے پارلیمنٹ نے بالاتفاق منظور کیا تھا۔ عام عبادت سے اتفاق نہ کرنے والے بھی اس سے الگ ہوگئے اور اس کی تجویزوں میں مدد دینے کے بجائے وہ تشدد کو پسند کرتے تھے، فوج سے کام لینے کا اگر اسے خیال رہا ہو تو اب کیتھولک افسروں کے بر طرف ہوجانے سے یہ بھی ناممکن ہوگیا۔ اسکے ساتھ ہی جنگ ہالینڈ کی نامساعدت سے فرانس کی امداد کی امید بھی نقش بر آب ہوگئی۔ شہزادہ آرینج کی مستقل مزاجی نے اس کے ہم وطنوں میں مردانہ ہمت پیدا کردی تھی۔ فرانس کے بری مفتوحات ایک ایک کرکے واپس لے لئے گئے اور

وی روئیٹر کی مہارت دکاروانی نے حلیفوں کے بیڑے کو برابر سمندر ہی میں روکے رکھا، تدابیر سیاسی میں بھی ولیم کی کامیابی اسکی جنگ کی کامیابی سے کم نہ تھی۔ یورپ کو جس خطرے کا اندیشہ تھا، آخر خاندان آسٹریا کو اس کا احساس پیدا ہوگیا اور صوبجات متحدہ کے ساتھ اس کے متفق ہوجانے سے "محالفۂ اعظم" کی بنیاد قائم ہوگئی۔ اگر ایک طرف چارلس جنگ کے جاری رکھنے پر اڑا ہوا تھا تو دوسری طرف پارلیمنٹ اور اس کے ساتھ شافٹسبری صلح پر آمادہ تھے۔ اور شافٹسبری اس مقصد کے حصول کے لئے دارالعوام کے "دیہاتی فریق" کے ساتھ بدل وجان متفق ہوگیا تھا، اور ڈیوک آرمنڈ اور شہزادہ ریوپرٹ کی مجلس شاہی میں واپس آنے کو مغتنم سمجھتا تھا، کیونکہ یہ دونوں شخص بہت بڑے حامی پارلیمنٹ سمجھے جاتے تھے۔ جنگ سے پارلیمنٹ کے اس اظہار نفرت اور مزید مذہبی اطمینان کے نہ ہونے تک رقوم کی منظوری سے انکار کرنے کو چارلس نے شافٹسبری کے اثر کی طرف محمول کیا۔ اسی کے اشارے سے ہر دو ایوانہائے پارلیمنٹ نے ایک محضر اس مضمون کا پیش کیا کہ جیمز کا عقد میری شہزادی ماڈنیا سے نہ کیا جائے جو مذہباً کیتھولک تھی مگر بادشاہ کی ایک غیر معمولی جرائت سے شافٹسبری کی تمام تجویزیں یکایک خاک میں مل گئیں۔ نومبر میں ایوانہائے پارلیمنٹ کے ملتوی ہوتے ہی چانسلر کے پاس یہ حکم پہنچا کہ وہ اپنی سرکاری مہر حوالہ کردے۔

شافٹسبری کی برطرفی ۱۶۷۳

چارلس اور شافٹسبری

اس حکم کے ملنے پر شافٹسبری نے یہ کہا کہ "میرے لئے

اس حکم کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں ہے کہ میں اپنی قبا اُتار کر رکھدوں اور تلوار حمائل کروں" یہ الفاظ بالکل بے شر تھے کیونکہ تلوار ہر ایک شریف آدمی کی معمولی پوشاک کا لازمہ تھی اور شافٹسبری کا مطلب یہی تھا کہ وہ چانسلری کی قبا اُتار کر ایک جنٹلمین (شریف آدمی) کا لباس اختیار کرلے گا مگر ان الفاظ کے معنی یہ لئے گئے کہ اس نے درپردہ بادشاہ کو دھمکی دی ہے۔ وہ اپنی اس رائے پر اب بھی مستقل تھا کہ بادشاہ کو مجبور کرنا چاہئے کہ وہ ہالینڈ سے صلح کرلے لیکن اب موجودہ خطرات سے زیادہ اسے آئندہ کے خطرات کی فکر پیدا ہوگئی۔ ڈیوک یارک ولیعہد وقت تھا اس نے اپنے کیتھولک ہونے کا اقرار کرلیا تھا اس لئے تقریباً ہر شخص اس خیال پر متفق تھا کہ اگر وہ تخت نشیں ہو تو قومی مذہب کیلئے کافی اطمینان حاصل کرلینا چاہئے لیکن شافٹسبری یہ سمجھتا تھا کہ جیمز کے سے بادشاہ سے جسے اپنے ربانی حقوق کا یقین ہو، اور جس کا مذہبی جوش، غلو کی حد تک پہنچا ہوا ہو، کیسی ہی ضمانت کیوں نہ لی جائے سب بیکار ہے، اور اس کی تعریف کرنا چاہئے کہ اس نے پہلے ہی سے اس امر کو سمجھ لیا۔ وہ ابتدا سے اس تجویز پر مصر تھا کہ چارلس کو مجبور کیا جائے کہ وہ اپنے بھائی کو حق جانشینی سے محروم کردے اور آخر "انقلاب" نے اسکی اصابت رائے کو صحیح کر دکھایا۔ لیکن بدقسمتی یہ تھی کہ وہ چارلس کے مقابلے میں اسی قسم کے تبذل ذرائع اختیار کرنا چاہتا تھا، جیسے چارلس نے خود اختیار کر رکھے تھے۔ کلیفرڈ کے استعفے اور جیمز کے

تبدیل مذہب کے اقرار نے کارکنان سلطنت کی صداقت کا اعتماد بالکل زائل کردیا تھا۔ بدگمانی نے ایک ہیجانی کیفیت پیدا کردی تھی۔ لوگ دبی زبان سے یہ سرگوشیاں کررہے تھے کہ چارلس خود بھی کیتھولک ہے اور یہ گمان خطرناک طور پر صحیح ثابت ہوا۔ قانون اختبار کے باوجود یہ بدگمانی پھیلی ہوئی تھی کہ اب بھی سلطنت کے اعلیٰ عہدوں پر بہت سے ایسے اشخاص فائز ہیں جو دل میں کیتھولک ہیں اور آرلنگٹن کے باب میں یہ گمان بالکل صحیح تھا۔ شافٹسبری نے اسی اضطراب عام کو اپنی تجویزوں کے پورا کرنے کا ذریعہ بنایا اور اس کی اس حرکت کی وجہ سب سے بڑھ کر یہ تھی کہ وہ ان پوشیدہ خطرات سے جو روز روز ظاہر ہوتے رہتے تھے کسی اور طرح سے مقابلہ کرنے سے عاجز تھا۔ پس اس نے ان قصوں سے اس اضطراب کو اور بھڑکایا کہ لندن میں پیروان پوپ شورش کرنا چاہتے ہیں اور آئرلینڈ میں فرانسیسی فوج کی مدد سے بہت جلد بغاوت ہونے والی ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اس کا گلا کاٹنے کی سازش کی گئی تھی اور اس کا پتہ چل گیا اور اسی لئے وہ اپنے شہر (لندن) کے مکان میں آگیا ہے۔ اس اثنا میں وہ بہت سرعت کے ساتھ دیہاتی فریق کو ایک منتظم حالت میں لے آیا اور خود علانیہ اس کا سرگروہ بن گیا۔ ایوانہائے "پارلیمنٹ" کے جمع ہونے پر ایک محضر یہ پیش ہوا کہ "جن وزرا کی نسبت کیتھولک عقائد میں ملوث ہونے کا گمان ہے یا اور طرح پر وہ "تکلیف دہ خطرناک معلوم ہوتے ہیں" وہ علیحدہ کردئے جائیں۔ دارالعوام نے بادشاہ سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ لارڈ رڈیں، بکنگھم

ہیجان عام

اور آرلنگٹن کو برطرف کردے اور ۱۶۶۴ء کے بعد سے جس قدر فوج بڑھائی گئی ہے اسے منتشر کردے، ایک مسودہ قانون یہ بھی پیش ہوا کہ کوئی کیتھولک دربار میں نہ جانے پاوے۔ بالفاظ دیگر یہ کہ جیمز بادشاہ کے مشوروں میں نہ شریک ہوسکے۔ ایک اس سے بھی زیادہ اہم مسودہ قانون "مذہب پروٹسٹنٹ کے تحفظ وضمانت" کے نام سے پیش ہوا، اور دارالامرا کے نئے فریق مخالف کے سرگروہ، ہیلی فیکس شافٹسبری، اور کارلائل نے اس کی منظوری پر زور دیا، اس قانون کا منشا یہ تھا کہ اگر شاہی خاندان کا کوئی شہزادہ کسی کیتھولک عورت سے عقد کرے گا تو تخت وتاج کے حق سے محروم ہوجائے گا۔ یہ مسودہ جو بعد کے قانون تجب کا پہلا خاکہ تھا اگرچہ منظور نہ ہوسکا مگر اس کی منظوری سے دونوں ایوانوں میں ایک طرح کا جوش واندیشہ پیدا ہوگیا تھا۔ شافٹسبری بڑی مستعدی سے شہر کے اندر سازش میں مشغول ہوگیا، وہ شہزادہ آرینج سے مراسلت کررہا تھا اور فرانس کے ساتھ جنگ کرنے پر زور دیرہا تھا۔ چارلس نے اس جنگ کو صرف اس طرح پر ٹالا کہ اس نے لیوئس سے امداد کی درخواست کی اور پارلیمنٹ کو ملتوی کردیا۔ لیکن چارلس نے دیکھ لیا کہ اب دب جانے کا وقت آگیا ہے۔ اس نے بہت رنج کے ساتھ ٹمپل سے کہا کہ "معاملات خراب ہوگئے اگر میرے کارگزار اچھے ہوتے تو میں اس سے بڑا کام نکال لیتا لیکن اس کی مراعات حسب معمول بالکل نکمل تھی، اس نے بکنگھم وآرلنگٹن کو برطرف کردیا، اور اہل ہالینڈ سے صلح کرلی۔ مگر شکست

ہالینڈ سے صلح
۱۶۷۴

کے وقت چارلس تمام وقتوں سے زیادہ ہیبتناک بن جاتا تھا۔شافٹسبری کے منصوبوں کو زک دینے کے لئے وہ پہلے ہی ایک نئی تجویز قائم کرچکا تھا۔اپنے ابتدائے عہد سے وہ توازن قوت کے اصول پر جما ہوا تھا کبھی وہ اہل کلیسا کو عام عبادت سے اتفاق نہ کرنے والوں کے مقابلے میں ابھارتا اور کبھی کلیرنڈن کے خلاف ایشلے کی پشت گری کرتا تھا۔اس توازن قوت سے اس کی غرض کچھ تو یہ تھی کہ وہ اپنی خود مختاری کو قائم رکھے اور کچھ یہ کہ اس سیاسی جد وجہد سے کیتھولکوں کو قدرے نفع پہنچادے۔ دارالعوام کے مخالفانہ انداز کے باعث کلیرنڈن نے بادشاہ کی کوششوں کو بیکار کردیا تھا اور اس کے زوال کے بعد چارلس نے یہ خیال قائم کرلیا تھا کہ اب اسے اتنی قوت حاصل ہوگئی ہے کہ وہ صرف عام عبادت سے اتفاق نہ کرنے والوں کی مدد سے اپنے منصوبوں کے پورا کرنے کی کوشش کرے مگر پُرانی حکمت عملی کی طرح یہ نئی حکمت عملی بھی بیکار ثابت ہوئی۔ان لوگوں نے مذہب پروٹسٹنٹ کے ساتھ دغا بازی کرنے سے انکار کردیا اور ان کے سرگروہ شافٹسبری نے ایسی کارروائیوں کے لئے زور دیا جن سے کیتھولکوں کی وہ تمام امیدیں خاک میں ملجائیں جو جیمز کی تبدیل مذہب کی وجہ سے پیدا ہوگئی تھیں۔ان دشواریوں میں پھنسکر چارلس نے یہ ارادہ کیا کہ دارالعوام جس رائے پر مصر ہے اسے دلیرانہ طور پر قبول کرکے دارالعوام کو پھر اپنا جانبدار بنالے۔دارالعوام کے ارکان کا زیادہ حصہ شاہ پرست اہل کلیسا پر مشتمل تھا اور یہ لوگ سرٹامس آسبرن

کو شاہی مجلسوں میں اپنا قائم مقام سمجھتے تھے۔ آسبرن درحقیقت آرلنگٹن کا آوردہ تھا اور بادشاہ اسے پہلے ہی ارل ڈینبی بنا چکا تھا۔ اب کلیفرڈ کی جگہ اسے وزیر خزانہ مقرر کردیا اور ۱۶۷۴ء میں ڈینبی اور اس کے پارلیمنٹی فریق کی روش کو علانیہ اختیار کرلیا۔

ڈینبی

ڈینبی کی حکمت عملی فی الاصل وہی تھی جو کلیرنڈن کی حکمت عملی تھی، کلیرنڈن ہی کے مانند اسے کلیسا سے الفت اور پوپ پرستی وانحراف سے نفرت تھی۔ شاہی اقتدار کی نسبت بھی اسکے خیالات ویسے ہی بڑھے ہوئے تھے، صرف پارلیمنٹ وقانون کے اعتماد نے اس خیال میں اعتدال پیدا کردیا تھا۔ اس کی پہلی کارروائیاں اس طرف مائل تھیں کہ عام اضطراب فرو ہوجائے اور جیمز کی حیثیت مستحکم ہو جائے۔ میری ڈیوک یارک کی سب سے بڑی لڑکی تھی۔ اور بہ ظاہر حالات ڈیوک کے بعد وہی تاج کی وارث بھی تھی۔ بادشاہ کے حکم سے اس کے پروٹسٹنٹ ہونے کی تصدیق شائع کردی گئی اور ولیم (آرینج) سے اس کے عقد کے متعلق خفیہ مراسلت شروع ہوگئی۔ ولیم بادشاہ کی بہن میری کا بیٹا تھا اور اگر جیمز اور اس کی اولاد جانشینی سے خارج کردی جاتی تو ولیم ہی تاج وتخت کا وارث ہوتا۔ اس عقد کا فائدہ یہ تھا کہ جیمز کو اپنے ایک پرخطر رقیب کی طرف سے اطمینان ہوجاتا اور خود ولیم کے لئے بھی اپنے خسر کے انتقال کے بعد تخت نشیں ہونے کا راستہ صاف ہوجاتا۔ ڈینبی اور اساقفہ کے مشورہ سے کلیسا، اور بادشاہ کے مابین اتحاد پختہ کردیا گیا، اور اس کا پہلا نتیجہ یہ نکلا

کہ منحرفوں کے جلسوں اور دربار سے کیتھولکوں کے خارج کرنے کے متعلق قانون پر سختی کے ساتھ عمل ہونے لگا۔ اس کے ساتھ ہی ۱۶۷۵ء کی پارلیمنٹ کو یہ یقین دلایا گیا کہ قانون اختبار کا نفاذ سخت کردیا جائے گا۔ بادشاہ کے طرز عمل کا یہ تغیر ایک لمحہ بھی قبل از وقت نہیں ہوا تھا۔ بایں ہمہ ڈینبی کا جمع کردہ شاہی فریق بمشکل بادشاہ کو اس ذلت سے بچاسکا کہ اس نے جو فوج فرانس کی ملازمت میں دے رکھی تھی اس کی واپسی پر وہ مجبور کیا جائے۔ اس معاملے میں کثرت رائے حاصل کرنے کے لئے ڈینبی کو بدرجہ مجبوری ایک ایسا ذریعہ اختیار کرنا پڑا جو اس کے بعد سے تقریباً سو برس تک انگلستان کی سیاسیات کا ایک اہم جزو بنا رہا، یعنے اس نے اس کام کے لئے بیدریغ رشوتیں دیں لیکن دارالعوام کے حصہ کثیر کو دیہاتی فریق سے الگ کرنے میں اسے رشوت سے زیادہ کامیابی، مذہبی داروگیر کے قدیم جوش کے تازہ کرنے سے حاصل ہوئی۔ اس نے یہ تجویز کی کہ "کلیرنڈن نے بلدی عہدہ داروں کے لئے جو مذہبی جانچ مقرر کی ہے اسے سلطنت کے تمام عمال پر وسعت دیدی جائے۔ اور ایوانہائے پارلیمنٹ کا ہر ایک رکن، ہر عامل اور ہر ایک سرکاری عہدہ دار یہ حلف اوٹھائے کہ نہ وہ کبھی بادشاہ کے خلاف ہتیار اُٹھائے گا اور نہ یہ کوشش کرے گا کہ کلیسائے انگلستان میں جس طرح وہ اسوقت حسب قانون قائم ہے کوئی تبدیلی کی جائے یا کلیسا و سلطنت کی قائم شدہ حکومت میں کسی قسم کا تغیر عمل میں آئے"۔ اساقفہ

ڈینبی اور دارالعوام

اور شاہ پرست فریق نے اپنی کوششوں سے اس مسودہ کو دارالامرا
میں منظور کرالیا اور دارالعوام میں وہ صرف اس وجہ سے منظور ہوتے
ہوتے رہ گیا کہ دونوں ایوانوں میں اپنے حقوق امتیازی کے متعلق
بحث پیش آگئی اور شافٹسبری نے بڑی تدبیروں سے اس شعبے کو
اور اچھی طرح بھڑکا دیا؛ اس کے ساتھ ہی دیہاتی فریق کو اتنی قوت
حاصل تھی کہ وہ رقوم امداد کی منظوری میں حرج ڈال سکے، اور اسکے
لئے ایسے شرایط پیش کرے جو بادشاہ کے لئے ناقابل قبول ہوں۔
دارالعوام اگرچہ ڈینبی کے حسب وعدہ فرانس سے جنگ شروع
کرنے کے لئے بیچین تھا مگر وہ بادشاہ پر اعتماد نہیں کرسکتا تھا۔ اور
ڈینبی کو بہت جلد معلوم ہوگیا کہ ان کی یہ بے اعتمادی کس قدر صحیح
تھی کیونکہ دارالعوام کے ملتوی ہوتے ہی چارلس نے ڈینبی کو وہ
مراسلات دکھائے جو اس تمام اثنا میں اس کے اور لیوئس کے
درمیان ہورہے تھے اور ڈینبی سے یہ خواہش کی کہ وہ ایک ایسے
معاہدے پر دستخط کردے جس کی شرط یہ تھی کہ فرانس اگر ایک سالانہ
وظیفہ کی ذمہ داری کرلے تو دونوں بادشاہ اس امر کے پابند ہوجائیں 1678
کہ وہ کسی اور طاقت سے کوئی معاہدہ نہ کریں اور اپنے ملک کے
اندر بغاوت کی صورت میں ایک دوسرے کو مدد دیں۔ اس قسم
کے معاہدے سے صرف یہی نہیں ہوتا کہ انگلستان، فرانس کا دست نگر
بن جاتا بلکہ بادشاہ پارلیمنٹ کی نگرانی سے آزاد ہوجاتا۔ وزیر نے
اس معاملے میں تاخیر کرنے اور مجلس شاہی سے مشورہ لینے پر زور
دیا مگر اس کا کچھ حاصل نہ ہوا چارلس نے اس کے التجا کرنے پر

خود معاہدے پر دستخط کردئے۔ شافٹسبری کی طرح اب ڈینبی کو بھی معلوم ہوگیا کہ بادشاہ نے اسے بیوقوف بنا رکھا تھا لیکن اس کی باہمت طبیعت نے اسے اس امر پر آمادہ کردیا کہ وہ چارلس کو لیوئس کے پنجے سے نکالنے کے لئے نئی تدبیریں پیدا کرے۔ اس کے لئے پہلی شرط یہ تھی کہ بادشاہ اور پارلیمنٹ کے درمیان جو پندرہ مہینے کی التوا کے بعد جمع ہوئی تھی مصالحت ہوجائے۔ دیہاتی فریق اس قسم کی مصالحت میں حائل تھا مگر ڈینبی نے یہ عزم کرلیا تھا کہ نہایت پرزور کارروائیوں سے اس فریق کی قوت کو توڑ دے اور شافٹسبری کی ایک غلطی نے اس کے لئے یہ موقع بہم پہنچا دیا۔ دارالعوام پندرہ برس قبل مذہبی وسیاسی خیالات کی بازگشت کے زمانے میں منتخب ہوا تھا اور شافٹسبری اس امر سے مایوس ہوگیا تھا کہ وہ اس طرح کے دارالعوام کو بالاستقلال بادشاہ کی مخالفت پر قائم رکھ سکے گا۔ اس لئے وہ پہلے ہی پارلیمنٹ کی برطرفی کے لئے محضر پیش کرنے کی تحریک کرچکا تھا۔ اب اسنے یہ حجت نکالی کہ اڈورڈ سوم کا ایک قانون ہے کہ پارلیمنٹ "سال میں ایک مرتبہ یا جتنے مرتبہ ضرورت ہو" جمع ہوا کریگی اور چونکہ گزشتہ التوا کا زمانہ ڈیڑھ برس کا تھا اسلئے پارلیمنٹ کا وجود قانوناً باطل ہوگیا "سہ سالہ قانون" کے بموجب یہ دلیل بیکار تھی مگر ڈینبی نے اسے اس رنگ میں رنگا کہ یہ دارالعوام کی ہتک ہے اور دارالامرا نے اس کے اشارے سے اس تجویز کے موید ین، شافٹسبری بکنگھم، سالسبری اور ڈہارٹن

ڈینبی کی کارروائیاں فروری ۱۶۷۷ء

کو ٹاور میں بھیجدیا اس ضرب سے فریق مخالف پر خوف طاری ہوگیا ادہر ڈینبی نے عجلت کے ساتھ ایک ایسی کارروائی کی جس سے یہ یقین تھا کہ اہل کلیسا ڈر کر پھر بادشاہ پر اعتماد کرنے لگیں گے۔ چنانچہ حفاظت کلیسا کے قانون میں ایک دفعہ یہ رکھی گئی کہ اگر کوئی ایسا بادشاہ تخت سلطنت پر تمکن ہو جو مسلمہ کلیسا کا رکن نہ ہو تو اساقفہ کا تقرر موجودالوقت مقتدایان دین کے ہاتھ میں آجائے گا اور بادشاہ کے لڑکے اسقف اعظم کینٹربری کی تولیت میں رہیں گے۔

معاہدہ نیمے گوئیں

لیکن یہ مسودہ قانون دارالعوام میں منظور نہ ہوسکا، اور رقوم کی منظوری صرف اس طرح ہوئی کہ ڈینبی نے ارکان کو بے تکان رشوتیں دیں۔ درحقیقت بیرون ملک کی رفتار جنگ سے اس درجہ پریشانی پیدا ہوتی جاتی تھی کہ ڈینبی اس کے فرو کرنے سے قاصر تھا فلینڈرز میں فرانسیسی فوج کی نئی کامیابی اور کاشل میں شہزادہ آرینج کی شکست سے تمام ملک میں جنگ کے لئے شور مچ گیا ہر دو ایوانہائے پارلیمنٹ نے بھی بادشاہ کے حضور میں ایک محضر پیش کرکے اس عام شور کی تائید کی لیکن چارلس نے اسکا ترکی بترکی جواب دیا کہ اعلان جنگ کے قبل روپئے کی منظوری ملنا چاہئے اور جب دارالعوام نے ازراہ شک اس سے انکار کردیا تو اس نے پارلیمنٹ ہی کو ملتوی کردیا۔ فرانس کی نئی امداد کی کثیر رقم نے سات ماہ تک اسے پارلیمنٹ کے ملتوی رکھنے کے قابل بنادیا لیکن پارلیمنٹ کے خاموش کردینے سے ملک کے خاموش کرنے کا کام نہ نکل سکا، اور جنگ کے لئے عام جوش وخروش سے فائدہ اُٹھاکر ڈینبی نے پوری کوشش کے ساتھ

کارروائی کرنے کے لئے بادشاہ پر زور ڈالا۔ فرانسیسیوں کی دست درازی کے روکنے کیلئے شاہ پرست فریق کا جوش کسی طرح پیوریٹنوں سے کم نہ تھا، اور ڈینبی نے یہ کوشش کی کہ اندرون ملک میں اسے جو ناکامی ہوئی ہے اس کی تلافی اس طرح کرے کہ بیرون ملک کے معاملات میں پارلیمنٹ کو متحد کرلے۔ حسب عادت یہ معلوم ہوتا تھا کہ چارلس رضامند ہوجائے گا مگر اصل یہ ہے کہ فرانسیسیوں کے ساحل فلینڈرز پر آجانے سے وہ خود بےچین تھا اور اس نے یہ اعتراف کیا کہ اگر اس وقت فلینڈرز کا ساتھ چھوڑ دیا گیا تو "وہ ہرگز اپنی رعایا کے درمیان آسائش سے بسر نہ کرسکے گا"۔ اس لئے اس نے ڈینبی کو یہ اجازت دیدی کہ وہ دونوں فریقوں پر یہ زور ڈالے کہ باہمی مراعات کا وقت آگیا ہے اور انگلستان کی نئی روش ایسی ہونا چاہئے جس سے اہم نتائج کی توقع کی جاسکے۔ شہزادہ آرنج کو انگلستان میں بلایا گیا اور آئندہ کی مظنون وارثہ تاج وتخت میری کے ساتھ اسکا عقد کردیا گیا۔ اس عقد سے یہ توقع پیدا ہوگئی کہ آئندہ ہالینڈ سے بہت گہرا سیاسی اتحاد رہے گا اور اسی حد تک فرانس کی حرص وطمع سے مخالفت پیدا ہوجائے گی۔ ملک میں یہ عقد اس وجہ سے عام طور پر پسند کیا جاتا تھا کہ یہ عقد ایک پروٹسٹنٹ شہزادے کے ساتھ ہوا تھا اور اس سے یہ یقین ہوگیا تھا کہ جیمز کا جانشین پروٹسٹنٹ ہوگا لیکن لیوئس اس سے سخت برہم ہوگیا۔ اس نے انگلستان کی تجویز صلح کو نامنظور کردیا۔ اور پھر اپنی فوجوں کو آگے بڑھایا ڈینبی اس صلائے جنگ کے قبول کرنے کیلئے تیار تھا

ولیم و میری کا عقد ۱۶۷۸

اس نے پیرس سے انگریزی سفیر کو واپس بلالیا اور پھر فوراً ہی پارلیمنٹ کو جمع کیا۔ افتتاح پارلیمنٹ کے وقت بادشاہ نے جوش جنگ سے بھری ہوئی تقریر کی اور دارالعوام نے اسی انداز میں اس کا جواب دیا۔ اخراجات منظور ہوگئے اور فوج تیار کی گئی لیکن عملاً اعلان جنگ اب بھی نہیں ہوا۔ ایک طرف ڈینبی فرانس کو دھمکاتا رہا دوسری طرف چارلس اس تہدید سے خود اپنا نفع حاصل کرنے کی فکر میں لگا رہا، اور تعویق عمل سے وہ نہایت ذلیل کارروائیوں سے فائدہ اُٹھاتا رہا۔ ایک موقع پر اس نے لیوئس سے یہ مطالبہ کیا کہ حلیفوں کے ساتھ اس کے مفید مطلب کارروائی کرنے کے عوض میں وہ (لیوئس) آئندہ تین برس تک اسے زائد وظیفہ دے۔ ڈینبی کو اس مطالبہ کے لکھنے میں تامل ہوا، اس پر چارلس نے اس خط میں یہ اضافہ کردیا کہ "یہ خط شاہی حکم سے لکھا گیا ہے" اور اس پر اپنے دستخط ثبت کردئے۔ تین ہزار انگریزی سپاہ آسٹینڈ میں بھیجی گئی مگر حلیفوں کو بادشاہ کی اصلی حکمت عملی کے متعلق شک وشبہہ پیدا ہوگیا تھا اور اس وجہ سے ان میں آپس ہی میں پھوٹ پڑگئی اور چارلس بہت جلد اس امر پر آمادہ ہوگیا کہ مزید وظیفہ حاصل کرکے اس فوج کو واپس بلالے اس معاملت کے طے ہوتے ہی لیوئس نے صلح کی ان شرائط کو جو اس نے خود ہی پیش کی تھیں واپس لے لیا حالانکہ بہ ظاہر اسی اعتماد پر انگلستان میدان جنگ سے ہٹا تھا۔ ڈینبی نے دوبارہ حلیفوں کو امداد دینا چاہی مگر انگلستان کی طرف سے اعتماد بالکل زائل ہوچکا تھا۔ تمام سلطنتوں نے یکے بعد دیگرے

فرانس کے نئے مطالبات کے سامنے سر تسلیم خم کردیا اور اگرچہ ہالینڈ (جو جنگ کا اصلی باعث تھا) بچ گیا مگر صلح نیمے گوئیں نے لیوئس کو یورپ کے سیاہ وسفید کا مالک بنا دیا۔ جولائی ۱۶۷۸ء

حامیانِ پوپ کی سازش یہ صلح اگرچہ انگلستان کی ذلت کا باعث ہوئی، مگر چارلس بے جنگ کئے بیس ہزار فوج کا مالک ہوگیا اور فرانس نے کم و بیش دس لاکھ پونڈ اس کی جیب میں ڈال دئے۔ اس کارروائی سے اس کی فریب کاری کے متعلق قدیم شکوک میں نئی جان پڑگئی اور اس شبہ کو تقویت حاصل ہوگئی کہ وہ لیوئس سے سازش کرکے انگلستان کی آزادی اور انگلستان کے مذہب کو تباہ کرنا چاہتا ہے۔ یہ معلوم ہے کہ یہ محض شبہ ہی نہیں تھا بلکہ حقیقتاً ایسی سازش موجود تھی اور معاہدہ ڈوور کے وقت سے پروٹسٹینوں میں جس قدر اضطراب پیدا ہوگیا تھا اسی قدر بلکہ اس سے زیادہ کیتھولک فریق کی امیدیں ترقی کرگئی تھیں لیکن جب چار برس کی بے نتیجہ کوشش کے بعد بادشاہ نے اپنی تجاویز واپس لے لیں اور بہ ظاہر یہ معلوم ہونے لگا کہ وہ کلیرنڈن کی حکمت عملی کو دوبارہ اختیار کیا چاہتا ہے تو کیتھولکوں پر سخت مایوسی چھاگئی۔ ان کے غم ویاس کی کیفیت انگلستان کے فرقہ جزوٹ کے خطوط اور کولمین کے مراسلات سے واضح ہوتی ہے، کولمین، ڈچس یارک کا سکرٹری (معتمد) اور ایک بہت سرگرم سازشی تھا۔ اسے بادشاہ اور اس کے بھائی کے اصلی منصوبوں کا حال اچھی طرح معلوم ہوگیا تھا، اور اسی وثوق

پر اس نے لیوئس سے یہ التجا کی تھی کہ وہ روپے سے مدد کرے تاکہ پارلیمنٹ میں ساز باز کرکے کیتھولکوں کے مقاصد کو ڈینبی کے عناد سے محفوظ رکھا جائے۔ اس زمانے کے زیادہ پر جوش کیتھولک جس قسم کے خواب دیکھ رہے تھے، اس کا کچھ اندازہ کولمین کے ایک خط کے بعض فقرات سے ہوسکتا ہے وہ لکھتا ہے کہ "انہیں تین سلطنتوں کی تبدیل مذہب کا ایک عظیم الشان کام انجام دینا ہے اور شاید اس سلسلہ میں ارتداد کی وہ وبا بھی فنا ہو جائے جس نے مدت سے شمالی دنیا کے بڑے حصہ پر اپنا تسلط کر رکھا ہے۔ اگر اس مقصد میں کامیابی ہوگئی تو مذہب پروٹسٹنٹ کو ایسا صدمہ پہنچے گا کہ ابتدائے شیوع سے اسوقت تک اسے ایسا صدمہ نہ پہنچا ہوگا"۔ نیمے گوئین کی صلح نے جب یکایک چارلس کو ہر طرح پر حاوی وغالب بنا دیا تو عوام کے دلوں میں جو شبہات پیدا ہو رہے تھے وہ خطرے کی حد کو پہنچ گئے۔ عوام میں جس وقت کوئی سخت ہیجان پیدا ہوجاتا ہے تو اکثر ذلیل ودغا پیشہ اشخاص منظر عام پر نمایاں ہوجاتے ہیں، چنانچہ اس عام اضطراب میں بھی ایسا ہی ہوا کہ ایک اسی قسم کے شخص نے اس سے فائدہ اُٹھا کر ایک فتنہ کھڑا کر دیا، جو "حامیان پوپ کی سازش" کے نام سے مشہور ہے۔ اس شخص کا نام ٹائٹس اوٹس تھا۔ رجعت شاہی کے قبل وہ فرقہ اصطباغی کا ایک پادری تھا، اور اس کے بعد ایک گرجا میں منتظم اور پھر ایک جہاز میں پیش نماز ہوگیا تھا، لیکن اس کی بداطواریوں

ٹائٹس اوٹس

نے اسے مفلس کردیا تھا اور اوقات بسر کرنے کے خیال سے اس نے مذہب کیتھولک اختیار کرلیا تھا۔ وہ والاڈولڈ اور سنٹ اومر کی جزوئٹ خانقاہوں میں داخل کرلیا گیا تھا۔وہ خانقاہ ہی میں تھا کہ اسے یہ معلوم ہوا کہ لندن میں جزوئٹوں کا ایک خفیہ جلسہ ہوا تھا۔ غالباً یہ جلسہ اسی قسم کا تھا جیسا بالعموم اس فرقہ کی عبادت کے لئے ہوا کرتا تھا۔جب وہ اپنی بداطواری کی وجہ سے خانقاہ سے نکال دیا گیا تو اس واقعے نے اس کے دماغ میں یہ پروبال پیدا کئے کہ یہ جلسہ مذہب پروٹسٹنٹ کے فنا کرنے اور بادشاہ کے قتل کرنے کے لئے ایک سازش کے طور پر ہوا تھا۔ یہ قصہ چارلس کے سامنے
اگست ۱۶۷۸ء پیش کیا گیا مگر اس نے اسے بالکل ناقابل اعتبار سمجھا لیکن اوٹس نے لندن کے ایک حاکم سر اڈمنڈ بری گاڈفری کے روبرو اپنے بیان کے سچ ہونے کی حلفیہ شہادت دی اور کسی نہ کسی طرح سے مجلس شاہی تک پہنچنے کا انتظام کرلیا۔اس نے یہ بیان کیا کہ اسے کچھ خطوط تفویض ہوئے تھے جن سے فرقہ جزوئٹ کے یہ حالات اسے معلوم ہوئے کہ وہ آئرلینڈ میں بغاوت کی کوشش کررہے ہیں، اسکاٹلینڈ میں پیروان کیمرن کے بھیس میں کام کررہے ہیں اور خود انگلستان میں ان کی کوشش یہ تھی کہ بادشاہ کو قتل کرکے کیتھولک ڈیوک یارک کو تخت نشین بنادیں۔لیکن اس نے خطوط کے جو اقتباسات پیش کئے ان سے اگرچہ فرقہ جزوئٹ کے لوگوں کی مایوسی وغصہ کا اظہار ہوتا تھا۔ مگر سازش قتل کے سے مہیب الزام کا کچھ پتہ نہیں چلتا تھا درحقیقت اگر کولمین کے مراسلات نہ گرفتار ہوجاتے تو اوٹس ذلیل

کرکے نکال دیا جاتا۔ لیکن کولیمن کے خطوط نے اس سازش پر ایک نیا رنگ چڑھادیا۔ ڈینبی کا یہ خیال تھا کہ اور بعض تجویزیں ایسی ہیں کہ چارلس ان کے ظاہر کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا اور اس وجہ سے ان ظاہر شدہ حالات کے رد کرنے میں متردد تھا بلکہ وہ اور زیادہ اس جانب مائل ہوگیا کہ اس سے بادشاہ کی کیتھولک طرز عمل کے روکنے کا کام لے۔ لیکن ڈینبی سے بھی زیادہ عیار وشاطر موجود تھے اور وہ پہلے ہی سے اس بڑھتے ہوئے اضطراب سے کام لینے کا ارادہ کرچکے تھے۔ شافٹسبری مدت کے بعد قید سے چھوٹا تھا اور چونکہ وہ کسی اور طرح پر بادشاہ کی حکمت عملی کو زک دینے سے مایوس ہوگیا تھا، اس لئے وہ ہمہ تن اس سازش میں شریک ہوگیا۔ اس نے ہنسکر کہا کہ "وزیر خزانہ مذہب کیتھولک کے خلاف جس قدر بلند آواز سے چاہے چلائے میں اس سے بھی زیادہ زور کے ساتھ شور مچاؤں گا" لیکن جب سرأڈمنڈ بری گاڈفری جس کے روبرو اوٹس نے اظہار دیا تھا لندن کے قریب ایک کھیت میں اس طرح مرا ہوا پایا گیا کہ اسکی تلوار اس کے دل میں گھبی ہوئی تھی تو پھر عام اضطراب کے بھڑکانے کے لئے کسی شور وشغب کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس کی موت، قتل قرار دی گئی اور قتل کی نسبت یہ قرار دیا گیا کہ جزوئٹوں نے "اس سازش کو دبا دینے کے لئے" اسے مارڈالا ہے۔ اس کی تجہیز وتکفین خاص اعزاز کے ساتھ ہونے سے عام اضطراب میں اور اضافہ ہوگیا اور ہردو ایوانہائے پارلیمنٹ نے اس غرض سے کمیٹیاں مقرر کیں کہ اوٹس کے بیان کردہ الزامات کی تحقیقات کریں۔

ڈینبی کا زوال

اس تحقیقات میں شافٹسبری سب سے پیش پیش رہا۔ اس کے ذاتی مقاصد جو کچھ بھی ہوں مگر اغراض عام کے متعلق اس نے جو کچھ بھی کیا ان کے عاقلانہ ودانشمندانہ ہونے میں کچھ شبہ نہیں ہوسکتا۔ اس نے یہ کوشش کی کہ چارلس کو مجبور کیا جائے کہ وہ موجودہ پارلیمنٹ کو برطرف کرکے نئی پارلیمنٹ طلب کرے۔ اس نے یہ بھی کوشش کی کہ ڈینبی کو اس کے عہدے سے ہٹادیا جائے اور چارلس ایک ایسی وزارت قائم کرے جو اس کی فرانس کی دست نگری کو مٹادے اور اس کے طرز عمل کو آئینی طرز پر لے آوے۔ اس نے صاف یہ سمجھ لیا تھا کہ کیتھولک بادشاہ سے جس قسم کے خطرات کا اندیشہ تھا اس کا اطمینان کسی قسم کی ضمانت سے بھی کما ینبغی نہیں ہوسکتا تھا اور اسلئے وہ چاہتا تھا کہ جیمز کو جانشینی کے حق سے بالکل محروم کردیا جائے۔ لیکن ان مقاصد کے حاصل کرنے کے لئے اس نے اپنا سارا دارومدار اسی سازش پر رکھا تھا۔ چند اور بیانوں کو بلا چوں وچرا قبول کرکے اس نے عام اضطراب کو اچھی طرح بھڑکادیا۔ اوٹس نے اپنے اس نئے بیان میں پانچ کیتھولک امیروں کو جزوئٹ کی سازش میں ملوث بتایا تھا، یہ امرا ٹاور میں بھیجدئے گئے اور دو ہزار مشتبہ اشخاص قیدخانوں میں ڈال دئے گئے۔ ایک حکم یہ شایع ہوا کہ ہر ایک کیتھولک لندن سے چلا جائے، نو آموز سپاہیوں کو مسلح ہوجانے کا حکم دیا گیا اور سڑکوں پر پہرے مقرر ہوگئے تاکہ حسب بیان اوٹس کیتھولکوں کی جو شورش عنقریب ہونے والی تھی اسے روکیں۔ اس درمیان میں شافٹسبری نے اس اضطراب عام سے یہ سیاسی کام لیا کہ پارلیمنٹ

میں ایک قانون یہ منظور کرادیا کہ کوئی کیتھولک پارلیمنٹ کے کسی ایوان میں شریک
نہ ہوسکے۔ اس قانون پر ڈیڑھ سو برس تک عمل ہوتا رہا لیکن اس ۱۶۷۸
سے اصلی مقصد ڈیوک یارک کا خارج کرنا تھا اور اسمیں شافٹسبری کو ناکامی ہوئی
کیونکہ جیمز اس قانون کے اثر سے مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا۔ چار مہینے تک جس سازش
کا وجود صرف اوٹس کے بیان پر تسلیم کیا جارہا تھا اب اس کا اثر سست پڑتا
جاتا تھا، لیکن انعامات کے دعوے پر اب ایک اور بدمعاش بیڈلو نامی ۱۶۷۹
آگے بڑھایا گیا اور اس نے ایسی داستانیں بیان کیں کہ اوٹس کے قصے
بھی اس کے آگے ہیچ تھے۔ ان دونوں مخبروں میں ایک لغو رقابت پیدا
ہوگئی اور انمیں سے ہر ایک یہ کوشش کرنے لگا کہ اس کے بیانات زیادہ حیرت
انگیز ہوں۔ بیڈلو نے حلفاً یہ بیان کیا کہ ایک سازش یہ ہوئی ہے کہ کیتھولک
فوج ملک میں لائی جائے اور پروٹسٹنٹوں کا قتل عام کردیا جائے۔ اوٹس نے
بڈلو پر سبقت لیجانے کیلئے دارالامرا کے روبرو ملکہ پر یہ الزام لگایا کہ بادشاہ
کے قتل کی سازش سے وہ بھی واقف تھی۔ ان الزامات کی لغویت اگرچہ بالکل
عیاں تھی مگر قوم و پارلیمنٹ کے زوال پذیر اضطراب کو انھوں نے پھر بھڑکا دیا۔
ایک اعلان یہ شایع ہوا کہ ملک کے اندر جس قدر کیتھولک ہیں سب گرفتار
کرلئے جائیں۔ اس کے بعد عدالتی کارروائی کے ذریعہ سے قتل کا سلسلہ
شروع ہوا، سب سے پہلے کولمین پر مقدمہ قائم کیا گیا اور وہ قتل ہوا، جسکی
یاد اب تک دل کو ہلادیتی ہے۔ لیکن اگر اس خوف و اضطراب کا مدار صرف
مکروفریب ہی پر ہوتا تو بہت جلد اسکا خاتمہ ہوجاتا، مگر اس جھوٹی سازش
کو جس چیز نے قوی کردیا تھا وہ ایک سچی سازش تھی۔ کولمین کے خطوط نے
اوٹس کی فریب کاریوں کو تقویت دیدی تھی۔ اب ایک نئے انکشاف سے

لیوس اور سازش بڈلو کی فریب کاریوں کو بھی قوت حاصل ہوگئی۔ جسوقت سے دارالعوام اور ڈینبی کے دباؤ سے چارلس نے فرانس سے ظاہری مخالفت اختیار کی تھی اسیوقت سے لیوئس اس فکر میں لگا ہوا تھا کہ پارلیمنٹ کو برطرف اور وزیر کو معزول اور اس فوج کو منتشر کرا دے، جس سے ڈینبی کو یہ توقع تھی کہ وہ اس سے لیوئس کے خلاف کام لے سکتا ہے۔ پس اس مقصد کے حصول کیلئے فرانسیسی سفیر نے ملکی فریق کے سرگروہوں سے مراسلت شروع کردی تھی۔ پیرس کے انگریزی سفیر رالف مانٹیگو اور ڈینبی میں مخالفت ہوگئی تھی اور اسوجہ سے وہ انگلستان کو واپس آگیا تھا۔ اسے دارالعوام میں جگہ مل گئی اور باوجودیکہ اس کے کاغذات ضبط ہوگئے تھے اس نے دارالعوام کے سامنے لیوئس کے نام کا ایک خط پیش کیا جسمیں یہ مطالبہ تھا کہ سابق نامہ وپیام کے دوران میں بادشاہ نے فرانس کی جو خدمت انجام دی ہے اسکا معاوضہ دیا جائے۔ دارالعوام پر حیرت کا عالم طاری ہوگیا، کیونکہ عام شک وشبہہ اگرچہ بہت بڑھا ہوا تھا مگر اس سے قبل یہ نہیں ثابت ہوا تھا کہ انگلستان ایکسا غیر طاقت کا دست نگر ہے۔ مراسلے پر ڈینبی کے دستخط موجود تھے پس اسپر فوراً ہی غداری کا الزام قائم کردیا گیا۔ لیکن شافٹسبری اپنے رقیب کے سزا دلانے سے زیادہ اس امر کا خواہاں تھا کہ نئی پارلیمنٹ منتخب ہوجائے۔ ادھر چارلس بھی یہ ارادہ کرچکا تھا کہ کچھ بھی ہو مگر اس مقدمے کو روکنا چاہئے کیونکہ مقدمے کی صورت میں اسکی غیر ملکی حکمت عملی کے ذلیل راز افشا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ درحقیقت چارلس بالکل شافٹسبری کے بس میں آگیا۔ شافٹسبری جس تدبیر میں لگا ہوا تھا وہ پوری ہوگئی۔ اور آخر ۱۶۶۱ء کی پارلیمنٹ جنوری ۱۶۷۹ء میں برطرف کردیگئی۔ انگلستان کی تاریخ پارلیمنٹ میں کوئی پارلیمنٹ مسلسل اتنے زمانے تک قائم نہیں رہی ہے۔

جزو پنجم

شافٹسبری

۱۶۷۹ — ۱۶۸۲

{اسناد۔ حسب سابق۔ ارل رسل نے اپنے بزرگ لارڈ ولیم رسل
کی جو سوانح عمری لکھی ہے، اس عہد کے کتب اسناد میں اس کا بھی
اضافہ کرسکتے ہیں}

نئی پارلیمنٹ کا انتخاب اضطراب قومی کے ہیجان میں ہوا تھا۔ سر ولیم ٹمپل
اس پارلیمنٹ کے ارکان اگرچہ زیادہ تر اہل کلیسا اور دیہات کے
شرفا تھے مگر ملک میں جو خوف پھیلا ہوا تھا اس کا اثر اُن پر
بھی غالب تھا اُن کا باضابطہ اجتماع تو مارچ میں ہوا مگر اس
اجتماع کے قبل ہی اُن کے انداز کا اثر بادشاہ کی طرز عمل
پر پڑچکا تھا۔ جیمز، برسلز کو بھیجدیا گیا۔ چارلس نے فوج
کو منتشر کرنا شروع کردیا اور یہ وعدہ کیا کہ ڈینبی بہت جلد
اپنے عہدے سے کنارہ کش ہو جائے گا۔ افتتاح پارلیمنٹ
کے وقت اس نے جو تقریر کی اس میں یہ ظاہر کیا کہ غیر
ممالک میں اپنی حکومت پروٹسٹنٹ کی روش کے قائم رکھنے
کے لئے اسے روپیہ کی ضرورت ہے، لیکن ڈینبی کے

عزل کا روکنا اس کے لئے غیر ممکن تھا۔ دارالعوام نے اس امر پر زور دیا کہ وہ دارالامرا کے روبرو ڈینبی سے مواخذہ کرینگے۔ اس لئے اب سوا اس کے کوئی چارہ کار نہ رہا کہ اسے وزارت خزانہ سے معزول کر کے ایک نئی وزارت قائم کیجائے۔ وزارت جدید
شافٹسبری مجلس شاہی کا صدر مقرر ہوا اور دیہاتی فریق کے سرگروہ لارڈ رسل اور لارڈ کیونڈش نے بھی لارڈ ہالس اور لارڈ رابرٹس کے پہلو بہ پہلو اس مجلس میں نشست کی۔ یہ دونوں لارڈ فرقہ پریسبیٹرین کے قائم مقام تھے جو اب عام فریق مخالف کے اندر جذب ہوگیا تھا۔ سیوِل اور لارڈ ہیلیفیکس بھی شافٹسبری کے ساتھ ساتھ وزارت میں داخل ہو گئے۔ لارڈ ہیلیفیکس، شافٹسبری کے ساتھیوں میں تھا اور اس وقت تک اس کی شہرت اس سے زیادہ نہیں تھی کہ وہ ایک ذہین اور تیز طبیعت مقرر ہے۔ لارڈ سنڈرلینڈ کو بھی مجلس شاہی میں جگہ دی گئی اور فریق دیہاتی کے دو نہایت ہی ہر دلعزیز سرگروہ لارڈ اسکس اور لارڈ کیمبل خزانہ کے عہدہ داروں میں داخل کئے گئے۔ سرولیم ٹمپل جس نے "محالفہ ثلثہ" کے معاملات طے کئے تھے، اسے ہیگ سے بلاکر وزیر خارجہ مقرر کیا گیا اور اس سے یہ توقع پیدا ہوگئی کہ یورپ کی سلطنتوں میں انگلستان پھر اپنا بلند مرتبہ حاصل کریگا۔ ٹمپل نے واپس آکر نظم و نسق ملک کا جو طریقہ قرار دیا وہ اگرچہ اسوقت بار آور نہ ہوا مگر نظام حکومت میں خاموشی کے ساتھ جو تغیر ہو رہا تھا اس کے لئے وہ نہایت اہم و مفید ثابت ہوا۔ اپنے

وقت کے اور بہت سے لوگوں کی طرح وہ بادشاہ اور پارلیمنٹ دونوں کے غیر معمولی اقتدار و اختیار سے یکسان طور پر خائف تھا۔ قومی اضطراب کے موقعوں پر ایوان ہائے پارلیمنٹ کی قوت کی کوئی حد نہیں رہتی تھی۔ پارلیمنٹ نے کلیرنڈن کا تختہ الٹ دیا تھا۔ کلیفرڈ اور کیبل کو زیر و زبر کردیا اور حال ہی میں ڈینبی کو خارج کرا دیا تھا۔ پس پارلیمنٹ میں یہ قوت ضرور تھی کہ وہ انجام کار میں حکومت کے خراب کرنیوالوں کو اُن کے کیفر کردار تک پہنچادے، مگر اس سے ایسی کسی طاقت کا اظہار نہیں ہوا تھا جس سے عمدہ حکومت قائم ہو سکے اور بادشاہ کی طرز عمل پر اس کا مستقل اثر پڑے۔ باوجودیکہ پارلیمنٹ کی نشست برابر ہوتی رہی مگر غیر ملکی معاملات کا جہانتک تعلق تھا انیس برس تک چارلس اپنی ہی سی کرتا رہا۔ اس نے قوم کی مرضی کے خلاف جنگ جاری کردی اور جب خود قوم نے جنگ کا مطالبہ کیا تو جنگ کرنے سے انکار کردیا۔ جس حالت میں ایک ایک انگریز فرانس سے متنفر تھا، اس نے انگلستان کو شاہ فرانس کا ایک ماتحت ملک بنا دیا تھا، بعد کو ثابت ہوا کہ اس صورت معاملات کا تدارک نہایت آسان تھا۔ اس کی تفصیلی بحث تو بعد کو ہوگی مگر یہاں مختصراً یہ کہنا مناسب ہے کہ وزارت اب عہدہ داران سلطنت کی ایک مجلس بنگئی، اور یہ عہدہ دار دونوں ایوان ہائے پارلیمنٹ کے اس گروہ سے نامزد کئے جانے لگے جسے پارلیمنٹ میں سب سے زیادہ کثرت حاصل ہوتی تھی۔ ان عہدون کے

قبول کرنے سے ان کا مقصود یہ ہوتا تھا کہ وہ فریق غالب کی مرضی کی تعمیل کریں۔جب تک دارالعوام کی یہ جماعت غالب، رائے عامہ کے زیادہ قوی حصّے کی قائمقام رہتی ہے اسوقت تک اس انتظام سے یہ اطمینان رہتا ہے کہ قومی مرضی کا صحیح اثر حکومت پر پڑ رہا ہے۔ہم لوگوں کو یہ ترکیب بہت صاف و آسان معلوم ہوتی ہے مگر اس وقت تک انگریزوں میں کسی مدبر کے ذہن میں یہ خیال نہیں آیا تھا۔ٹمپل تک کو اس مرض کا علاج یہی معلوم ہوتا تھا کہ شاہی مجلس کے اختیارات کو بحال کردیا جائے۔اس مجلس میں دربار کے اعلی عہدہ دار شاہی خزانچی، معتمدین، اور چند امرا (جنہیں بادشاہ خاص اس مقصد سے طلب کرے) شامل ہوتے تھے۔الیزبتھ کے آخر عہد تک یہ مجلس ایک طرح کی مجلس مشورت تھی اور عام طور پر یہ ہوتا تھا کہ نظم و نسق ملک کے متعلق زیادہ اہم معاملات غور و بحث کے لئے بادشا کیطرف سے اس مجلس میں بھیجے جایا کرتے تھے۔لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ طریقہ ہمیشہ جاری رہا ہے کہ ان معاملات کو اس مجلس میں پیش کرنے کے قبل زیادہ ذی اثر مشیروں کی ایک مختصر جماعت ان پر غور کرلیا کرتی تھی اور جیمز کے عہد میں اس خفیہ مجلس نے (جو اس زمانے میں کابال کہلاتی تھی) مجلس شاہی کو بالکل بے اثر کرنا شروع کردیا تھا۔"رجعت شاہی" کے بعد اس مجلس میں زیادہ وسعت و توازن پیدا کیا گیا تھا، مگر اصلی اختیار کلیرنڈن،

ٹمپل اور اسکی مجلس شاہی

ساؤتھمپٹن، آرمنڈ، منک اور دونوں معتمدین کے کابال کے اندر محدود تھا۔ کلیرنڈن کے زوال کے بعد کلیفرڈ، آرلنگٹن، بکنگھم، ایشلی، اور لارڈ ڈیل اُن کے جانشین ہوئے اور یہ محض اتفاق ہے کہ ان پانچوں کے نام کے پہلے حرف سے لفظ "کابال" بنجاتا ہے۔ چونکہ ان لوگوں کی طرف سے عام نفرت پھیلی ہوی تھی اس وجہ سے خود لفظ کے معنی بھی مذموم ہوگئے۔ ان مختصر مجلسوں کا قطعی نتیجہ یہ نکلا کہ بادشاہ کے راستے میں وہ رکاوٹین نہ رہیں جو شاہی مجلس کی وسعت اور اس میں رعایا کے ہمخیال اشخاص کی مشمولیت سے لاحق ہوا کرتی ہیں۔ جن ناپسندیدہ تجویزوں کے اختیار کرنے کی وجہ سے کلیفرڈ اور اس کے رفقا کی "کابال" کا نام انگریزون کی زبان پر چڑھ گیا تھا ان تجاویز کا امرائے عظام اور سلطنت کے موروثی عہدہ دارون کے سامنے پیش کرنا کسی طور سے ممکن نہ تھا۔ اس لئے ٹمپل نے یہ سونچا کہ پارلیمنٹ کے ذریعہ سے جس شخصی مطلق العنانی کی روک نہیں ہوتی، اُسکی روک تھام کے لئے مجلس شاہی کی ترتیب درست کرنا چاہئے۔ پس اس ضرورت سے مجلس شاہی کی اس راز دارانہ مجلس کو جسے اب کابال کے بجائے "کیبنٹ" کہنے لگے تھے، برطرف کردیا گیا۔ ارکان مجلس کی تعداد تیس تک محدود کردی گئی اور یہ قرار دیا گیا کہ اُن کی مجموعی آمدنی تین لاکھ پاؤنڈ سے کم نہ ہو۔ یہ رقم دارالعوام کے تمام ارکان کی مجموعی آمدنی سے کچھ ہی کم تھی۔ یہ تعداد خفیہ مباحث کے لئے زاید از ضرورت نہیں تھی اور ٹمپل

کو اس مجلس کے ارکان کی دولت و ثروت سے یہ امید تھی کہ وہ ایک طرف دارالعوام کو زیادتی اور مداخلت بیجا سے روک سکینگے اور دوسری طرف خود بادشاہ کی مطلق العنانی کے سدّراہ ہوں گے۔

قانون حجب — نئی پارلیمنٹ اور نئی وزارت کے متعلق عاقلانہ و ہمدردانہ حکومت کی امیدیں پیدا ہوگئی تھیں۔لیکن مشکلات اب بھی بیحد تھے۔شک و اضطراب کی وجہ سے قوم میں ایک ہیجانِ عام پیدا ہوگیا تھا۔پارلیمنٹ کے انتخابات ایسی ہماہمی میں ہوئے تھے کہ دربار کے امیدواروں کو ایک جگہ بھی نہیں ملی۔البتہ نئی وزارت کے تقرر کا خیر مقدم عام جوش مسرت کے ساتھ کیا گیا۔لیکن مسئلہ جانشینی نے تمام معاملات کو پس پشت ڈال دیا۔اس قومی اضطراب کی تہ میں یہ خوف پوشیدہ تھا کہ کوئی کیتھولک بادشاہ نہ ہو جائے اور جیمز کے حالات مابعد نے اس خوف کو بجا ثابت کردکھایا۔ شافٹسبری دل سے چاہتا تھا کہ جیمز کو جانشینی سے خارج کردے مگر مجلس کے زیادہ ارکان میں ابھی تک یہ ہمت نہیں پیدا ہوی تھی۔انہوں نے چارلس کی اس تجویز کی تائید کی کہ ڈیوک یارک کے حقوق برقرار رہیں مگر اس کے شاہی اختیارات محدود کردئے جائیں۔اس تجویز کے مطابق اس کے بادشاہ ہو جانے کے بعد کلیسا کے تقررات کا اختیار اس کے ہاتھ سے نکال لیا جاتا، عہد سابق کی آخری پارلیمنٹ بدستور نشست کرتی رہتی اور جبتک کہ بادشاہ کیتھولک رہتا، مشیران سلطنت، جج، صوبہ دار اور

بیڑے کے تمام عہدہ دار سب کا تقرر ہر دو ایوانہائے
پارلیمنٹ کے اختیار میں رہتا۔ ان شرائط کی وسعت سے ظاہر
ہوتا ہے کہ چارلس نے عام دباؤ کو کس حد تک محسوس کیا تھا
لیکن شافٹسبری نے اس تجویز کو ناکافی و ناقابل عمل قرار دیکر
ترک کردیا اور اس کی رائے بالکل بجا ثابت ہوی وہ مجلس شاہی
میں جیمز کے محجوب کردئے جانے پر زور دیتا رہا اور اسکے رفقانے جیمز کو
بادشاہت سے محروم کرنے اور سلسلہ وراثت میں سب سے قریب تر پروٹسٹنٹ کو وارث
بنانے کیلئے دارالعوام میں ایک قانون پیش کردیا اور وہ بہت بڑی کثرت
رائے سے منظور ہوگیا۔ یہ معلوم تھا کہ دارالامرا میں اس کی
نامنظوری کے لئے چارلس اپنے اثر سے کام لے گا، اور اسلئے
ارل شافٹسبری نے پہم کی چال اختیار کی۔ دارالعوام میں ایک
نہایت زور دار معارضہ تیار کیا گیا، شہر لندن اس قانون کی
طرفداری میں ہر دو ایوانہائے پارلیمنٹ میں ایک عرضداشت
پیش کرنے کے لئے آمادہ ہوگیا، چارلس صرف یہ کرسکا کہ
اُس نے اولاً پارلیمنٹ کو ملتوی کردیا اور آخر مئی میں اسے برطرف
کردیا۔ اس طرح اسے کچھ وقت ملگیا۔

لیکن اگر ملکی فریق متحد رہتا تو یہ تعویق کچھ کام نہ دیتی۔ متمتھ
ڈیوک کے محروم کئے جانے کے نسبت قوم اور دارالعوام
کا خیال اس زور کے ساتھ ظاہر ہوچکا تھا کہ اگر وزرا متفق
رہتے تو یہ مقصد حاصل ہو جاتا اور انگلستان ۱۶۸۸ء کے
انقلاب سے بچ جاتا۔ درحقیقت ملکی فریق کے دانشمند اصحاب کا

میلان اسی جانب تھا جس کا ظہور ۱۶۸۸ء کے انقلاب میں ہوا
اگر جیمز کو محروم کردیا جاتا تو سلسلہ وراثت میں دوسرا درجہ
اس کی بیٹی میری کا تھا۔ میری شہزادہ آرنج کی ملکہ تھی اور
ٹمپل، اسکس اور ہیلیفیکس کو جب اپنے "قانون طمانیت وضمانت"
میں ناکامی ہوئی تو انہوں نے یہ تجویز سوچی کہ التوائے پارلیمنٹ
کے دوران میں شہزادے کو انگلستان بلائیں اور اسے مجلس شاہی
کے روبرو پیش کریں تاکہ وہ آئیندہ تخت تک پہنچنے کے لئے
اپنا راستہ صاف کرے۔ سوءِ اتفاق سے شافٹبری ایک دوسری
ہی فکر میں پڑگیا۔ چونکہ شہزادے کا تعلق خود شاہی خاندان سے
تھا اس لئے شافٹبری کو اس پر اطمینان نہیں تھا اور اس کا
خیال یہ تھا کہ شہزادہ شاہی قوت کے کمزور کرنے اور شاہی
اختیارات کو ترک کرنے کی مخالفت کرے گا۔ اس لئے وہ
ولیم کو بھی علیحدہ رکھنا چاہتا تھا۔ اس کے اس فعل کی وجہ یہ
معلوم ہوتی تھی کہ شاید وہ اس مقولہ پر کاربند تھا کہ
"استحقاق کی کمزوری بادشاہ کو نیک اور کارآمد بنا دیتی ہے"
بہر حال وجہ کچھ بھی ہو اس نے یہ تہیہ کرلیا تھا کہ جیمز اور
اس کی اولاد کے ساتھ ہی ولیم کے حقوق کو بھی ساقط
کرکے ڈیوک منمتھ کو تخت انگلستان پر متمکن کردے۔ عام طور پر
یہ مشہور تھا کہ بادشاہ کی ناجائز اولاد میں منمتھ سب سے
بڑا لڑکا ہے۔ وہ ایک کمزور طبیعت و آوارہ مزاج شخص تھا
مگر اپنے حسن و جمال اور اپنی دلیری کی وجہ سے وہ عام

طور پر ہر دلعزیز تھا۔ایک قصہ یہ گھڑا گیا کہ بادشاہ نے اس کی ماں سے خفیہ عقد کرلیا تھا۔شافٹسبری نے چارلس کو اسں امر پر آمادہ کیا کہ مغربی اسکاٹلینڈ میں کوینینٹروں (اصحاب عہد ومیثاق) کی بغاوت فرو کرنے کے لئے منمتھ کو سپاہ کا افسر مقرر کرکے بھیجدیا جائے۔اس کے وہاں سے واپس آنے کے بعد شافٹسبری نے بادشاہ پر زور دیا کہ منمتھ کو گارڈ (فوج لحافظ) کا افسر مقرر کردے۔چونکہ بادشاہ کے پاس صرف یہی ایک فوجی قوت تھی، اس لئے اس کارروائی کے معنی یہ تھے کہ کل فوجی قوت منمتھ کے ہاتھ میں آجائے۔

لیکن سنڈرلینڈ، ہیلیفیکس اور اسکس نہ صرف شافٹسبری کی شافٹسبری کی اس تجویز کے سختی کے ساتھ مخالف تھے بلکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ دوبارہ معزولی شافٹسبری کی کامیابی کی صورت میں ان پر تباہی آجائیگی۔ انہیں لوگوں نے آخری پارلیمنٹ کے برطرف کئے جانے کی صلاح دی تھی اور ارل نے غصّے میں آکر یہ دھمکی دی تھی کہ اس صلاح کے عوض ان لوگوں کو اپنا سر دینا پڑے گا۔بادشاہ کے یکبیک بیمار پڑ جانے اور جیمز کے موجود نہ ہونے کے باعث منمتھ کی جانشینی اور اس کے متعاقب خطرے کا یقین قوی ہوگیا۔ان تینوں وزرا نے فوراً ہی چارلس کو اس امر پر آمادہ کیا کہ ڈیوک یارک کو واپس بلالے۔بادشاہ کے صحتیاب ہو جانے پر ڈیوک اسکاٹلینڈ کو چلا گیا مگر اس کے ساتھ ہی چارلس نے منمتھ کو بھی فوج کی افسری سے معزول کرکے یہ حکم دیدیا کہ وہ بھی

ملک سے باہر نکل جائے۔ اس معاملہ میں اپنے رفقا کی مخالفت کی وجہ سے شافٹسبری جب بالکل اکیلا رہ گیا تو وہ یوماً فیوماً "سازش" کی تائید کی طرف زیادہ مائل ہو گیا۔ جو لوگ اس سازش کے شکار ہوے ان کے ساتھ نہایت بیرحمانہ برتاؤ کیا گیا۔ تین کیتھولکوں کو لنڈن میں پھانسی دیدی گئی۔ بیرونجات میں آٹھ پادریوں کو موت کی سزا ہوی۔ مخبروں اور جاسوسوں کی وجہ سے ہر ایک کیتھولک پر خوف طاری ہو گیا تھا۔ شیفٹسبری کو یقین تھا کہ پارلیمنٹ کے جمع ہونے کے بعد وہ بادشاہ پر اس تخویف کا دباؤ ڈالیگا مگر چارلس نے پہلے ہی معلوم کرلیا تھا کہ ارل کی طرز عمل سے ملکی فریق میں ناچاقی پیدا ہو گئی ہے اور وزرا میں رسل کے سوا کوئی شافٹسبری کا حامی نہیں ہے۔ ٹمپل، اسکس ہیلیفیکس یہ سمجھتے تھے کہ بغیر کسی سخت انقلاب کے ہیری کو جانشین بنا دینا ممکن ہے مگر جیمز کے حقوق کے ساتھ ہی اسکی پروٹسٹنٹ اولاد اور نیز شہزادہ آرنج کے حقوق کو بھی معطل کردینے سے یقیناً خانہ جنگی برپا ہو جائے گی۔ پس ان لوگوں کی پوری تائید کے بھروسے پر چارلس نے شافٹسبری کو مجلس کی صدارت سے معزول کردیا۔ اس معزولی سے جس کشمکش کے پیدا ہونیکا اندیشہ تھا، چارلس اس کی طرف سے غافل نہیں تھا۔ اس وقت تک

اکتوبر ۱۶۷۹ء

چارلس جس وجہ سے بچا ہوا تھا وہ اس کی پر استقلال جرأت تھی۔

شافٹسبری کی جدوجہد

رنگین بیان ریرزبی نے لکھا ہے کہ جسوقت سازش کا خوف و اضطراب پھیلا ہوا تھا" لوگ تعجب سے دیکھتے تھے کہ ان تمام پیچیدگیوں

کے باوجود وہ خوش و خرم و شادان و فرحان ہے، کسی امر کے متعلق زیادہ سوچنا اور فکر کرنا اس کی طبیعت کے منافی تھا" شافٹسبری کی معزولی کے بعد ایک کھلبلی مچ گئی مگر چارلس اسوقت بھی حسب عادت ونڈسر کے باغ میں محمل کا شکار کھیلتا پھرتا تھا۔لیکن ریزرلی سے زیادہ غائر نظر سے دیکھنے والے جانتے تھے کہ اس بے پروائی و بیفکری کی تہ میں مئے خطرات کا احساس موجود ہے۔ برنیٹ کہتا ہے کہ "اس وقت سے بیّن طور پر اُسکے مزاج میں ذرا ذرا تغیر محسوس ہونے لگا تھا"۔ درحقیقت وہ پژمردہ اور متفکر معلوم ہوتا تھا۔اسے یہ معلوم ہوگیا تھا کہ "اسے سابقہ ایک عجیب قوم سے پڑا ہے جسے نہ وہ قابو میں لاسکتا ہے اور نہ ان پر اپنا رعب بٹھا سکتا ہے" لیکن اس نے اس خطرہ کا مقابلہ اپنے قدیمی بے پروایانہ سکوت کے ساتھ کیا۔اس نے پھر فرانس سے خفیہ گفت و شنود جاری کردی۔ چارلس کیطرح لیوئس بھی قوم کے جنگجویانہ انداز سے ڈرا ہوا تھا اور وہ اجتماع پارلیمنٹ کے روکنے کے لئے وہ بھی نہایت بیچین تھا لیکن جن شرائط پر اس نے مدد دینا چاہی وہ اسقدر ذلت آمیز تھے کہ چارلس تک نے ان کا قبول کرنا گوارا نہ کیا۔اس ناکامی نے چارلس کو مجبور کیا کہ وہ ایک نئی پارلیمنٹ طلب کرے۔ادھر شافٹسبری بہت زور کے ساتھ قتل عام کی تجویز اور حملے کی نئی داستانیں لوگوں میں شایع کر رہا تھا۔اس اضطراب کا نتیجہ یہ ہوا کہ نئی پارلیمنٹ کے ارکان سابقہ پارلیمنٹ کے ارکان سے زیادہ سختگیر

و پرجوش ثابت ہوئے۔ بادشاہ کے پاس عرضداشتوں کا ایک انبار جمع ہوگیا کہ شروع ۱۶۸۰ء میں پارلیمنٹ کے اجتماع کی اجازت دیجائے۔ مجلس شاہی تک کو بادشاہ کی اس رائے کے قبول کرنے میں تردد تھا کہ پارلیمنٹ کا اجتماع نومبر ۱۶۸۰ء تک ملتوی رکھا جائے مگر چارلس اپنی رائے پر قائم رہا۔ وہ اگرچہ اکیلا تھا مگر وہ اپنے خیال پر جما رہا کہ کسی نہ کسی طرح مہلت حاصل کرنا چاہئے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وقت کا گزرتا جانا اس کے حق میں مفید ہے۔ عوام کی روش بدلنا شروع ہوگئی تھی۔ جیوری، ناکافی شہادتوں کو قبول کرلیا کرتی تھی مگر اوٹس کی فریب کاری ایسی تھی کہ جیوری بھی اسے قبول نہ کرسکی اور جن چار شخصوں کو اس نے پھنسایا تھا ان کے رہا ہو جانے سے یہ معلوم ہونے لگا کہ اب اضطراب فرد ہوتا جاتا ہے۔ اس کا زیادہ قوی ثبوت یہ تھا کہ اس اضطراب کے قائم رکھنے کے لئے شافٹسبری کو بیحد کوشش کرنا پڑی۔ نئے مخبر پیدا کئے گئے جنھوں نے حلفیہ بیان کیا کہ خود ارل کے قتل کی سازش کی گئی تھی اور اپنے ہم مذہبوں کی اس سازش میں خود ڈیوک بھی شریک تھا۔ کھانے کی ایک لگن میں ایک کاغذ ملا وہ اس نئے خطرے کی شہادت کے ثبوت میں پیش کیا گیا۔ مشعلوں کے بڑے بڑے جلوس لندن کی سڑکوں پہ گشت کرنے لگے اور پوپ کا مجسمہ عام شور وشغب کے ساتھ جلایا گیا۔

عرضی دہندگان اور متنفرین

اس سے بھی زیادہ دلیرانہ کارروائیوں کے عمل میں آنے

سے یہ واضح ہوگیا کہ شافٹسبری کس حدتک بڑھنے کے لئے آمادہ ہے۔ خانہ جنگی کے پرآشوب زمانے میں اس نے نشوو نما پائی تھی اور اب اگرچہ اس کے بال سفید ہوگئے تھے لیکن جب اس نے بے باکانہ طور پر قوم کو مسلح مخالفت کے لئے آمادہ کیا تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ جوانی کا جوش وخروش اس میں پھر عود کرآیا ہے۔ اوائل سنہ ۱۶۸۰ء میں اس نے ایک کمیٹی اس غرض سے مرتب کی کہ تمام ملک میں اضطراب پیدا کیا جائے۔ اس کمیٹی نے اجتماع پارلیمنٹ کے لئے جو درخواست تیار کی تھی وہ ہر ایک قصبے اور ہر ایک بڑی جوری کے پاس بھیجی گئی اور ہر درخواست ہزارہا دستخطوں کے ساتھ واپس آئی۔ منمتھ باوجود بادشاہ کی مخالفت کے شافٹسبری کے بلانے پر لندن چلا آیا۔ ایک نہایت بے باکانہ رسالہ شایع کیا گیا جس میں منمتھ کو "پوپ وظلم" کے خلاف آئیدہ کی جدوجہد میں قوم کا رہبر بتایا تھا۔ مجلس شاہی پر خوف اسدرجہ طاری ہوگیا تھا کہ ہر ایک قلعے کی فوج فوری جنگ کے لئے تیار کردی گئی تھی، لیکن درحقیقت خطرہ اسقدر وسیع نہیں تھا جسقدر ظاہر میں معلوم ہوتا تھا۔ خیالات کی رو بہت کافی طور پر بدل چکی تھی۔ ملزمین یکے بعد دیگرے رہا کئے جارہے تھے اور شافٹسبری نے جس بیرحمانہ اضطراب کے شعلے بلند کئے تھے وہ فرد ہوتے جاتے تھے اور جن مظلوموں کو اس اضطراب میں پھانسیاں دی گئی تھیں ان کی نسبت تاسف و ہمدردی کا احساس پیدا ہوتا جاتا تھا۔ قوم اگرچہ پروٹسٹنٹ بادشاہ کے لئے

بازگشت

مضطر تھی مگر جیمز کی پروٹسٹنٹ اولاد کے خلاف جس زیادتی کا اندیشہ ظاہر کیا جاتا تھا، اسے قوم کی عادلانہ طبیعت قبول نہیں کرتی تھی اور ملک کا ہر شریف شخص اسے باعثِ توہین سمجھتا تھا کہ میری کو الگ کر کے انگلستان کا تاج ایک ولدالزنا کے سرپر رکھدیا جائے۔ خانہ جنگی کی یاد بھی، ابھی دلوں میں تازہ تھی اور بغاوت ہو جانے کی افواہ سے لوگ یوماً فیوماً بادشاہ کے گرد زیادہ جمع ہوتے جاتے تھے۔ شافٹسبری نے درخواستوں کا جو انضباط مہیا کیا تھا اس کے جواب میں محضروں کا ایک انبار جمع ہوگیا جس میں ہزارہا شخصوں نے بادشاہ کے مخالف تجاویز کی نسبت اظہار "تنفر" کیا تھا۔ ملک دو بڑے فریقوں میں تقسیم ہوگیا۔ ایک فریق "عرضی دہندگان" کا تھا اور دوسرا "متنفروں" کا۔ یہیں سے ان دو عظیم الشان فریقوں (یعنی "وہگ" اور "ٹوری") کی بنیاد پڑی جنھوں نے "قانون حجب" کے وقت سے انگلستان کی سیاسیات میں نہایت نمایاں حصہ لیا ہے۔ صورتِ معاملات کے اس تغیر سے چارلس نے فوراً فائدہ اٹھایا۔ اس نے ڈیوک یارک کو دربار میں واپس بلالیا، رسل، کیونڈش، نیز ارل اسکس سے استعفا لے لیا کیونکہ ارل بھی اب بدل و جان شافٹسبری کی تجاویز کا موئد ہوگیا تھا۔ شافٹسبری نے بھی اس خودکامی کا جواب تمرد سے دیا۔ وہ اپنے پیروؤں کا ایک غول لیکر مڈل سکس کی بڑی جوری کے روبرو گیا اور ڈیوک یارک پر یہ الزام لگایا کہ وہ کیتھولک اور کلیسائے انگلستان سے

منحرف ہے۔ اور بادشاہ کی داشتہ ڈچز پورٹسمتھ کو قوم کے لئے
باعث ننگ و تکلیف بتایا۔ دوسری طرف منمتھ ملک میں گشت
کرنے کے لئے روانہ ہو گیا اور اپنی خوش مزاجی کے
باعث ہر جگہ لوگوں کو اپنا ہمخیال بناتا گیا مگر شافٹسبری کو سب سے
زیادہ اعتماد دارالعوام پر تھا کیونکہ اس کا انتخاب اس وقت ہوا
تھا جب نہایت شدت کے ساتھ اضطراب پھیلا ہوا تھا اور اجتماع
پارلیمنٹ کی تاخیر کیوجہ سے ارکان دارالعوام برافروختہ ہو رہے
تھے۔ پارلیمنٹ جب اکتوبر میں جمع ہوی تو اس نے سب سے
پہلا کام یہ کیا کہ "پوپ کے اثر کو دبانے اور ایک پیرو پوپ کی
جانشینی کے روکنے کی نسبت اپنا خیال ظاہر کردیا۔ اسی اثنا میں
آئرلینڈ سے ایک کیتھولک سازش کی خبر موصول ہوی مگر دارالعوام
میں قانون حجب کے منظور ہونے کے لئے اس کی مطلق
ضرورت نہیں تھی۔ دارالعوام اپنے خیال پر اسقدر پختگی سے جما
ہوا تھا کہ ٹمپل اور اسکس بضرورت اس کے ساتھ ہو گئے اور
سنڈرلینڈ تذبذب میں پڑ گیا۔ ہیلیفیکس اپنی قابلیت اور فصیح البیانی
کے باعث صف اول میں آچکا تھا۔ اس نے نہایت سختی اور
کامیابی کے ساتھ دارالامرا میں اس قانون کی مخالفت کی۔ مگر
ہیلیفیکس درحقیقت یہ سب کچھ ولیم کی زبان سے کہہ رہا تھا؛
فرانس کے سفیر باریلوں نے اپنے بادشاہ کو لکھا تھا کہ ولیم اور محجوبیت
"لارڈ ہیلیفیکس ہمہ تن شہزادہ آرینج کا جانب دار ہے اور ڈیوک یارک
کے لئے جو کچھ وہ کر رہا ہے اس کا مقصد درحقیقت یہ ہے کہ

مصالحت باہمی کے لئے ایک راستہ نکل آئے اور اس طرح شہزادہ ولیم کو فائدہ پہنچے"۔ جب یہ "قانون حجب" نامنظور ہوگیا تو ہیلیفیکس نے فوراً ہی پروٹسٹنٹ کی حفاظت کی تجاویز پیش کردیں جنکا منشا یہ تھا کہ تخت نشینی کے بعد جیمز کو یہ اختیار نہوگا کہ جس قانون کو ہر دو ایوانہائے پارلیمنٹ منظور کرلیں وہ اسے نامنظور کردے۔ نہ اسے غیر ملکی سلطنتوں سے گفتگو کرنے کا حق ہوگا اور نہ وہ پارلیمنٹ کی مرضی کے بغیر ملکی و فوجی عہدہ داروں کا تقرر کریگا۔اس تجویز کا باعث بھی شہزادہ آرینج ہی تھا اور ممالک ہالینڈ نے اس کی تائیدیوں کی کہ چارلس پر زور دیا کہ وہ اپنی رعایا سے معاملات کو یکسو کرے تاکہ ان ممالک کو فرانس کی اُن دائمی مداخلتوں کو روکنے کا موقع ملے جو اس نے ہر طرف اپنے ہمسایوں کے ملکوں میں جاری کر رکھی ہے۔

آکسفورڈ کی پارلیمنٹ

لیکن اگر دارالامرا قانون حجب کو نہیں منظور کرتا تھا تو دارالعوام کے پاس بھی اس امر کے کافی وجوہ تھے کہ وہ "قانونِ حفاظت" کو نہ منظور کریں۔ ان کے خیال کو لندن کے ایک رکن پارلیمنٹ نے صاف طور پر بیان کردیا تھا کہ یہ ذرائع حفاظت عین اسی وقت شکست ہو جائینگے جب ان کی ضرورت پیش آئے گی۔اگر کوئی کیتھولک بادشاہ کسی وقت تخت نشین ہوگیا تو اسے اپنی پشت پناہی کے لئے انگلستان کے باہر بہت سی قوتیں ملجائیں گی۔"ڈیوک، اسکاٹلینڈ پر حکمراں ہے، آئرلینڈ اور انگلستان کے پیروانِ پوپ اس کے مطیع فرمان

ہوں گے، جتنے اعلیٰ و ادنیٰ عہدہ داروں کو بادشاہ مقرر کرتا ہے
وہ سب اس کے فرمان پذیر ہو جائینگے، پس وہ جس قسم کا بادشاہ
بننا چاہے گا ویسا ہی بن جائے گا۔" مگر شافٹسبری صرف اسی پر
قناعت نہیں کرنا چاہتا تھا کہ قانون نامنظور ہو جائے بلکہ اس نے
جان توڑکر یہ کوشش بھی کی کہ مقصدِ حجب کو "قانون طلاق"
کے ذریعہ سے حاصل کرے جس کا منشا یہ تھا کہ چارلس اپنی
موجودہ ملکہ کو عقیم ہونے کی بنا پر علیحدہ کرکے نئی شادی کرے
تاکہ کوئی پروٹسٹنٹ وارثِ تاج و تخت پیدا ہو جائے۔ غالباً ارل
نے یہ محسوس کرلیا تھا کہ عوام کا خیال بدلتا جارہا ہے، اس لئے
اس نے یہ ارادہ کرلیا کہ کسی بہت بڑے شخص پر مقدمہ چلاکر
اس تلوّن خیال کو روکدے اور سازش کا عام یقین پھر تازہ
کردے۔ لارڈ اسٹیفرڈ اپنی عمر اور اپنے رتبے کے لحاظ سے تمام
کیتھولک فریق کا سرگروہ سمجھا جاتا تھا اور پہلے مرتبہ اضطراب عام
کے وقت سے وہ ٹاور میں ایک قیدی کی حیثیت سے پڑا ہوا تھا لارڈ اسٹیفرڈ کا مقدمہ
اس پر اب باقاعدہ مقدمہ چلایا گیا اور مقدمہ کے باعث دسمبر ۱۶۸۰ء
میں مجرموں کا ایک گروہ یہ ثابت کرنے کے لئے جمع کیا گیا کہ
کیتھولکوں نے بادشاہ اور ملک کے خلاف سازش کی ہے۔ یہ
شہادتیں بیکار ثابت ہوئیں مگر شافٹسبری کی توقع پوری ہوگئی اور
اس مقدمہ سے قدیم ہیجان پھر پیدا ہوگیا۔ امرا کی کثرت رائے
نے اسٹیفرڈ کو مجرم قرار دیا اور اسے پھانسی دیدی گئی۔ اس ضرب
کا اثر سب پر پڑا مگر نہ پڑا تو چارلس پر، سنڈرلینڈ نے پھر بادشاہ

پر زور دیا کہ اسے دب جانا چاہئے لیکن اگرچہ اس کے وزرا
بلکہ اس کی محبوبہ ڈچز پورٹسمتھ تک نے (جو شافٹسبری کی
دہمکیوں سے ڈرکر قانون حجب کے موافق ہوگئی تھی) اسکا ساتھ
چھوڑ دیا تھا پھر بھی وہ مخالفت پر قائم رہا۔ پارلیمنٹ نے عطائے
رقوم کے لئے یہ مطالبہ بھی پیش کردیا تھا کہ قلعوں کے عہدہ داروں
کے تقرر میں پارلیمنٹ کی رائے کو بھی دخل دیا جائے۔ اس پر
چارلس نے پارلیمنٹ کو ملتوی کردیا۔ درحقیقت وہ پھر فرانس سے
اتحاد پیدا کرنے کی فکر میں لگا ہوا تھا۔ مگر اپنی فطری عیاری کے
باعث اس نے موجودہ پارلیمنٹ کو برطرف کر کے مارچ میں ایک نئی پارلیمنٹ
کے اجتماع کا حکم دیدیا تھا۔ یہ کارروائی محض دہوکھا دینے کے لئے
۱۶۸۱ کی گئی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ خانہ جنگی کا خوف دلاکر ملک کے خیال
میں انقلاب پیدا کردیا جائے اور پارلیمنٹ کے آکسفورڈ میں طلب
کرنے سے یہی ظاہر کرنا منظور تھا کہ بادشاہ دارالسلطنت کی
بیوفائی کے خلاف ملک کو توجہ دلانا چاہتا ہے۔ نیز اس کارروائی
سے یہ بھی توقع تھی کہ گزشتہ خانہ جنگی کی یاد بہت زور کے
ساتھ دلوں میں تازہ ہو جائے گی۔ اور اسی خیال سے بدامنی کی
پیشبندی کا عذر کر کے اس نے اپنی فوج محافظ کو بھی اپنے
ہمراہ رکاب چلنے کا حکم دیدیا۔ ادہر شافٹسبری نے بھی دربار
کے تجاویز سے خوفزدہ ہوکر حفاظت خود اختیاری کے بہانہ سے
اپنے پیرودں سے مسلح ہوکر آنے کے لئے کہا، مگر اس سے
بادشادہ کی تجویز میں، اور تقویت پیدا ہوگئی۔ منمتھ نے پھر ملک

میں دورہ کرنا شروع کردیا۔ لندن میں بلوے ہونے لگے۔
انقلاب کا ہو جانا بہت قریب الوقوع معلوم ہوتا تھا۔ پس چارلس
نے فرانس سے اپنے خفیہ معاملات کے طے کرنے میں عجلت

چارلس کا فرانس کی طرف رجوع ہوتا

سے کام لیا۔ اس نے زبانی یہ وعدہ کیا کہ وہ صلح کی روش پر
قائم رہے گا۔ یعنی ولیم نے جو اتحاد عظیم قائم کردیا تھا اس میں
شریک نہ ہوگا۔ اس کے عوض میں لیوس نے ایک حقیر رقم
سے اس کی اعانت کی۔ چونکہ بادشاہ کے مداخل میں از خود
زیادتی ہوتی جاتی تھی اس لئے اگر وہ صلح کی روش پر قائم
رہتا تو اس رقم کے اضافے سے وہ پارلیمنٹ کی امداد سے
بالکل مستغنی ہوجاتا۔ اس نئی پارلیمنٹ نے بادشاہ کے ہاتھ میں پڑکر سابق پارلیمنٹ سے
بھی زیادہ بے اعتدالیاں کیں۔ دارالعوام کے ارکان وہی تھے
جو سابقہ پارلیمنٹوں میں رہچکے تھے۔ جنہیں چارلس نے برطرف کردیا
تھا۔ اور دو مرتبہ پارلیمنٹ کے بند کئے جانے سے ان کے دلوں
میں خواہ مخواہ غصہ بھرا ہوا تھا۔ ہیلیفیکس نے ایک نیا مسودۂ قانون
"تحدید اختیار" کے نام سے پیش کیا جسکا منشا یہ تھا کہ جیمز
کو بادشاہ کا لقب حاصل رہے مگر حکومت کے فرائض کو شہزادہ
آرینج اور اس کی بیگم انجام دے۔ اس مسودہ کے نامنظور ہوجانے
سے ملکی فریق کے اعتدال پسند اور فہمیدہ افراد اس فریق سے
علیحدہ ہوگئے۔ دارالعوام نے نظام سلطنت کے خلاف ایک
مخبر فٹزہیرس نامی پر عام عدالت کے بجائے دارالامرا میں اس
خیال سے مقدمہ چلایا کہ اس سے پھر ہیجان پیدا ہو جائیگا

مگر خلاف توقع اس کا اثر یہ ہوا کہ عوام کی رائے بادشاہ کیطرف زیادہ مائل ہوگئی۔ اصل یہ ہے کہ شافٹسبری نے اپنی کارروائی کا سارا انحصار اس پر رکھا تھا کہ خزانہ کے خالی ہو جانے سے چارلس اس کے قابو میں آجائے گا اور روپئے کی منظوری سے انکار کرکے وہ بادشاہ کو قانون جبب پر رضامند کرلے گا مگر فرانس کی رقم نے بادشاہ کو اُس کی غلامی سے آزاد کردیا تھا۔ اسے پارلیمنٹ سے صرف یہ کام لینا تھا کہ وہ یہ ظاہر کردے کہ اس نے بہ حیثیت بادشاہ کے کسقدر ضبط و تحمل سے کام لیا ہے اور اسکا صلہ اسے یہ ملا کہ اُس کی ذلت و توہین کی گئی۔ اسکا یہ مقصد حاصل ہو گیا تھا اور قانون جبب کے دوبارہ پیش ہوتے ہی اس نے ایک ہی مہینے کی نشست کے بعد پارلیمنٹ کو برطرف کردیا اور ایک شاہی اعلان کے ذریعہ سے تمام ملک سے انصاف کا خواہاں ہوا۔

شافٹسبری کا انتقال

اس اعلان کے جواب میں، وفاداری کا ایک عام جوش موجزن ہوگیا، کلیسا بادشاہ کا جانب دار بن گیا۔ ہر ایک منبر پر یہ اعلان کیا گیا اور دارالعلوموں نے وثوق کے ساتھ یہ فیصلہ کردیا کہ "کوئی مذہب، کوئی قانون، کوئی غلطی، کوئی ضبطی ایسی نہیں ہے جس سے جانشینی کا مقدس حق موروثی زائل ہوجائے" شافٹسبری اس الزام پر گرفتار کرلیا گیا کہ اس نے سازش کے ثابت کرنے کے لئے جھوٹی گواہیاں بنائی ہیں۔ اس سے بادشاہ کی نئی قوت عیاں ہوگئی مگر لندن بدستور اُس کی رفاقت پر ثابت قدم رہا،

مڈل سکس کی بڑی جیوری نے اس کے الزام کے مسودہ قانون کو نظر انداز کردیا اور جب وہ ٹاور سے نکالا گیا تو تمام سڑکوں پر آگ روشن کیگئی اور ہر طرف گھنٹے بجنے لگے۔ مگر ایک تجویز کی اشاعت سے جس کے نسبت کہا جاتا تھا کہ شافٹسبری کے کاغذات میں دستیاب ہوی تھی، عام ملک کی وفاداری میں ایک تازہ جوش پیدا ہوگیا تھا۔ یہ تجویز ایک خفیہ انجمن کے قیام کی تھی جسکا مقصد "حجب" کی کارروائی کو آگے بڑہانا تھا اور جس کے ارکان نے اس امر کا عہد کیا تھا کہ بادشاہ اگر پارلیمنٹ کو ملتوی یا برطرف کردیگا تب بھی وہ اس کے احکام پر کاربند رہیں گے۔ اس تغیر خیال کا اثر اسقدر وسیع تھا کہ ہیلیفیکس نے ایک جدید پارلیمنٹ کے طلب کئے جانیکی رائے دی کیونکہ اسے یقین تھا کہ یہ پارلیمنٹ ضرور وفادار ثابت ہوگی۔ صورت معاملات کے اسی تغیر سے فائدہ اٹھانے کے خیال سے ولیم (آرینج) بھی انگلستان میں آیا تا کہ چارلس کو "مخالفہ" کے موافق بنائے مگر بادشاہ ان دونوں مشوروں سے پہلو بچالے گیا۔ وہ اپنی نئی روش پر نہایت دلیری کے ساتھ چلتا رہا۔ اس نے کلیسا کی وفاداری کا یہ صلہ دیا کہ عام عبادت سے اتفاق نہ کرنے والوں پر پھر داروگیر جاری کردی، جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ پین، انگلستان سے فرار ہوگیا اور اپنے ہم طریق کوئیکروں کے لئے پنلسوینیا کی جائے پناہ قائم کی بادشاہ کو بہت جلد اتنی قوت حاصل ہوگئی کہ اس نے جیمز کو دربار میں واپس بلالیا۔ منمتھ جس نے اس تغیر خیال کے روکنے کے لئے ملک میں گشت کرنا شروع کردیا تھا، گرفتار کرلیا گیا۔ ایک ٹوری میر (صدر بلدہ) کی

دوستی کے باعث لندن کے تمام شیرف (ناظم) ٹوری مقرر ہوگئے اور انہوں نے ایسے جیوری جمع کرلئے جنکی وجہ سے "حجب" کے ہرایک حامی کی زیست و موت بادشاہ کی مرضی کے تابع ہوگئی۔شافسٹبری اس نئے خطرے کو اچھی طرح سمجھتا تھا، وہ اپنے ہی سے ایک مٹھی بھر سرفروشوں کے ساتھ دیوانہ وار سازشوں میں لگ گیا، وہ شہر میں چھپ رہا اور فخریہ یہ کہتا تھا کہ دس ہزار نوجوان اس کے اشارے پر تیار کھڑے ہیں۔اُس نے اپنے دوستوں پر ہتیار اٹھانے کے لئے زور دیا، مگر جب انہوں نے اس کام میں تاخیر کی تو اسے مجبوراً راہ فرار اختیار کرنا پڑی۔ہالینڈ پہنچکر دو مہینے بعد یہ عالی مرتبہ سردار قوم راہی ملک عدم ہوگیا۔اس کی وسیع قوت عمل اور اس کی تعجب انگیز ذہانت، اس کے علوے مرتبیت کی شاہد ہیں۔لیکن اس کی ذہانت اور اس کی قوت عمل نے کچھ دنوں کے لئے انگلستان کی آزادی کو برباد کردیا اور ایک شریف ترین کام کو بدترین جرائم کے ساتھ ملا دیا۔

جزو ششم

شاہان اسٹوارٹ کے ظلم وستم کا دور ثانی

۱۶۸۲ — ۱۶۸۸

{ اسناد :۔ اجزائے سابقہ میں جن کتابوں کا ذکر ہوچکا ہے ان میں ڈیوڈ کے تذکرے، اور لٹرل کے روز نامچے کا اضافہ کرلینا چاہئے مگر لارڈ میکالے کی تاریخ انگلستان (History of England) سب سے مقدم ہے }

شافٹسبری کا فرار بادشاہ کی ظفر مندی کا اعلان تھا۔ شافٹسبری نے بادشاہ کی کامیابی اپنی حیرت انگیز دور بینی سے یہ سمجھ لیا تھا کہ اب جد وجہد کا خاتمہ ہے اور مزید مقاومت بے کار ہے مگر ملک کے جن سرگروہوں نے ارل کی طلب پر لبیک کہنے میں تاخیر کی تھی، ان کو یقین یہ تھا کہ اب بھی مخالفت ممکن ہے۔ چنانچہ منمتھ، اور اس کے ساتھ لارڈ اسکس، لارڈ ہاورڈ دائرک، لارڈ رسل، ہیمپڈن اور الگرنن سڈنی اس غرض سے جا بجا جلسے منعقد کررہے تھے کہ ایک انجمن قائم کریں جس کے شور وغل سے بادشاہ کو مجبور ہوکر پارلیمنٹ طلب کرنا پڑے۔ شافٹسبری جب شہر میں روپوش تھا اس وقت جو زیادہ پُر جوش لوگ اس کے پاس

جمع ہوگئے تھے ان کے نزدیک چارۂ کار یہ تھا کہ قتل کی سازشیں کریں۔

رائی ہاوس کی سازش

چنانچہ انہوں نے یہ تجویز سوچی تھی کہ لندن سے نیومارکٹ کو جاتے ہوئے چارلس اور اس کے بھائی دونوں کو بہ مقام رائی ہاوس قتل کردیں لیکن یہ دونوں تجویزیں کھُل گئیں اور اگرچہ دونوں ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ تھیں مگر بادشاہ کے شیران قانونی نے یہ ستم کیا کہ اپنی طباعی سے دونوں کو ایک کردیا۔ لارڈ اسکس نے ٹاور میں خودکشی کرلی اور غدار قرار پاکر قتل کئے جانے سے بچ گیا۔ لارڈ رسل پر رائی ہاوس کی سازش میں شریک ہونے کا الزام لگایا گیا اور لنکنزان کے میدان میں اسے قتل کردیا گیا۔ یہی معاملہ الگرنن سڈنی کے ساتھ بھی پیش آیا۔ شیفٹسبری خوف کی وجہ سے سمندر پار بھاگ گیا مگر اس کے چلے جانے کے بعد اس کے پیرؤں پر برابر بغاوت کے مقدمات قائم ہوتے رہے۔ ۱۶۸۳ء میں وہ آئینی مخالفت بالکل پامال ہوگئی جنے اب تک چارلس کے راستے میں رکاوٹ پیدا کر رکھی تھی۔ اس کی اس کامیابی سے ہر طرف وفاداری کا جوش ابل پڑا۔ ایسے موقع پر اگر کوئی زیادہ کمزور طبیعت کا شخص ہوتا تو ضرور ظالمانہ کارروائیوں کی طرف مائل ہوجاتا۔ جس روز رسل قتل ہوا ہے اور لوگ اسے شہید سمجھکر اس کے خون سے اپنے رومال رنگین کررہے تھے، اسی روز دارالعلوم آکسفورڈ نے یہ اعلان کیا کہ بدترین حکمراں کے لئے بھی بے چون وچرا اطاعت داخلِ مذہب ہے۔ لیکن چارلس سمجھتا تھا کہ اگر وہ محض ظلم کی طرف جھک جائے گا تو اب بھی اس کے راستے میں بہت سی رکاوٹیں حائل ہوجائیں گی، وہ ذی اثر ٹوری

فریق جو قانون حُجَّت کے حامیوں کے خلاف اس کا طرفدار ہوگیا تھا وہ اب تک پارلیمنٹی اور قانونی حکومت کے قیام پر استقلال کے ساتھ جما ہوا ہے۔کلیسا کی قوت بدستورِ سابق بحال ہے اور اساقفہ کی مخالفت کی وجہ سے عام عبادت سے اتفاق نہ کرنے والوں کی رعایت اسے پھر ترک کرنا پڑی تھی۔اس لئے اس نے یہ احتیاط کی کہ اپنی چند سال کے بقیہ زمانۂ حکمرانی میں کسی طرح پر قانون عامہ کی کھلی مخالفت نہیں کی۔اسنے کسی قانون کو معلق نہیں کیا۔ شاہی اختیار سے کوئی محصول نہیں لگایا۔ طویل العہد پارلیمنٹ کے عظیم الشان کارناموں کے معلوم کرنے کا کوئی طریقہ اس سے بہتر نہیں ہے کہ چارلس ثانی کے عہد حکومت کا جائزہ لے لیا جائے۔ہیلم کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ "واپسی کے بعد بادشاہ کو صرف اسی قدر اختیار باقی رہا جس قدر ازروئے قانون اس کے لئے محفوظ رکھا گیا تھا" سنہ ۱۶۴۱ء کے محبّانِ وطن نے جن خرابیوں کو دور کردیا تھا ان کے دوبارہ جاری کرنے کے لئے کسی قسم کی کوشش نہیں کی گئی، پارلیمنٹ برابر طلب ہوتی رہی اور باوجودیکہ پارلیمنٹ نے بارہا روپیہ کی منظوری دینے سے انکار کیا مگر روپیہ وصول کرنے کے لئے کسی قسم کا غیر آئینی طریقہ اختیار نہیں کیا گیا۔کلیرنڈن کے زمانے میں جو چند خلافِ قانون اعلان شائع کئے گئے تھے وہ اس کے زوال کے بعد منسوخ کردیئے گئے۔اسٹار چیمبر اور عدالتِ ہائی کمیشن کے دوبارہ قائم کئے جانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ اور اگرچہ جج بادشاہ کے مطیع فرمان ہوتے تھے اور جوری بھی اکثر پہلے سے جانچ کر مقرر کی جاتی تھی

مگر عدالتی کارروائی میں کسی قسم کی کھلی مداخلت نہیں ہوتی تھی۔ دو نمایاں کام ایسے ہوئے کہ آزادی کا قدم ۱۶۴۱ء سے بھی آگے بڑھ گیا۔ جس وقت سے طباعت کا اثر رائے عامہ پر پڑنے لگا تھا اسیوقت سے اجازت نامے کے دستور نے مطابع کا منہ بند کردیا تھا ہنری ہشتم کے قواعد کے بموجب مطابع پر اسٹار چیمبر کی نگرانی قائم کردی گئی تھی اور مارٹن مارپریلیٹ کے ہتک آمیز رسالوں کی وجہ سے ایلزبتھ کے عہد میں اور بھی زیادہ سختی ہوگئی تھی۔ طویل العہد پارلیمنٹ تک نے اس معاملے میں سخت گیری سے کام لیا تھا اور اریوپاجیٹیکا میں ملٹن کے اس قدر سخت تعرضات پر بھی اس کے رفقانے مطلق اعتنا نہ کی، لیکن رجعتِ شاہی کے بعد طباعت کے متعلق جو قانون نافذ ہوا تھا اس کی میعاد ۱۶۷۹ء میں ختم ہوگئی اور پارلیمنٹ کے انداز سے یہ واضح ہوگیا کہ اب احتساب کے دوبارہ قائم کرنے کی کوشش کا خاتمہ ہے۔

مطابع کی آزادی

مطابع کی اس نئی آزادی کے ساتھ ہی ہیبیس کارپس (احضارِ ملزم) کے قانون سے نئی قوت آگئی کیونکہ اس سے ہر انگریز کو اپنی شخصی آزادی کا اطمینان ہوگیا تھا۔ بغیر قانونی چارہ جوئی کے کسی کو قید کرنے کے خلاف منشور اعظم میں، نہایت ہی ابتدائی زمانے میں ایک مشہور دفعہ قائم ہوچکی تھی۔ کوئی آزاد شخص کسی جرم کے الزام یا سزا یا قرضے کے سوا اور کسی وجہ سے قید خانے میں نہیں رکھا جاسکتا تھا اور ہر شخص کو یہ اختیار تھا کہ وہ "احضارِ ملزم" کے قانون کے موافق عدالتِ شاہی سے اپنے لئے یہ درخواست کرے کہ مجھکو عدالت کے روبرو

قانون احضارِ ملزم

حاضر کردیں۔ اس حکم کے بہ موجب داروغۂ قید خانہ پر لازم تھا کہ وہ ملزم کو مع حکمنامہ قید کے عدالت کے روبرو پیش کرے تاکہ عدالت اس امر کا فیصلہ کرسکے کہ اس کا قید خانے میں رکھنا قانون کے موافق ہے یا نہیں۔ لیکن جو قید مجلس شاہی کے حکم سے ہوتی تھی اس کی نسبت اکثر اوقات ججوں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ ملزم کی حاضری عدالت کا حکم نہیں دیا جاسکتا اور کلیرنڈن کے زمانے میں اس قسم کی قید کی مثالیں موجود ہیں جس میں کوئی قانونی چارہ جوئی کارگر نہیں ہوسکی۔ لیکن اس کے زوال کے بعد ہی رعایا کے اس حق کے محفوظ کرنے کو مسودۂ قانون پیش کیا گیا اور ایک طولانی جد وجہد کے بعد بالآخر سنہ ۱۶۷۹ء میں "احضار ملزم"، کا قانون منظور ہوگیا۔ اس جلیل القدر قانون کے موافق قدیم دستور کی تمام مشکلات و مستثنیات رفع ہوگئیں۔ سوا ان لوگوں کے جن پر غداری یا بغاوت کا الزام ہوتا تھا اور تمام قیدیوں کو اس قانون سے فائدہ اُٹھانے کا حق تھا یہاں تک کہ جس زمانے میں عدالتوں میں تعطیل ہوتی تھی، اس زمانے میں بھی یہ حکم نافذ کیا جاسکتا تھا اور اگر کوئی جج یا داروغۂ قید خانہ، ملزم کے اس حق سے انکار کرتا تو سخت پاداش بھگتتا۔ جس شخص پر بغاوت وغداری کا الزام ہوتا تھا وہ ضمانت پر رہا ہوسکتا تھا بشرطیکہ قید خانے کے معائنے کے وقت اس پر جرم ثابت نہ ہوا ہو۔ لیکن اگر دوسرے معائنے کے موقع تک اس کی سزا کا حکم نہ ہو جائے تو وہ رہا کردیا جاتا تھا۔ اس امر کی نہایت سخت ممانعت تھی کہ کسی قیدی کو سمندر پار

کسی مقام یا قلعے میں بھیجا جائے اور اس کی خلاف ورزی کے لئے نہایت ہی سخت سزا مقرر تھی۔

چارلس کا انتقال

اگرچہ بہت جلد یہ محسوس ہونے لگا کہ مطبع کی آزادی اور قانون احضار ملزم بادشاہ کی پریشانی کا سبب ہوگئے ہیں پھر بھی چارلس نے نہ تو مطبع کی آزادی کو روکا نہ اس قانون میں کچھ مداخلت کی۔ لیکن اگر وہ ایک طرف عام مقاومت کے برانگیختہ کرنے سے بچتا رہتا تھا تو دوسری طرف خاموشی واستقلال کے ساتھ مطلق العنانی کی جانب بڑھتا جاتا تھا۔ ہیلیفیکس نے اس امر پر زور دیا کہ فرانس کی مداخلت بیجا کا سختی کے ساتھ مقابلہ کیا جائے، منمتھ کو واپس بلا لیا جائے اور نئی پارلیمنٹ طلب کی جائے مگر اس کی کچھ شنوائی نہ ہوی۔ دوسرے انگریز مدبّروں کے مانند اسے بھی معلوم ہوگیا کہ اسے بیوقوف بنایا گیا ہے اور اب کہ اس کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ اس کا عہدے پر برقرار رہنا محض برائے نام تھا ورنہ حکومت پر اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہا تھا۔ ہائیڈ جسے اب ارل روچیسٹر بنا دیا تھا بدستور خزانے کا صدر تھا لیکن چارلس کا اعتماد چالاک وپرفن سنڈرلینڈ کی طرف بڑھتا جاتا تھا۔ پارلیمنٹ کے ہر تیسرے برس جمع ہونے کے لئے قانون موجود تھا اور ایک مرتبہ منسوخ ہونے کے بعد دوبارہ منظور ہوچکا تھا (گو اس دوسری منظوری میں سابق کی احتیاط باقی نہیں رہی تھی)، پھر بھی بادشاہ کے بقیہ عہدِ حکومت میں پارلیمنٹ کا اجلاس نہیں ہوا۔ چونکہ فرانس سے اس نے خفیہ اتحاد کر رکھا تھا اس وجہ سے جس قدر رقم کی اسے ضرورت پڑتی تھی وہ فوراً

مہیا ہو جاتی تھی۔ ادھر انگریزی تجارت کی ترقی کے باعث محصول میزبحری میں روز افزوں اضافہ ہوتا جاتا تھا اور امن کی صورت میں چارلس کو دارالعوام سے کسی مزید رقم کے لئے درخواست کرنے کی حاجت نہیں تھی۔ ہر قسم کی مخالفتوں کا خاتمہ ہوگیا تھا۔ دیہاتی فریق کی قوت کچھ تو قانون حجب کی بابت خود آپس کے اختلافات سے، اور کچھ اس فریق کے زیادہ ذی اثر سرگروہوں کے فرار وقتل کی وجہ سے کمزور ہوگئی تھی۔ اس کی جو کچھ طاقت رہ گئی تھی وہ قصبات کے اندر محدود تھی، اب اس پر بھی حملہ کیا گیا اور قصبات کے نام یہ حکم جاری کیا گیا کہ وہ اس امر کی وجہ ظاہر کریں کہ اپنے حقوق کے ناجائز استعمال کی وجہ سے ان کے فرامین شاہی کیوں نہ ضبط کرلئے جائیں۔ جب چند فیصلے بادشاہ کے موافق ہوگئے تو عام طور پر قصبات اپنی بلدی آزادی سے دست بردار ہوگئے اور جدید فرامین میں یہ احتیاط رکھی گئی کہ مجالس بلدی کی ترتیب ایسی ہو کہ سچے وفاداروں کے علاوہ اور لوگوں کو ان میں دخل نہ ملے اور اس طرح قصبات کے تمام نمایندے بادشاہ کے اثر میں آگئے۔

قصبوں کے نئے منشور

علی مخالفت کے مقابلے کے لئے چارلس مدت سے اپنی فوج محافظ میں خاموشی کے ساتھ اضافہ کررہا تھا۔ اس نے طنجہ سے اپنی فوج واپس بلالی اور اس طرح نو ہزار سپاہی پورے ساز و سامان سے درست اس کے پاس موجود ہوگئے تھے۔ اسی فوج سے زمانۂ موجودہ کی مستقل فوج کی بنیاد پڑی۔ اس فوج کی تقویت کے لئے اس نے چھ رجمنٹیں صوبہ جات متحدہ (نیدرلینڈز) کے

کام میں لگا رکھی تھیں تاکہ جب ضرورت ہو انہیں وطن میں .... بلالے۔
یہ حالت اگرچہ فی الحقیقت نہایت خطرناک تھی مگر چارلس کے متفرق
ظالمانہ افعال سے اتنا اندیشہ نہیں تھا جتنا خود اس کی طبیعت اور اسکے
اغراض سے اندیشہ تھا۔ لیکن عین کامیابی کے وقت اس کے انتقال
۱۶۸۵ نے انگلستان کی آزادی کو بچالیا۔ اس نے اپنی سابق ہر دلعزیزی
پھر حاصل کرلی تھی اور اس کی علالت کی خبر سن کر لوگ جوق درجوق
گرجوں میں جمع ہوکر دعائیں کرنے لگے تھے کہ خدا اسے صحت دے
کہ وہ اپنی قوم کا مربّی وسرپرست بنا رہے۔ لیکن بادشاہ صرف اس
فکر میں تھا کہ مرتے وقت وہ مذہب کیتھولک سے آشتی کرلے۔
اس کا کمرہ خالی کردیا گیا اور ہڈلسٹن نامی ایک پادری (جس نے
جنگ ورسٹر میں اس کی جان بچائی تھی) حاضر ہوا۔ اس کے سامنے
بادشاہ نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا اور اسی نے آخری رسوم
ادا کئے۔ جب امرا واساقفہ پھر بلائے گئے تو اس کارروائی کے متعلق
ایک لفظ بھی کسی نے نہیں سنا منجملہ کے سوا اس کی آشناؤں
کے تمام بچے اس کے بستر کے گرد جمع تھے۔ اس نے اپنے بچوں
کو ایک ایک کرکے اپنے بستر کے قریب بلایا اور انہیں برکت
کی دعا دی۔ اس کے بعد اساقفہ نے اس سے یہ درخواست
کی کہ چونکہ وہ خدا کا نائب اور اپنے ملک کا باپ ہے، اسلئے
وہ اساقفہ اور ان کے توسط سے اپنی تمام رعایا کے لئے بھی
برکت کی دعا کرے۔ کمرہ بھرا ہوا تھا۔ سب لوگ گھٹنوں کے بل
جُھک گئے اور چارلس نے اپنے بستر پر بیٹھکر بہت متانت کے

ساتھ سب کو برکت دی۔ یہ عجیب وغریب منظر آخر ختم ہوگیا اور چارلس نے جس طرح زندگی بسر کی تھی اسی طرح اس کا خاتمہ بھی ہوا۔ موت کے وقت بھی اس میں دلیری، ظرافت، استقلال موجود تھا۔ اگرچہ وہ کرب واذیت سے بیچین ہو رہا تھا مگر اس نے اپنے گرد کے لوگوں سے کہا کہ مرتے وقت اس ذرا دیر کی غفلت کے لئے وہ اسے معاف رکھیں۔ اس کی ایک محبوبہ ڈچیز پورٹسمتھ اس کے بستر کے قریب رو رہی تھی مگر اس کا آخری خیال اپنی دوسری محبوبہ نیل گوئن کی طرف مائل تھا اور نزع کی غفلت طاری ہونے کے قبل اس نے اپنے جانشین کے کان میں یہ کہا کہ " غریب نیلی کی ضروریات کو پورا کرتے رہنا"۔

جیمز ثانی

اپنی تخت نشینی کے بعد جیمز نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ "کلیسا وسلطنت کی حکومت کو جس طرح وہ قانوناً قائم ہوچکی تھی" برقرار رکھنے کا وعدہ کیا۔ بادشاہ کے اس وعدے کا تمام ملک نے نہایت جوش کیساتھ خیر مقدم کیا۔ اس کے کیتھولک ہونے کی وجہ سے جو شکوک پیدا ہوگئے تھے بہ ظاہر وہ سب رفع ہوگئے۔ ہر شخص یہ کہتا تھا کہ "بادشاہ نے زبان دی ہے اور اس نے کبھی اپنی بات کے خلاف نہیں کیا ہے"۔ اپنے بھائی کی بے اعتمادی سے جیمز نے اچھا سبق حاصل کیا تھا۔ لوگ اسے تنگ خیال، جلد باز، ضدی مطلق العنانی کا خواہاں سمجھتے تھے مگر اس کے بدترین دشمنوں نے بھی اس پر کبھی دروغ گوئی کا الزام نہیں لگایا تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ لوگوں کو یہ یقین تھا کہ اسے اپنے ملک کی عزت کا بہت ہی خیال ہے اور وہ اسے غیر ملکی اطاعت سے

آزاد کرانا چاہتا ہے۔ قصبات کے اپنے سابقہ منشوروں کے حقوق سے دست بردار ہوجانے کے باعث ان کے انتخابات تمام تر بادشاہ کے چشم ابرو کے اشارے پر منحصر تھے اور اس کے ساتھ ہی وفاداری کا جوش بھی بڑھا ہوا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ نئے انتخابات میں شاید ہی چند ارکان ایسے رہے ہوں جو بادشاہ کے ہوا خواہ نہ ہوں۔ بادشاہ کی ناخوشی کے احتمال سے مذہبی حفاظت کا مسئلہ بالکل ترک کردیا گیا۔ بیس لاکھ کی آمدنی تمام عمر کے لئے بادشاہ کے واسطے منظور کی گئی۔ ملک کے جوشِ وفاداری کو جنون کی حد تک پہنچا دینے میں جو کسر رہ گئی تھی وہ بھی شمال میں آرگائل اور مغرب میں منمتھ کی بغاوتوں سے پوری ہوگئی۔ رجعت شاہی کے وقت سے اہل اسکاٹلینڈ کو یہ اُمید تھی کہ وہ خاندانِ آرگائل کے سردار کو اپنا بادشاہ بناکر آزاد ہوجائیں گے لیکن بادشاہ کی واپسی پر اس خاندان کے معمر مارکوئس کو قتل کردیا گیا اور اس کا بیٹا ارل آرگائل بھی باوجود غیر معمولی احتیاط واظہار اطاعت کے اسکاٹلینڈ کے بدسرشت حکمرانوں کی زد سے بچ نہ سکا۔ سنہ ۱۶۸۲ء میں اسے ایسے امور کی بابت بغاوت کا مجرم قرار دیا گیا کہ انگلستان کے مدبّر اسے سن کر ششدر ہوگئے۔ ہیلیفیکس نے اعتراضاً یہ کہا کہ ”جس بنا پر لارڈ آرگائل کو موت کی سزا کا حکم دیا گیا ہے ہم اس الزام پر ایک کتے کو بھی پھانسی نہ دیں گے“۔ لیکن ارل کسی نہ کسی طرح بچکر ہالینڈ کو بھاگ گیا اور چارلس کی حکومت کے آخری زمانے میں اطمینان کے ساتھ وہیں رہا۔ منمتھ کو بھی ہیگ میں اسی قسم

آرگائل کی شورش

کا اطمینان حاصل ہوگیا تھا۔ وہاں لوگوں کو یہ یقین تھا کہ بادشاہ اسے واپس بلالینا چاہتا ہے اس لئے ولیم (آرینج) اس کے ساتھ نہایت مہربانی سے پیش آتا تھا۔ لیکن جیمز کے تخت نشین ہوجانے سے ڈیوک کی ساری امیدیں خاک میں مل گئیں اور آرگائل کے دماغ میں بھی یہ جنون پیدا ہوگیا کہ وہ اسکاٹلینڈ کو ایک کیتھولک بادشاہ کے پنجے سے نکال لیگا۔ ان دونوں سرداروں نے یہ عزم کرلیا کہ وہ بزور شمشیر انگلستان اور اسکاٹلینڈ میں داخل ہوں، اور دونوں مہمیں چند دنوں کے آگے پیچھے روانہ ہوگئیں۔ آرگائل کی کوشش کا بہت جلد خاتمہ ہوگیا۔ اس کے کینٹائر میں اُترنے کے ساتھ ہی اس کے قبیلۂ کیمبل کے لوگ بغاوت پر اُٹھ کھڑے ہوے مگر بادشاہ کے عمال نے ملک پر پہلے ہی قبضہ کرلیا تھا اور جو فراری آرگائل کے ساتھ آئے تھے ان میں آپس ہی میں مناقشات پیدا ہوگئے، اسلئے اس کی کوشش میں کامیابی کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ اس کی فوجیں بغیر جنگ کے منتشر ہوگئیں اور خود آرگائل بھاگتا ہوا گرفتار ہوگیا اور اسے باغی قرار دیکر فوراً قتل کرڈالا۔ منمتھ کا ستارہ کچھ دنوں عروج پر رہا۔ مغرب میں وہ بہت ہی ہردلعزیز تھا اور جب وہ لائم میں اترا تو اگرچہ متوسط حال اشخاص کا طبقہ اس سے کنارہ کش رہا اور اسنے ایک باثر پارلیمنٹی حکومت اور عبادت عام سے اتفاق نہ کرنیوالے پروٹسٹنٹوں کے لئے آزادی عبادت کا مطالبہ کیا لیکن ڈیونشائر اور ڈارسٹ کے کسان وتجّار اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگئے۔ سمرسٹ کے کپڑے کی تجارت کرنے والے قصبے فرقۂ وِگ کی طرفداری میں،

منمتھ کی شورش

ثابت قدم تھے اور ڈیوک جب ٹانٹن میں داخل ہوا تو عوام کے جوش کی یہ کیفیت ہوئی کہ ہر دروازہ پھولوں سے سجا ہوا تھا اور شہر کی نوعمر لڑکیوں کے ایک گروہ نے ایک جلد کتاب مقدس کی اور ایک علم اس کے روبرو پیش کیا۔ اس کی فوج کی تعداد اب چھ ہزار تک پہنچ گئی تھی لیکن بادشاہ کے لقب اختیار کرلے نے سے اسکی کامیابی کی جو کچھ اُمید تھی سب باطل ہوگئی ہردو ایوانہائے پارلیمنٹ نے جیمز کی تائید کی اور ڈیوک کی خلاف ایک مخصوص قانون تعزیری منظور ہوگیا۔ طبقۂ متوسط میری اور ولیم کی جانبداری پر بدستور قائم تھا اس لئے وہ سختی کے ساتھ ڈیوک سے الگ رہا۔ فوج مستقل بعجلت تمام بغاوت کے مرکزوں کو روانہ ہوگئی اور ملک کی فوج محافظ بادشاہ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگئی۔ برسٹل اور باتھ پر قبضہ کرنے کی کوشش میں ناکام رہکر منمتھ، برج واٹر کی طرف پلٹا اور ۶؍ جولائی کی شب میں بادشاہ کی فوجوں پر بہ مقام سجمور چھاپہ مارا مگر اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ دونوں فوجوں کے درمیان ایک گہرا نالہ تھا جس سے پیشقدمی میں رکاوٹ پیدا ہوگئی اور شاہی فوج کے سوار بھی سدّ راہ ہوگئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ڈیوک کی فوج کے بہادر کسان دکانگن منتشر ہوگئے۔ خود ڈیوک بھی میدان سے بھاگ نکلا، اور کوشش یہ کی کہ ملک سے نکل جائے مگر اس کوشش میں وہ کامیاب نہیں ہوا اور گرفتار ہوکر نہایت بے رحمی سے قتل کردیا گیا۔

عدالتِ خونخوار

انگلستان نے اس سے زیادہ وفاداری کا ثبوت کسی موقع پر نہیں دیا تھا مگر فتح سجمور کے بعد جس قسم کی ظالمانہ کارروائیاں کی گئیں

اس سے یہ وفاداری خوف و وحشت سے مبدل ہوگئی۔ لارڈ نارتھ محافظِ مہر شاہی، بادشاہ کا نہایت ہی مطیع و فرمانبردار خادم تھا مگر جنگ کے بعد فوج نے جیسی غارت گری و خونریزی کی، اس کے خلاف نارتھ تک نے اعتراض کیا۔ اس کے اعتراض پر کچھ لحاظ نہ کیا گیا جس سے وہ شکستہ خاطر ہوکر دربار سے چلا گیا اور کچھ دنوں بعد انتقال کرگیا۔ درحقیقت جیمز اس سے بھی زیادہ سخت انتقام پر تُلا ہوا تھا۔ چیف جسٹس جفریز بڑی قابلیت کا شخص تھا مگر اس کے ساتھ ہی مشتعل مزاج بھی غایت درجہ کا تھا۔ جیمز نے اسے محافظ مہر شاہی بنانے کی اُمید دلائی اور اس اُمید میں پڑکر اس نے بذریعۂ عدالت اتنے لوگوں کو پھانسیاں دیں کہ اس کا نام ہی ظلم وستم کے مرادف ہوگیا۔ اس نے ڈارسٹ وسمرسٹ کے دورے میں اپنی خونخوار عدالت، کے ذریعے سے ساڑھے تین سو باغیوں کو پھانسی دیدی۔ آٹھ سو سے زائد آدمی غلام بناکر بیچڈالے گئے اور سمندر پار بھیجدئے گئے۔ اس سے بھی بڑی تعداد کو کوڑے لگے اور قید کی سزائیں بھگتنی پڑیں۔ ملکہ اور محل کی خادمائیں بلکہ خود جج تک نے معافیاں بیچ بیچ کر نہایت بے شرمی سے روپیہ حاصل کیا۔ سب سے زیادہ جس امر سے لوگوں کو رنج وصدمہ ہوا وہ عورتوں پر ظلم وستم کا ہونا تھا۔ بعض عورتوں کو ایک بازار سے دوسرے بازار تک کوڑوں سے پیٹتے ہوے لے گئے۔ مسز لسلی شاہ کشوں میں ایک شخص کی بیوی تھی۔ اسے ایک باغی کو اپنے یہاں ٹھہرانے کے جرم میں ونچسٹر میں قتل کردیا۔ اسی قسم کی

عنایت کے لئے الیزبتھ گانٹ کو ٹائبرن میں زندہ جلا دیا۔ جب یہ معلوم ہوا کہ یہ مظالم بادشاہ کی حتمی منظوری و حکم سے ہوئے ہیں تو رنج کے بجائے خوف و دہشت طاری ہوگئی۔ رحم کی درخواستوں پر جیمز نے جس بے رحمی کا برتاؤ کیا اس سے جنرل چرچل کا سا سرد طبیعت شخص بھی متنفر ہوگیا حالانکہ سجمور کی فتح زیادہ تر اسی جنرل کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ وہ جس وودکش پر پیٹھ لگائے ہوئے کھڑا تھا اسی پر ہاتھ ٹیک کر کہا کہ "یہ پتھر بھی بادشاہ کے دل سے زیادہ سخت نہ ہوگا" لیکن بہت جلد یہ ظاہر ہوگیا کہ اس خونریزی سے رعایا کے دل میں جس خوف کا پیدا کرنا منظور تھا وہ ایک بہت بڑی تجویز کا جزو تھا۔ اس بغاوت کو مستقل فوج کی تعداد کو بڑھانے کا ایک حیلہ قرار دیا تھا۔ اوپر ذکر ہوچکا ہے کہ چارلس نے نہایت خاموشی اور ہوشیاری کے ساتھ فوج کی تعداد دس ہزار تک پہنچا دی تھی۔ جیمز نے ایک ہی مرتبہ میں اس کی تعداد بیس ہزار کردی۔ اس فوج سے خود ملک ہی میں کام لینا مقصود تھا کیونکہ غیر ملکی معاملات میں انگلستان کی کارروائیاں پہلے ہی کمزور پڑ چکی تھیں۔ جیمز نے جو منصوبے اپنے دل میں سوچے تھے ان کے پارلیمنٹ سے منظور ہونے کی اسے توقع نہیں تھی۔ اگرچہ وہ اپنے غرور کی وجہ سے فرانس کی اطاعت سے بیزار تھا مگر پارلیمنٹ سے بے نیاز رہنے کی اگر کوئی صورت تھی تو یہی کہ فرانس سے روپیہ اور سپاہی کے لینے میں تامل نہ کیا جائے اس لئے اپنی تخت نشینی کے ایک ہی ہفتے بعد اس نے لیوئیس

کو مطمئن کردیا کہ وہ چارلس ہی کے برابر اس کا منت کش اور فرمان پذیر ہے۔ اس نے فرانسیسی سفیر سے یہ کہا کہ ''اپنے آقا سے کہدینا کہ اس کی مدد کے بغیر میں کچھ نہیں کرسکتا۔ اس کو مشورہ دینے کا حق ہے اور میری خواہش یہ ہے کہ میں ہر امر میں اس سے مشورہ لیا کروں''۔ اس اطاعت شعاری کے انعام میں امداد کا وعدہ کیا گیا اور اس وعدے کا خیر مقدم نہایت ہی مسرت و امتنان کے ساتھ ہوا۔

{ظلم وجور فرانس سے خفیہ اتحاد انگلستان کے مذہب کے حق میں کبھی اس سے زیادہ خطرناک نہیں معلوم ہوتا جیسا اس وقت معلوم ہورہا تھا۔ لیوئس کی حرص وطمع کے باعث یورپ بہت دنوں سے اس سے کانپ رہا تھا، اب اس کے مذہبی تعصب سے بھی یورپ کو لرزہ چڑھا ہوا تھا۔ ہالینڈ پر حملہ کرکے وہ ملکی آزادی کے خلاف پہلے ہی اعلانِ جنگ کرچکا تھا، اب فرمان نانٹ کو منسوخ کرکے اس نے مذہبی آزادی کے خلاف بھی صدائے جنگ بلند کردی۔ ہنری چہارم نے جب خود مذہب پروٹسٹنٹ کو ترک کیا تھا تو اسنے اپنی پروٹسٹنٹ رعایا کی آزادیٔ عبادت کے لئے یہ کارروائی کی تھی کہ ایک اقرار فرمان نانٹ کے نام سے شایع کردیا تھا۔ اشلیو نے جب فرقۂ ہیوگیناٹ پر فتح پائی اس وقت اس نے بھی اس معاہدے کا لحاظ رکھا اور مازارین نے اس میں بہت خفیف سا دخل دیا مگر لیوئس اپنے ابتدائی عہد سے اس امر کا عزم کئے ہوئے تھا کہ وہ اس کے شرایط کو کالعدم کردے گا۔ سنہ ۱۶۸۵ء میں اس کا اس فرمان کو

منسوخ کرنا درحقیقت اس سست دار و گیر کو ختم کرنا تھا جسے وہ ایک مدت سے ترقی دے رہا تھا۔ اس منسوخی کے بعد جیسی ظالمانہ کارروائیاں ہوئیں انہوں نے آلوا کی خونریزیوں کو بھی شرما دیا۔ پروٹسٹنٹ خاندانوں کے مکانات سپاہیوں کی قیام گاہ بنا دئے گئے۔ عورتیں بستر علالت سے اٹھا اٹھا کر سڑکوں پر ڈال دی گئیں۔ بچے کیتھولک بنانے کے لئے ماؤں کی گودوں سے چھین لئے گئے۔ پادری ملّاح بنا کر جہازوں پر بھیجدئے گئے۔ شاہی احکام سے ان مصیبت زدوں کے لئے فرار کے راستے بھی بند کر دئے گئے تھے۔ پھر بھی ایک لاکھ پروٹسٹنٹ سرحد پار بھاگ گیا۔ ہالینڈ، سوئٹزرلینڈ اور پیلیٹینیٹ فرانس کے جلاوطنوں سے بھر گئے۔ ہزاروں شخصوں نے انگلستان میں آکر پناہ لی اور انہیں کی محنت سے مشرقی میدانوں میں اسپٹلفیلڈ کی تجارت ریشم کی بنیاد پڑی۔ لیکن ایک طرف انگلستان کے باشندے ان واقعات کو وحشت و خوف کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے دوسری طرف جیمز انہیں واقعات سے نئی امیدیں قائم کر رہا تھا۔ قانون کو پس پشت ڈال کر وہ اپنی فوج کے دستوں میں کیتھولک افسر مقرر کرتا جاتا تھا۔ اس نے ہیلیفیکس کو اس بنا پر پریوی کاؤنسل (مجلس) سے نکال دیا کہ وہ ٹسٹ ایکٹ (قانون اختبار) کی تنسیخ پر رضامند نہیں ہوتا تھا۔ اس نے پارلیمنٹ میں یہ پر از نخوت اعلان بھیجدیا کہ قانون کے موافق ہو یا مخالف مگر فوج میں اس نے کیتھولکوں کو جو عہدے دئے ہیں، ان کے متعلق کسی قسم کی بحث نہ کی جائے اور اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی نئی فوج کے لئے روپیہ کا مطالبہ بھی کر دیا۔ ایوانہائے پارلیمنٹ کی وفاداری اگرچہ مسلّم تھی

مگر کلیسا کے متعلق ان کا اندیشہ اور مستقل فوج سے ان کا خوف اس وفاداری سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ دارالعوام نے ایک رائے کی کثرت سے رقوم کی منظوری اس وقت تک ملتوی کردی جب تک کہ شکایات رفع نہ کردئے جائیں اور اپنی عرضداشت میں خلاف قانون عہدہ داروں کی برطرفی کا بھی مطالبہ کیا۔ دارالامرا نے زیادہ جسارت سے کام لیا اور اساقفہ کو قانون اختبار میں کسی قسم کی دراندازی کے خلاف جو عذر تھا ہیلیفیکس نے اپنی فصیح البیانی سے اسے قوی کردیا لیکن دونوں ایوان پارلیمنٹ کے اجلاس فوراً ہی ملتوی کردئے گئے۔ بادشاہ نے یہ ارادہ کرلیا کہ جس شے کو وہ پارلیمنٹ سے حاصل نہیں کرسکا ہے اسے ججوں کے ذریعے سے حاصل کرے۔ جن چار ججوں نے اس کی تجویز سے موافقت کرنے سے انکار کیا انہیں اس نے موقوف کرویا اور اس طرح عدالت کو ہموار کرلیا۔ ان ججوں کے جانشینوں کے روبرو فوج کے ایک کیتھولک عہدہ دار سر اڈورڈ ہیلز کا مقدمہ پیش ہوا اور انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ "ٹسٹ ایکٹ"، کے خلاف بادشاہ کا کسی کو مستثنیٰ کردینا قانوناً جائز ہے۔ ججوں نے جس اصول پر اپنے فیصلے کی بنا قرار دی تھی وہ یہ تھی کہ بادشاہ اپنی رائے سے تعزیری قوانین میں رعایت کرسکتا ہے۔ جیمز نے اس اصول کے استعمال میں نہایت لایعقلانہ بیصبری وتعجیل سے کام لیا۔ کیتھولک ملکی وفوجی عہدوں پر بے روک ٹوک مقرر ہونے لگے اور چار کیتھولک امیر پریوی کاونسل (مجلس خاص)، میں بھی شامل کرلئے گئے۔ ملک میں کیتھولک پادریوں کے رہنے اور علانیہ کیتھولک طریق پر عبادت کرنے کے خلاف جو

قانون اختبار کا معلق کیا جانا

قوانین نافذ تھے ان کی مطلق پروا نہیں کی جاتی تھی۔ بادشاہ کے لئے محلِ سنٹ جیمز میں ایک عالیشان معبد تیار کیا گیا۔ کارملیٹ، بنیڈکٹ اور فرنیسکن فرائر، اپنے مذہبی لباس میں لندن کی سڑکوں پر گھومتے پھرتے تھے اور فرقہ جزوئٹ کے لوگوں نے سیوائے میں اپنا ایک بڑا مدرسہ قائم کرلیا تھا۔

جیمز اور کلیسا

ان کاموں سے جس عجلت کے ساتھ ہر طرف بددلی پھیل گئی اس سے ایک فہمیدہ شخص فوراً احتیاط کی طرف مائل ہو جاتا مگر جیمز احتیاط کے بجائے اس امر پر نازاں تھا کہ وہ اپنی خود رائی سے کبھی باز نہیں آتا۔ شہر لندن میں جب ایک کیتھولک عبادتگاہ کھولی گئی تو ہنگامہ ہوگیا، اس کے جواب میں شہر کو خوف دلانیکے لئے جیمز نے مقام ہاؤنسلو میں تیرہ ہزار فوج متعین کردی۔ انگلستان میں جیمز اسی روش پر چلنا چاہتا تھا جو اس نے دوسرے ملکوں میں اختیار کر رکھی تھی۔ اسکاٹلینڈ میں اس نے اپنی حیثیت بالکل مطلق العنان بادشاہ کی بنالی تھی۔ اس نے اس ملک کی حکمرانی کا کام دو امیر میلفرٹ اور پرتھ کے ہاتھوں میں دیدیا تھا جنھوں نے کیتھولک مذہب اختیار کرلیا تھا اور قلعۂ اڈنبرا پر ایک کیتھولک کو متعیّن کردیا تھا۔ اسکاٹلینڈ کی پارلیمنٹ اگرچہ اسوقت تک محض بادشاہ کی دست نگر تھی مگر غلامانہ اطاعت کی بھی ایک حد ہوتی ہے جیمز نے جب جرأت کر کے اراکین پر اپنی یہ خواہش ظاہر کی کہ کیتھولکوں کے ساتھ رواداری کو وہ قانوناً جائز قرار دیدیں تو انہوں نے اس قانون کے منظور کرنے سے انکار کردیا۔

بادشاہ نے انہیں یہ طمع دلائی کہ اگر وہ اس پر رضامند ہوجائیں گے تو وہ اسکاٹلینڈ کے ساتھ آزادانہ تجارت کی اجازت دیدیگا مگر اس کا بھی کچھ اثر نہ ہوا۔ پس اس نے اسکاٹلینڈ کے ججوں کو فوراً ہی یہ حکم دیدیا کہ وہ کیتھولکوں کے خلاف تمام قوانین کو کالعدم تصور کریں، ان احکام کی اطاعت کی گئی۔ آئرلینڈ میں اسنے قانون کا ظاہری نقاب بھی اُتار پھینکا۔ اس کے حکم سے کیتھولک مجلسِ شاہی اور ملکی عہدہ داروں میں داخل ہونے لگے۔ ایک کیتھولک لارڈ ٹرکونل فوج کا افسر اعلیٰ مقرر کردیا گیا اور اسے یہ حکم دیا گیا کہ فوج کو فوراً از سرِ نو مرتب کرے، پروٹسٹنٹ عہدہ داروں میں تخفیف کرے اور ملک کے کیتھولکوں میں سے دو ہزار نئے سپاہی بھرتی کرے۔ اس اثنا میں جیمز نے انگلستان میں نہایت جسارت کے ساتھ کلیسا پر باقاعدہ حملہ شروع کردیا۔ وہ اپنے "تفوق مذہبی" کے اختیار کو ایک ایسا آلہ سمجھتا تھا جسے خدا نے اس غرض سے اس کے ہاتھ میں دیا ہے کہ اس کے پیشروؤں نے جو کام کئے ہیں وہ ان سب کو باطل کردے۔ ہنری اور الزبتھ کے دور میں اسی تفوق سے یہ کام لیا گیا تھا کہ کلیسائے انگلستان کو کیتھولک طریق سے ہٹا کر پروٹسٹنٹ بنادیا گیا۔ جیمز کے عہد میں لازمی تھا کہ وہ اس اختیار کی مدد سے پھر کلیسا کو پروٹسٹنٹ سے کیتھولک بنادینے کی کوشش کرے۔ طویل العہد پارلیمنٹ ایک قانون کے ذریعے سے ہائی کمیشن کو ناجائز قرار دے چکی تھی اور رجعتِ شاہی کے بعد کی پارلیمنٹ نے بھی اس قانون پر مہرِ تصدیق

لگادی تھی لیکن سمجھا یہ گیا کہ اگر کمیشن کے ضوابط میں سے وہ غیر معمولی اختیارات خارج کردئے جائیں جن کی وجہ سے وہ سابق میں باعث تکلیف رہچکی ہے تو اس قانون کو نظر انداز کردینا ممکن تھا۔ اس احتیاط کو مدِنظر رکھتے ہوئے سات کمشنر بسر کردگی جفریز کلیسا پر حکمرانی کرنے کیلئے مقرر کئے گئے۔ اس کمیشن نے پہلا وار اسقف لندن پر کیا۔ جیمز نے اس امر کی ممانعت کردی تھی کہ "بادشاہ کے مذہب کے رد" میں کوئی وعظ نہ کہا جائے، مگر لندن کے ایک وکار نے اسکی خلاف ورزی کی اور جیمز نے اسقفِ کومپٹس کو اس کے معطل کر دینے کا حکم دیا۔ اسقف کے انکار کرنے پر اسے یہ سزا دی گئی کہ وہ خود معطل کردیا گیا۔ لیکن کمیشن کے دباؤ کا اثر صرف یہ ہوا کہ پادری بادشاہ کی مرضی کی خلاف ورزی میں اور زیادہ دلیر ہوگئے۔ ہر منبر پر توہم پرستی کے خلاف وعظ ہونے لگے اور اس زمانے کے دو مشہور ترین علمائے مذہب ٹلٹسن اور سٹلنگفلیٹ، مناظرین کے غول کے سرگروہ بن گئے اور ان لوگوں نے ہر چھاپے خانے سے رسالے اور پرچے شائع کرنا شروع کردئے۔

اعلان رعایت

کیتھولکوں میں متوسط طبقے کا زیادہ حصہ جیمز کی کارروائیوں سے الگ رہا کیونکہ اس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اس کارروائی کا اثر اُلٹا پڑے گا خود روما نے بھی زیادہ اعتدال برتنے کی صلاح دی، مگر جیمز پر کسی بات کا کچھ اثر نہ ہوا۔ وہ اپنی اولوالعزمیوں کی ظاہری کامیابی سے سرمست ہورہا تھا۔ جن مخالفتوں کا اسے سامنا ہوا انہیں وہ ہائی چرچ کے ان ٹوریوں کے اثر کی طرف منسوب کرتا تھا

جو سنہ ۱۶۸۱ء کی بازگشت عمل کے بعد ذی اختیار رہ گئے تھے اور انکی نسبت یہ عزم کرلیا کہ ان کی قرار واقعی تادیب کی جائے۔ اسکاٹلینڈ میں اس فریق کا سرگروہ ڈیوک کوئینزبری تھا، وہ اپنے عہدے سے ہٹا دیا گیا۔ ٹرکونل کا آئرلینڈ میں مقرر کیا جانا گویا ارمنڈ کا جواب تھا۔ انگلستان میں جیمز نے یہ دکھانا چاہا کہ ضروریات مذہب کے مقابلے میں وہ قریب ترین رشتہ داری کی بھی کوئی حقیقت نہیں سمجھتا۔ کلیرنڈن کی لڑکی این ہائڈ سے جیمز کا پہلا عقد ہوا تھا۔ اس لئے کلیرنڈن کے دونوں لڑکوں کی قسمت جیمز کی قسمت کے ساتھ وابستہ تھی۔ تخت نشین ہونے پر اس نے اپنے بڑے سالے ہنری (ارل کلیرنڈن) کو آئرلینڈ کا لارڈ لفٹینینٹ (نائب السلطنت) بنا دیا اور چھوٹے سالے لارنس (ارل روچسٹر) کو وزیر خزانہ مقرر کردیا۔ لیکن روچسٹر سے اب یہ کہا گیا کہ بادشاہ اتنی بڑی ذمہ داری کا کام کسی ایسے شخص کے سپرد نہیں کرسکتا جو مذہب میں اس کا ہمخیال نہ ہو اور جب اس نے اپنے عقیدے کے ترک کرنے سے انکار کیا تو وہ اس معزز عہدے سے ہٹا دیا گیا۔ اس کے بھائی کلیرنڈن کو بھی اس کا ساتھ دینا پڑا۔ روچسٹر کی برطرفی کے بعد خزانہ کا انتظام ایک کمیشن کے سپرد کردیا گیا اور ایک کیتھولک لارڈ بیلاسیز وزیر خزانہ مقرر کیا گیا۔ ایک دوسرا کیتھولک لارڈ ارنڈل محافظ مہر شاہی ہوگیا اور ایک جزوئٹ فادر پٹری، کاؤنسل میں شامل کرلیا گیا جن عہدہ داروں نے ٹسٹ ایکٹ (قانون اختبار) کی منسوخی میں مدد دینے سے

۱۶۸۷

انکار کیا تھا وہ ایک ایک کرکے اپنی جگہوں سے ہٹادیئے گئے اور بالکل خلافِ قانون، پوپ کے وکیل کا شاہی اعزاز کے ساتھ ونڈسر میں خیر مقدم کیا گیا۔ لیکن یہ ممکن نہ تھا کہ جیمز کو عام بد دلی کی ترقی کا احساس نہ ہو۔ ٹوری امرا اگرچہ تاج کے لئے سینہ سپر تھے مگر اس کے ساتھ ہی انگریز ہونے کے اعتبار سے بے جا مظالم سے نفرت کرنے میں وہ وہگ امرا سے کسی طرح کم نہ تھے۔ جیمز نے ڈیوک نارفک کو شاہی تلوار اس غرض سے دی تھی کہ وہ تلوار لیکر اس کے آگے آگے کیتھولک عبادتگاہ میں چلے مگر ڈیوک عبادتگاہ کے دروازے پر پہنچ کر رُک گیا۔ بادشاہ نے کہا کہ "تمہارا باپ موجود ہوتا تو اور آگے تک چلتا"۔ ڈیوک نے جواب دیا کہ "حضور کے والد میرے باپ سے بہتر شخص تھے مگر وہ یہاں تک بھی نہ آتے جہاں تک حضور تشریف لائے ہیں"۔ نوجوان ڈیوک سمرسٹ کو جب یہ حکم دیا گیا کہ وہ پوپ کے سفیر کو ایوانِ باریابی میں پیش کرے تو اس نے جواب دیا کہ "مجھے یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ میں قانون کی خلاف ورزی کئے بغیر حضور کا حکم پورا نہیں کرسکتا"۔ جیمز نے غصّے میں آکر یہ پوچھا کہ "کیا تمھیں یہ نہیں معلوم ہے کہ میں قانون سے بالاتر ہوں"۔ ڈیوک حاضر جوابی میں کچھ کم نہ تھا اس نے کہا کہ "حضور قانون سے بالاتر ہوں گے مگر میں تو نہیں ہوں"۔ وہ اپنے عہدے سے برطرف کردیا گیا مگر مقاومت کی ہوا زور کے ساتھ چلنے لگی تھی۔ چارٹر ہاؤس کے منتظموں میں بعض بڑے بڑے امرا بھی شامل تھے، جیمز نے ان لوگوں کو

ٹوری امرا

خطوط لکھے کہ ایک کیتھولک کو بھی اس وقت کے متوتیوںمیں شامل کرلیں مگر ان لوگوں نے انکار کردیا۔ جیمز نے جب یہ مطالبہ کیا کہ وفاداری کے ثبوت میں لوگ اپنے پروٹسٹنٹ عقائد سے باز آئیں تو اس کے نہایت سچے وفاداروں میں بھی شکایت پیدا ہوگئی۔ اسنے بہت جلد یہ توقّع اٹھادی کہ وہ کلیسا کو یا ٹوریوں کو اپنی مرضی کے موافق بنالے گا۔ پس وہ بھی چارلس کی طرح عام عبادت سے اتفاق نہ کرنے والوں کی طرف مائل ہوا اور ۱۶۸۷ء میں ایک اعلانِ رعایت شائع کرکے عام عبادت سے اتفاق نہ کرنے والوں اور کیتھولکوں دونوں کے خلاف تعزیری قوانین کی کارروائی معطّل کردی اور اس کے ساتھ ہی ان تمام قوانین کو بھی معلّق کردیا جن سے کلیسا یا سلطنت کے عہدے کے لئے کسی قسم کی قید مذہبی عاید ہوتی تھی۔ اس رعایت کو شوق کے ساتھ قبول کرنے کے بہت سے اسباب موجود تھے، جن میں سے ایک سبب یہ تھا کہ شافٹسبری کے زوال کے بعد سے پروٹسٹنٹ کنارہ کشوں پر سخت مصیبت نازل ہورہی تھی، پس کوئی تعجب نہیں کہ عام عبادت سے اتفاق نہ کرنیوالے کچھ وقت کے لئے تردد میں پڑگئے، اور جیمز کے حضور میں بیشمار سپاسنامے پیش ہونے لگے لیکن ان اتفاق نہ کرنے والوں کا جم غفیر اور ان کے تمام ممتاز افراد عام آزادی کی جانبداری میں ثابت قدم رہے۔ بیکسٹر، ہو اور بنیین سب نے اس رعایت کے قبول کرنے سے انکار کردیا جس کا معاوضہ قانون

کی انتہائی مخالفت ہو۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہوگیا کہ فرقہ پروٹسٹنٹ کی طاقتوں کو تقسیم کرنے کی کوشش قطعاً ناکام رہی اور جیمز کے لئے اپنے مقصد کے حاصل کرنے کا ذریعہ صرف یہی رہ گیا کہ وہ خود پارلیمنٹ کے ذریعے سے قانون اختبار کو منسوخ کرائے۔

جیمز اور دارالعوام

لیکن موجودہ پارلیمنٹ کا انداز قطعاً بادشاہ کی رائے کے خلاف تھا، اس لئے اس نے اس پارلمنٹ کو برطرف کرکے ایک نئی پارلیمنٹ طلب کی مگر وہ جانتا تھا کہ پارلیمنٹ کے انتخابات اگر آزادانہ ہوئے تو کوئی پارلیمنٹ بھی اس قانون کی منسوخی پر رضامند نہ ہوگی۔ البتہ امرا پر یہ دباؤ پڑ سکتا تھا کہ دارالامرا کو بے تکان نئے امیروں سے بھر دیا جائے۔ جیمز کے وزیر لارڈ سنڈرلینڈ نے چرچل سے کہا تھا کہ "تمہاری فوج کے سوار دارالامرا میں بلائے جائیں گے" لیکن ایک اطاعت شعار دارالعوام کا جمع کرنا مشکل کام تھا۔ صوبہ داروں کو یہ ہدایت کی گئی کہ وہ قصبات کی حکمراں جماعت کے قواعد اس طرح مرتب کریں کہ صرف وہی امیدوار منتخب ہوسکیں جو قانون اختبار کی منسوخی کا وعدہ کریں اور یہ بھی ہدایت کردی گئی کہ صوبے کے ہر ایک مجسٹریٹ سے یہ دریافت کرلیں کہ وہ کس جانب رائے دیگا۔ نصف صوبہ داروں نے تو اس کام سے فوراً انکار کردیا، اور بہت سے بڑے بڑے امرا صوبہ داری سے برطرف کردئے گئے جن میں آکسفورڈ، شروسبری، ڈارسٹ،

ڈاربی، پیمبروک، رٹلینڈ، ایبرگوینی، تھینٹ، نارتھمپٹن اور ایبنگڈن کے ارل بھی شامل تھے۔ جسٹسوں (ناظمانِ امن) سے جب دریافت کیا گیا تو انہوں نے صاف جواب دیدیا کہ وہ ایمانداری کے ساتھ رائے دیں گے اور انہیں لوگوں کو پارلیمنٹ میں بھیجینگے جو پروٹسٹنٹ مذہب کی حفاظت پر آمادہ ہوں۔ قواعد میں بار بار ترمیمیں ہوئیں مگر پھر بھی یہ غیر ممکن معلوم ہوا کہ کوئی متفقہ جماعت ایسی بنائی جا سکے جس کے منتخب کردہ قائم مقام بادشاہ کی مرضی پر چلنے کے لئے رضامند ہوں، لامحالہ پارلیمنٹ کا خیال ہی ترک کرنا پڑا اور جیمز کے لئے امرا، طبقۂ متوسط اور تاجروں کی طرف سے جس سخت مخالفت کے پیش آنے کا اندیشہ تھا اس کا یہ رنگ دیکھکر متعصب درباریوں نے بھی اعتدال اختیار کرنے کی صلاح دی۔ صرف پادریوں کا ایک طبقہ ایسا تھا جو اب تک علانیہ مخالفت سے جھجکتا تھا۔ کمیشن کے مظالم بھی ان لوگوں کو بددلی کے علانیہ اظہار پر آمادہ نہ کرسکے جو ہر اتوار کو یہ وعظ کہا کرتے تھے کہ بدترین بادشاہ کی اطاعت بھی خاموشی کے ساتھ کرنا چاہئے مگر جیمز کے نزدیک خاموشانہ اطاعت کی کچھ قدر نہ تھی۔ پادریوں نے اس کی تجویز کی تائید سے جب انکار کیا تو اس نے اس کے یہ معنی قرار دئے کہ وہ کلیسا کو بحال خود برقرار رکھنے کے اقرار سے آزاد ہوگیا اور اس نے یہ عزم کرلیا کہ وہ ان عظیم الشان تنظیمات پر قابو حاصل کرلے جو اب تک کلیسا کی ملجاو ماویٰ بنی ہوئی ہیں، اور اس طرح ضمناً کلیسا کو نقصان پہنچائے۔

اگر دارالعلوم کیتھولک خیال کے تابع ہوجاتا تو پادریوں کے ہاتھ سے وہ مدرسے نکل جاتے جن پر ان کے گروہ کی تربیت کا مدار تھا۔ کیمبرج تو اس زد سے آسانی کے ساتھ بچ نکلا۔ فرقہ بینڈیکٹ کا ایک راہب اپنی سفارش میں بادشاہ کا خط لیکر آیا تھا کہ اسے ایم۔ اے کی سند دی جائے۔ اس سے کہا گیا کہ وہ "عقائد ثلثہ" پر دستخط کرے۔ جب اس نے عذر کیا تو اسے سند دینے سے انکار کردیا گیا مگر اس انکار کا عوض صرف وائس چانسلر سے لیا گیا اور وہ اپنے عہدے سے برطرف کردیا گیا۔ البتہ آکسفورڈ پر نہایت تند و سخت حملہ ہوا۔ یونیورسٹی کالج کے صدر نے اپنے تبدیلِ عقیدہ کا اعلان کردیا تھا، اس پر بھی وہ خلافِ قانون اپنے عہدے پر برقرار رکھا گیا۔ ایک رومن کیتھولک میسی نامی کو بادشاہ نے کرائسٹ چرچ کالج کا ڈین (ناظمِ دینیات) مقرر کردیا۔ آکسفورڈ کے کالجوں میں میگڈلین (موڈلن)، سب سے زیادہ متمول کالج تھا، جیمز نے ۱۶۸۷ء میں اس کے صدر مدرس کے لئے ایک کیتھولک فارمر نامی کی سفارش کی۔ یہ شخص بہت بدنام تھا اور ازروئے قواعد وہ اس عہدے کی اہلیت بھی نہیں رکھتا تھا۔ رفقائے مدرسہ نے اس پر عذر کیا اور جب انکا عذر نامنظور ہوگیا تو انہوں نے اپنے ہی گروہ میں سے ایک شخص ہاؤ کو اپنا صدر بنا لیا۔ مذہبی کمیشن نے اس انتخاب کو کالعدم قرار دیا۔ جیمز خود اس سفارش پر شرمندہ ہوا اور اب اس نے آکسفورڈ کے اسقف

پارکر کو اس عہدے کے لئے نامزد کیا۔ یہ شخص خفیہ طور پر کیتھولک اور جیمز کا ایک بہت بڑا تبدّل درباری تھا، مگر رفقا اپنے منتخب کردہ سرگروہ کے قانونی جواز پر سختی سے قائم رہے۔ بادشاہ خود آکسفورڈ میں گیا، ان لوگوں کو اپنے حضور میں طلب کیا اور جب وہ آداب بجالائے تو انہیں مکتب کے بچوں کی طرح سے ڈانٹا کہ "میں تمہارا بادشاہ ہوں، میری اطاعت تم پر لازم ہے، اسی وقت عبادتگاہ میں جاؤ اور اسقف کا انتخاب کردو۔ جو لوگ اس سے انکار کریں وہ اچھی طرح سمجھ لیں کہ میں قرار واقعی ان کی تنبیہ کروں گا"۔ لیکن اس کا بھی کچھ اثر نہ ہوا۔ لوگ سمجھتے تھے کہ میگڈلین (موڈلن) اور کرائسٹ چرچ کو کیتھولکوں کے ہاتھ میں دیدینے کے یہ معنی ہیں کہ آکسفورڈ کیتھولکوں کا ایک صومعہ بنا دیا جائے۔ رفقانے بادشاہ کی تہدید کا کچھ خیال نہ کیا مگر اس تہدید نے عملی صورت اختیار کرلی، ایک خاص کمیشن دارالعلوم میں آیا، ہاؤ کی قانونی حجت کو مداخلت ناروا ٹھہراکر مسترد کردیا اور پارکر کو اس کی جگہ بٹھانے کے لئے مکان صدارت کا دروازہ بزور توڑ ڈالا۔ جب رفقانے اس حکم کے آگے سر اطاعت خم کرنے سے انکار کیا تو وہ رفاقت سے محروم کردئے گئے۔ جو لوگ رفاقت کے امیدوار تھے جب انہوں نے بھی اس حکم کے ماننے سے انکار کیا تو انکا بھی وہی حشر ہوا جو رفقا کا ہوچکا تھا۔ پارکر اس جگہ پر متمکن ہونے کے بعد ہی مرگیا۔ اس کے بعد ایک کیتھولک بوناونچر گیفرڈ جیسے اسقف کا

لقب حاصل تھا مگر وہ کسی خاص جگہ کا اسقف نہیں تھا)، اس کا جانشین بنایا گیا اور ایک دن کے اندر بارہ کیتھولک زمرۂ رفقا میں داخل کرلئے گئے۔

سات اساقفہ

اس دوران میں جیمز برابر اس امید میں لگا رہا کہ ایک اطاعت شعار پارلیمنٹ اسے مل جائے تاکہ وہ قانونِ اختبار کو منسوخ کرا دے۔ ملک کی سخت مخالفت کی وجہ سے انتخاب ملتوی کردیا گیا تھا اور یہ ارادہ کیا گیا تھا کہ عام قوم کی توجہ کے لئے ایک نیا اعلانِ رعایت شائع کیا جائے۔ اپریل ۱۶۸۸ء

اس اعلان کے آخر میں جیمز نے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ نومبر میں پارلیمنٹ طلب کریگا اور انتخاب کنندوں سے یہ خواہش کی تھی کہ وہ ایسے لوگوں کو منتخب کریں جو اس کے آغاز کردہ طریقے کو پوری طرح کامیاب بناسکیں۔ اس نے یہ ظاہر کیا تھا کہ اس کا یہ ارادہ ہے کہ آئندہ ہر شخص کو اپنے عقائد میں پوری آزادی حاصل ہو۔ اسی خصوصیت کی وجہ سے اسنے ہر ایک پادری کو حکم دیا کہ اس شاہی اعلان کو متواتر دو اتواروں کو نماز کے وقت پڑھ کر سنا دیں۔ غور و فکر کے لئے وقت بہت کم تھا مگر وقت کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ خود اپنی اہانت و تذلیل کا ذریعہ بننے سے تقریباً ہر ایک پادری نے انکار کر دیا۔ یہ اعلان لندن کے صرف چار گرجوں میں پڑھا گیا اور وہاں بھی اعلان کے شروع ہوتے ہی لوگ گرجے سے باہر نکل گئے۔ بیرونجات کے قریب قریب تمام پادریوں نے اس شاہی حکم کی تعمیل سے انکار کردیا۔ اساقفہ نے بھی عام پادریوں کا ساتھ دیا۔ جس اتوار کو اس اعلان کا پڑھا جانا قرار پایا تھا اس سے چند روز پہلے اسقف اعظم سینکرافٹ نے اپنے نائبوں کو بلایا۔ انمیں سے چھ شخص وقت پر لیمبتھ میں پہنچ سکے اور انھوں نے اپنے دستخط کے ساتھ ایک موزوں معذرت نامہ بادشاہ کے

پاس بھیجا اور اس خلاف قانون اعلان کے شائع کرنے سے اپنے کو معذور ظاہر کیا۔ اسقفِ اعظم نے جب کاغذ پیش کیا تو جیمز چلّا اٹھا کہ "یہ بغاوت کا عَلَم بلند کرنا ہے"۔ پادریوں کی مخالفت کا حال جب اسے معلوم ہوا تو وہ انہیں مقتدایان دین سے انتقام لینے پر تُل گیا جنہوں نے اس معذرتنامے پر دستخط کئے تھے۔ اس نئے کمیشن مذہبی کو حکم دیا کہ یہ لوگ اپنے اپنے عہدے سے ہٹادیے جائیں مگر اس معاملے میں کمیشن کے ارکان کو بھی اس کے حکم کی بجاآوری میں تامّل ہوا۔ چانسلر لارڈ جفریز نے یہ صلاح دی کہ ان لوگونکو سزادینے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ان پر توہین کا مقدمہ قائم کردیا جائے۔ جب اساقفہ پر الزام قائم کیا گیا تو انہوں نے ضمانت دینے سے انکار کردیا اور وہ سب کے سب ٹاور میں بھیجدیے گئے۔ ان کے قید خانے کو جاتے وقت خلائق کا ایک جم غفیر جمع ہوگیا، اور لوگ ہر طرف سے شور مچانے لگے۔ قید خانیکے دروازے میں داخل ہوتے وقت پہرہ دار گھٹنونکے بل جھک گئے اور انسے خیر و برکت کے طالب ہوئے۔ قید خانیکے سپاہیوں نے انکے جام صحت نوش کئے۔ قوم میں ایسی برافروختگی پیدا ہوگئی تھی کہ جیمز کے وزرانے اس کارروائی سے باز رہنے پر زور دیا مگر خطرے کے بڑھنے کے ساتھ ہی جیمز کی ضد بھی بڑھ گئی۔ اسنے کہا کہ "نرمی ہی نے میرے باپ کا کام تمام کیا"۔ آخر ۲۹ جون کو اساقفہ بہ حیثیت مجرم عدالت شاہی کے روبرو حاضر کئے گئے۔ ارکان جوری پہلے ہی سے جانچ کر مقرر کئے گئے تھے۔ جج محض بادشاہ کے اشارے پر چلنے والے تھے اسپر بھی عام قوم کی برہمی کا یہ عالم تھا کہ جج وجوری دونوں پر ہیبت طاری ہوگئی۔ جوری کے سرپنچ کی زبانسے جوں ہی "بے قصور" کا لفظ نکلا لوگوںمیں شور تحسین بلند ہوگیا اور بیرونجات میں اس خبر کو شائع کرنیکے لئے سوار ہر طرف دوڑ گئے ؛

ساتا اسقفوں کا مقدمہ ۱۶۸۸

جزو ہفتم

ولیم، شہزادۂ آرنج

[اسناد - مثل سابق]

ولیم اور یورپ
سازش اور قانون حجب کے شور وشغب کے دوران میں انگلستان کے زیادہ دوراندیش مدبّر برابر اس فکر میں لگے رہے کہ جیمز کی بڑی لڑکی میری کو جیمز کے بجائے صاحبِ تاج وتخت قرار دینا چاہیئے، اور جب جیمز نے تخت نشین ہوکر دستِ ستم دراز کیا تو عام قوم بھی اس خیال کی موئد ہوگئی۔ لیکن یورپ اسے کسی اور ہی نظر سے دیکھتا تھا؛ اسے میری کی تخت نشینی سے کوئی سروکار نہ تھا مگر اس تغیر سے جب کبھی بھی ہو ولیم، (شہزادہ آرنج) کو جو نئی قوت حاصل ہوجاتی وہ یورپ کی نگاہوں میں کھٹکتی تھی۔ درحقیقت اب وہ وقت آگیا تھا کہ انگلستان میں بادشاہ کی زیادتیوں کے خلاف جو جدوجہد ہورہی تھی وہ لیوئس چہاردہم کے خلاف یورپ کی وسیع تر جدوجہد سے وابستہ ہوجائے۔ پس جب انقلاب نے جیمز کو تخت سے اتارا اس کی اصلی حقیقت و نتائج کو سمجھنے کے لئے لازم ہے کہ ہم برّاعظم کی سیاسی حالت پر ایک سرسری نظر ڈالیں۔

فرانس کی عظمت

فرانس کی طاقت اس وقت تمام ممالک عیسوی میں سب سے بڑھی ہوئی تھی۔"اصلاح" کے ساتھ ساتھ جو مذہبی لڑائیاں شروع ہوگئی تھیں ان سے فرانس کے اطراف و جوانب کی قوموں کی قوت بالکل ابتر ہوگئی تھی۔اسپین اس مذہب کیتھولک کی حمایت میں جنگ آزمائی کے قابل نہیں رہا تھا۔صلح وسٹ فیلیا نے جرمن شہزادوں کو آزاد کردیا تھا مگر جرمنی کے اندر پروٹسٹنٹ اور کیتھولک سلطنتوں میں رقابت قائم تھی، اور اس سے "شہنشاہی" کی طاقت بالکل فنا ہوگئی تھی۔خاندان آسٹریا بھی جرمنی کی ایک شاخ تھا اس کی قوت جنگ سی سالہ کی طولانی کشمکش میں فنا ہوچکی تھی۔ اِدھر ترک ہنگری کو فتح کرکے وائنا کی طرف بڑھتے چلے آرہے تھے جس سے اس کی رہی سہی قوت خود اپنی جان بچانے میں صرف ہورہی تھی۔گستاوس اور اس کے تربیت کردہ سپہ سالاروں نے اگرچہ بڑی فتحیں حاصل کیں مگر ان فتوحات نے خود سویڈن کو بھی بہت ہی خستہ و درماندہ کردیا تھا، صوبجات متحدہ (ندرلینڈز) کا شمار اس وقت بڑی طاقتوں میں نہیں تھا اور سمندروں پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش میں وہ انگلستان کے ہاتھوں خراب ہوچکے تھے؛ صرف ایک فرانس کو اس عام تباہی سے فائدہ پہنچا تھا۔ ہنری چہارم نے ازراہ دانشمندی فرقۂ پروٹسٹنٹ کو اپنے عبادات و رسومات کے بجالانے کی اجازت دیکر مذہبی صلح قائم کردی تھی اور اپنے ملک کو مذہبی لڑائیوں کے نتائج سے بچالیا تھا۔لوار کے جنوب میں اب بھی بہت کثرت سے ہیوگیناٹ موجود تھے

مگر اپنے قلعوں کے ہاتھ سے نکل جانے کے باعث انہوں نے اپنی تمامتر توجہ صنعت و حرفت اور تجارت کی جانب منعطف کردی تھی۔ رشلیو نے جاگیرداروں کی بدانتظامیوں کو سختی کے ساتھ دباکر تمام مقامی اختیارات بادشاہ کے ہاتھ میں مجتمع کردیئے تھے۔ یہ کارروائی اگرچہ بعد کو فرانس کی حقیقی بہبود کے لئے مہلک ثابت ہوئی مگر بروقت اس سے یہ نفع ہوا کہ ایک اعلیٰ نظم ونسق کی شان پیدا ہوگئی اور بادشاہ کو ملک کے تمام وسائل پر قابو حاصل ہوگیا۔ یہ بات کسی اور ملک کو نصیب نہیں تھی۔ سلطنت کے تمام حصص باہم متصل تھے، زمین زرخیز تھی۔ قوم میں فطرتاً محنت و ترقی کا شوق موجود تھا۔ تجارت و مصنوعات میں تیزی کے ساتھ وسعت ہوتی جاتی تھی۔ یہ تمام امور حصول دولت کے ایسے فطری اسباب تھے کہ باوجود گرانبار محصولوں کے دولت کی ترقی میں کسی طرح کمی نہیں ہوئی۔ سترھویں صدی کے آخری نصف حصے میں فرانس، یورپ کے ملکوں میں سب سے زیادہ دولتمند ملک سمجھا جاتا تھا۔ شاہ فرانس کی سالانہ آمدنی انگلستان کے بادشاہ کی آمدنی سے دوچند تھی اور لیوئس چہاردہم تک کی یہ حالت تھی کہ اسے جسقدر اپنی سپاہ کی کامیابی پر ناز تھا اسی قدر اپنے خزانے کی معموری پر اعتماد تھا۔ چنانچہ جب جنگ کا پانسہ اس کے خلاف پڑنے لگا تو اس نے یہ کہا کہ "انجام کار ہمیں فتح کا انحصار روپے پر ہوگا" حقیقت یہ کثیر دولت ہی تھی جس نے فرانس کو ایسی بڑی فوجیں تیار کرلینے کے قابل بنادیا تھا کہ زوال روما کے بعد سے ایسی بڑی

فوج یورپ میں کہیں قائم نہیں ہوئی تھی۔ لیوئس چہاردہم کے آغاز حکومت کے زمانے میں اسکی فوج ایک لاکھ سپاہیوں پر مشتمل تھی، مگر جنگ ہالینڈ کے وقت تک اس کی تعداد دو لاکھ کے قریب پہنچ گئی۔ "اتحاد اعظم" کے خلاف آخری جدوجہد میں اس فوج کا شمار تقریباً پانچ لاکھ ہوگیا تھا۔ لیکن فرانس صرف اپنی اس بے شمار بری افواج ہی پر قانع نہیں تھا بلکہ رشلیو اور مازارین اپنے دوران حکمرانی میں اس کی بحری طاقت کی طرف سے بھی غافل نہیں رہے اور لیوئس کے دور حکومت کے شروع ہوتے ہی فرانس کے بیڑے میں سو جنگی جہازوں کا اضافہ کرکے اسے بہت جلد اس قابل کردیا کہ وہ انگلستان اور ہالینڈ کے بیڑے کا مقابلہ کرسکے، حالانکہ اسپین کی تباہی کے بعد سے سمندروں کی حکومت کے دعویدار صرف انگلستان و ہالینڈ ہی رہ گئے تھے۔

لیوئس چہاردہم

ایسی عظیم الشان طاقت ہر زمانے میں مہیب سمجھی جاتی۔ لیکن جب وہ ایسے مدبّروں کے اشارے پر حرکت کررہی ہو کہ تمام یورپ میں ان کی قابلیت و علمیت کا کوئی مدّمقابل نہ ہو تو اس کی ہیبت کے دو چند ہوجانے میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا۔ غیر ملکی معاملات میں کوئی تدبر لیون پر فوق نہیں لیجاسکتا تھا۔ کوئی مدبّر جنگ، لوودا کا ہمسر نہیں تھا، کوئی مشیر مال کولبرٹ کی برابری کا دعویٰ نہیں کرسکتا تھا۔ ان مدبّروں کا نوعمر آقا لیوئس چہاردہم اگرچہ متعصّب، تنگ خیال اور معمولی قابلیت کا شخص تھا، جسے نہ اپنی عزّت کا پاس تھا اور نہ اس میں جرأت وہمت تھی، نہ وہ کسی کا

شکر گزار ہوتا اور نہ کسی پر رحم کرتا تھا، بلکہ اپنے غرور و نخوت میں سرمست و مدہوش رہتا تھا، اور خود غرضی میں بہیمیت کی حد کو پہنچ گیا تھا مگر بایں ہمہ اس میں ایک عظیم الشان حکمراں کی بہت سی خوبیاں بھی موجود تھیں وہ ایک جفاکش، متحمل، سریع العزم اور ارادے کا پکا شخص تھا، مردم شناسی اور آدمیوں سے کام لینے کی قابلیت رکھتا تھا اسے اپنی ذات پر بے انتہا اعتماد اور بھروسہ تھا۔ وہ حقیقی عظمت کے خیال سے اگرچہ بالکل معرّا تھا مگر نمائشی شان و شوکت کا بیحد دلدادہ تھا۔ بحیثیت مدبّر کے لیوئس کو صرف اتنا کرنا تھا کہ وہ اپنے دو جلیل القدر پیشرو کارڈنلوں کے لگائے ہوئے درختوں کا ثمر حاصل کرے۔ مذہبی لڑائیوں کے باعث یورپ میں جو درماندگی و نفاق پیدا ہوگیا تھا اس سے ان کارڈنلوں نے فرانس کو نفع پہنچایا۔ رشلو نے سویڈن، صوبجات متحدہ، اور جرمنی کے پروٹسٹنٹ حکمرانوں سے اتفاق کرکے خاندان آسٹریا کو نیچا دکھایا۔ مازارین نے عہدنامہ وسٹ فیلیا اور عہدنامۂ کوہ پرینیز کے ذریعے سے جنگ سی سالہ کا خاتمہ کیا مگر ان دونوں اہم عہدناموں کو اس نے اس طرح ترتیب دیا کہ شہنشاہی کا شیرازہ بکھر گیا اور اسپین کی طاقت کا خاتمہ ہوگیا۔ درحقیقت اسی زمانے سے اسپین ایسا کمزور ہوگیا کہ اس کی کمزوری پر حیرت ہوتی ہے۔ ہالینڈ کے آزاد ہوجانے سے دولت کا خاص ذریعہ جاتا رہا تھا، پرتگال کی بغاوت سے ملک اندرونی طور پر کمزور ہوگیا تھا، پیادہ فوج کو گونڈے نے راکرائے کی فتح کے موقع پر بالکل نیست و نابود کردیا تھا، اور اہل ہالینڈ نے بیڑے کو تباہ کردیا تھا۔ قوم کے بہترین افراد جزائر

غرب الہند کو چلے گئے تھے، ہر قسم کی مذہبی و ملکی آزادی کے دبائے جانے سے قوم کی قوت عمل بیکار ہوگئی تھی۔ عدالت استیصال ارتداد نے قوائے ذہنی کی مٹی خراب کی، عربوں کے خارج کردیئے جانے اور مالی جبر و تشدد اور طریق نو آبادی کی غلطی نے صنعت و حرفت کو بالکل مٹادیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو سلطنت فلپ دوم کے وقت میں تمام دنیا پر چھاجانے کی کوشش کررہی تھی وہ فلپ چہارم کے وقت میں ایک بے بس و درماندہ سلطنت ہوکر رہگئی تھی۔ لیوئس کو فرانس کے اوپر پورا پورا اختیار درحقیقت ۱۶۶۱ء سنہ میں حاصل ہوا اور اسی وقت سے اس کی کوشش یہ رہی کہ وہ اپنے دونوں سابقین کے طرز عمل کو جاری رکھے اور سب سے بڑھکر یہ کہ اسپین کو بالکل تباہ کردے۔ ندرلینڈز میں اسپین کے صوبوں کے فتح کرلینے سے اس کی مملکت کی سرحد دریائے شیلٹ تک پہنچ جاتی۔ ایک بعید توقع یہ بھی کہ شاید اسپین کے آسٹروی سلسلے کے بادشاہوں کی نسل منقطع ہوجائے اور فرانس کا کوئی شہزادہ اسپین کے تخت پر بٹھادیا جائے۔ اس صورت میں نہ صرف کیسٹیل اور اراگان اور اطالیہ و ندرلینڈز کے ملحقات اسپین پر فرانس کا قبضہ ہوجاتا بلکہ نئی دنیا کی اسپینی شہنشاہی بھی فرانس کے ممالک میں شامل ہوجاتی۔ دول یورپ کے اتحاد کے سوا اسپین کے بچانے کی کوئی اور صورت نہیں تھی، اور لیوئس نے اس اتحاد کے عمل میں نہ آنے کے لئے برسوں محنت کی۔ شہنشاہی کی مداخلت اس طرح روکی گئی کہ فرانس اور چھوٹے چھوٹے جرمن حکمرانوں کے درمیان سابقہ اتحادوں کی

بجدید ہوتی رہی۔ ترکوں سے موافقت کرکے آسٹریا کی مشرقی سرحد پر اس کے لئے بہت مشکلات پیدا کردیئے گئے۔ سوئیڈن سے پرانی موافقت اور ہالینڈ کی پرانی دوستی بڑی ہوشیاری سے برقرار رکھی گئی چارلس دوم کی حکمت عملی نے انگلستان کو لیوئس کا پابند بنادیا۔ آخر لیوئس کو یہ معلوم ہوا کہ وہ جس وقت کے انتظار میں تھا وہ وقت آگیا ہے۔ معاہدۂ بریڈا پر دستخط ہوجانے سے اسے جنگ کا موقع مل گیا اور ۱۶۶۷ء میں اس نے اس موقع سے فائدہ اُٹھایا۔ مگر دفعتہً ایسی مکمل کامیابی حاصل کرلینے سے فرانس کی طرف سے ایک عام خوف پیدا ہوگیا جس کے مقابلے میں چارلس کی تمام تدبیریں بیکار ہوگئیں۔ فرانسیسی افواج کے رائن پر نمودار ہونے سے ہالینڈ کو اپنے ملک کی طرف سے اندیشہ پیدا ہوگیا۔ فلینڈرز کے ساحلی مقامات پر فرانسیسیوں کے قابض ہوجانے سے انگلستان خواب غفلت سے چونک پڑا اور سوئیڈن نے ان دونوں پروٹسٹنٹ سلطنتوں کے ساتھ شریک ہوکر "محالفۂ ثلثہ" قائم کردیا۔ لیوئس کو یہ اندیشہ ہوا کہ مبادا یہ اتحاد اور وسیع ہوجائے اسلئے وہ صرف فلینڈرز کے جنوبی نصف حصّے پر قابض رہنے اور قلعوں کے ایک سلسلے کو اپنے ہاتھ میں رکھنے پر قانع ہوگیا جس سے عملاً وہ ندرلینڈز کا مالک بنا رہے۔

ولیم شہزادہ آرنج۔ اس رکاوٹ نے لیوئس کو دیوانہ بنادیا وہ ہمیشہ اہل ہالینڈ کو ان کے پروٹسٹنٹ مذہب اور ان کی جمہوری سلطنت کے باعث ناپسند کرتا تھا۔ اب اپنے منصوبوں میں اس طرح رکاوٹ ڈالنے کی وجہ

سے وہ ان سے اور بھی متنفر ہوگیا اور اس نے یہ لازمی سمجھ لیا کہ اسپین کو اپنا تختۂ مشق بنانے کے قبل اس رکاوٹ کو راستے سے ہٹانا چاہئے۔ اہل ہالینڈ پر ایک کامل ضرب لگانے کے لئے چار برس تک تیاری کی گئی۔ فرانسیسی فوج رفتہ رفتہ ایک لاکھ اسی ہزار تک بڑھا دی گئی کولبرٹ نے ایک ایسا بیڑہ تیار کیا جو تعداد وساز وسامان میں ہالینڈ کے بیڑے کے ہم پلہ تھا۔ سوئیڈن کو اپنا جانبدار بنالیا۔ معاہدہ ڈوور کے ذریعے سے انگلستان کی طرف سے پھر اطمینان حاصل کیا گیا اور اس تمام زمانے میں ہالینڈ اپنے تحفظ کی نسبت ایک غلط خیال میں مبتلا رہا۔ ہنری چہارم کے وقت سے فرانس کے ساتھ اس کا اتحاد برابر چلا آتا تھا اور خاندان آرنج کے زوال کے بعد جس تاجر طبقے کو قوت حاصل ہوگئی تھی وہ اس اتحاد کو خصوصیت کے ساتھ عزیز رکھتا تھا۔ اس فریق کا سرگروہ جان ڈی وٹ، اگرچہ لیوئس کے راین کی طرف بڑھنے کے باعث محالفۂ ثلثہ کے قائم کرنے پر مجبور ہوا مگر وہ ہمیشہ فرانس کی دوستی میں اندھا بنا رہا اور اس کی آنکھ اس وقت کھلی جب ۱۶۷۲ء میں فرانسیسی فوج ہالینڈ کی سرحد کو عبور کر آئی اور ویدبانوں کی آگ کی روشنی ایمسٹرڈم کی دیواروں پر سے نظر آنے لگی۔ ہالینڈ لیوئس کے قدموں کے نیچے پڑا ہوا تھا مگر فاتح کے عجب و نخوت نے قوم میں پھر وہی عزم و ہمت پیدا کردی جس کے باعث الوا کو اپنی فتح سے دست بردار ہونا اور فلپ ثانی کے غرور کو نیچا دیکھنا پڑا تھا۔ ایک عام ہنگامے
۱۶۷۲ میں ڈی وٹ مار ڈالا گیا اور اس کے بعد ولیم شہزادہ آرنج، کو

لوگوں نے اس جمہوریہ کا صدر بنادیا۔ یہ نیا رئیس جمہوریہ اگرچہ ابھی پوری طرح سنِ بلوغ کو بھی نہیں پہنچا تھا مگر اس کے اعلیٰ صفات فوراً نمایاں ہو گئے۔ اسے اپنی ابتدائی زندگی میں ضبط نفس کا عجیب سبق حاصل ہوگیا تھا۔ بچپن ہی سے باپ کا سایہ اس کے سر سے اُٹھ گیا تھا، اور شاید ہی کوئی شخص اس کا ہوا خواہ باقی رہا ہو۔ اس نے ایسے لوگوں کے درمیان پرورش پائی تھی جو اس کے وجود ہی کو سلطنت کے لئے باعث خطر سمجھتے تھے۔ اس کی ایک ایک حرکت کی نگرانی ہوتی تھی اس کے طرز و طور پر نظر رکھی جاتی تھی؛ اس کے دوست و احباب اس سے الگ ہوگئے تھے۔ اِس حالت میں نشو و نما پانے سے بالطبع اس میں خاموشی، حزم واحتیاط اور رازداری کی عادت پیدا ہوگئی تھی، اس کی طبیعت سے سنجیدگی اور اس کے برتاؤ سے بے مہری معلوم ہوتی تھی۔ بات کرنے میں وہ نہایت خشک بلکہ درشت تھا۔ وہ بچپن ہی سے کمزور اور بیمار رہا کرتا تھا، جوان ہوکر اسے ضیق النفس و دق کا عارضہ ہوگیا اور ہر وقت کھانستے رہنے سے اس کا جسم کمزور ہوگیا تھا۔ اس کا چہرہ پژمردہ و زرد رہتا اور اس پر گہری لکیریں پڑی ہوئی تھیں، جس سے اس کی ہر وقت کی تکلیف کا پتہ چلتا تھا لیکن اس بے مہر و مریض شخص کے اندر ایک پُرجوش و تحکمانہ طبیعت، غیر متزلزل عزم اور اعلیٰ ترین سیاسی قابلیت مخفی تھی۔ اسے فطرت نے ہی مدبر بنایا تھا۔ اس کی تعلیم کی زیادہ فکر نہیں کی گئی تھی، علوم و فنون سے وہ بالکل نابلد تھا مگر جان ڈی وٹ نے امور ملک داری میں

اس کی تربیت کا بڑا خیال رکھا تھا چنانچہ اس نے ندرلینڈ کی پارلیمنٹ کے روبرو جو پہلی تقریر کی اس میں اس نے یورپ کی عام حالت کا ایسا تبصرہ کیا اور اس جد وجہد کے موافق و مخالف دلائل کو اس جسارت کے ساتھ بیان کیا کہ آناً فاناً اسے تمام ملک کا اعتماد حاصل ہوگیا۔ اس اعتماد کرنے کا صلہ بھی ملک کو بہت جلد مل گیا۔ ہالینڈ تباہی سے بچ گیا اور ولیم کے دلیرانہ عزم کے باعث تمام صوبے یکے بعد دیگرے فرانس سے واپس لے لئے گئے۔ اپنے جلیل القدر بزرگ ولیم "خاموش" کے مانند موجودہ ولیم بھی بہت ہی بدقسمت سپہ سالار تھا۔ اسے جس قدر شکستیں ہوئیں، کسی سپہ سالار کو اتنی شکستیں نہ ہوئی ہوں گی، لیکن ان شکستوں سے اس نے اسی طرح فائدہ اُٹھایا جس طرح اور لوگ فتح سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ درحقیقت اس میں یہ اعلیٰ صفت موجود تھی کہ تباہی و پریشانی کے وقت اس کی ہمت اور بلند ہوجاتی تھی۔ سینیف کی ہزیمت کے موقع پر اس نوعمر سپہ سالار نے اس خوبی کے ساتھ منتشر دستوں کو جمع کیا اور آخر وقت میں گونڈے کو اس کے فتوحات کے ثمر سے اس طرح محروم کردیا کہ اس جہاندیدہ شخص کو بھی اسکی تعریف کرنا پڑی۔ ایسے ہی موقعوں پر اس کی عام متکبرانہ سکوت کی نقاب اُٹھ جاتی اور اس کی اصلی طبیعت ظاہر ہوجاتی۔ فوج کی آتشباری میں پہنچتے ہی اس کی آنکھوں سے عجب طرح کا شعلہ نکلنے لگتا تھا اور شکست کے خوف و اضطراب کے درمیان وہ ایسی نرمی وخندہ پیشانی کا برتاؤ کرتا کہ ہرایک سپاہی اس کا

گرویدہ ہوجاتا تھا۔

ولیم اور چارلس دوم

ولیم کی سیاسی قابلیت اس سے ثابت ہے کہ اس نے اپنی تدبیروں سے اسپین اور خاندان آسٹریا کو فرانس کے خلاف متحد کرکے "محالفۂ اعظم" کی بنیاد قائم کردی لیکن ابھی فرانس کی فوج کا کوئی مدمقابل نہیں تھا اور فرانس کی فتوحات کو حلیفوں کی خود غرضی اور اس سے بڑھکر چارلس دوم کے فریب آمیز تعلقات سیاسی کی وجہ سے تقویت ہوگئی تھی۔ ولیم کو ۱۶۷۸ء میں بمجبوری معاہدۂ نمے گوئن کو قبول کرنا پڑا؛ اس معاہدے کی رو سے فرانس یورپ پر اس طرح حاوی ہوگیا کہ اس کے قبل کبھی اسے یہ درجہ نہیں حاصل ہوا تھا۔ ہالینڈ اگرچہ لیوئس کے انتقام سے بچ گیا مگر اسپین کے کچھ مزید مقبوضات چھین لئے گئے اور فرانش کوسٹے (برگنڈی) Franete Comte جو سابق جنگ کے اختتام پر واپس کردیا گیا تھا، اس جنگ کے بعد فرانس ہی کے ہاتھ میں رہگیا۔ سب سے زیادہ اثر یہ ہوا کہ فرانس نے تن تنہا یورپ کے اس وسیع اتحاد کا جس کامیابی و جرأت سے مقابلہ کیا، اس سے تمام یورپ پر ایک ہیبت چھاگئی۔ شاہ فرانس کی تعلی و خودستائی کی کوئی حد نہیں رہی۔ خطۂ لورین ایک ماتحت ریاست بنالیا گیا۔ جینوا پر گولہ باری کیگئی اور اس کے حاکم اعلیٰ (دوج) کو طلب عفو کے لئے ورسیلز کے محلِ شاہی کے دروازے پر حاضر ہونا پڑا۔ روما میں فرانسیسی سفیر کی کچھ تحقیر ہوئی تھی اس کے انتقام کے لئے فرانسیسی فوج روما میں داخل ہوگئی اور اس طرح پوپ کو بھی ذلیل کیا گیا۔

السانس اور دوسرے مقامات میں شہنشاہی جاگیروں پر قبضہ کرکے شہنشاہی کی توہین کی گئی۔ ہیوگیناٹ پر تشدد شروع کردیا گیا جس سے تمام یورپ کے پروٹسٹنٹوں کو یہ جتانا مقصود تھا کہ ان کی کوئی ہستی نہیں ہے۔ اس تشدد کی انتہا یہ ہوئی کہ معاہدہ نانٹ منسوخ کردیا گیا۔ لیوئس کے ذہن میں امن کے معنی یہ تھے کہ آس پاس کی سلطنتوں پر زیادتیاں کی جائیں لیکن ہر ایک زیادتی سے اسکے اس ساکت و صامت مخالف (ولیم) کو تقویت حاصل ہوتی جاتی تھی، جو ہیگ میں بیٹھا ہوا یہ تدبیریں کر رہا تھا کہ فرانس کے خلاف تمام یورپ کو متحد کرکے ایک "محالفہ اعظم" قائم کردے اور اس کی حرص پر ایک کاری ضرب لگائے۔ گذشتہ جنگ کے تجربے سے اسے یہ یقین ہوگیا تھا کہ اس اتحاد میں انگلستان کا شریک ہونا لازمی ہے۔ اس لئے صلح کے بعد سے وہ اس کوشش میں لگا ہوا تھا کہ انگلستان کو اپنے ساتھ متفق کرلے۔ چارلس کو فرانس کی دست نگری سے آزاد کرنے کی صورت یہی تھی کہ بادشاہ اور پارلیمنٹ کے درمیان مصالحت ہوجائے اور ولیم نے اسی کی کوشش کی مگر بہت دنوں تک وہ اس مقصد میں ناکام رہا کیونکہ چارلس اس سلطنت کا دامن چھوڑنا نہیں چاہتا تھا جس کی مدد سے اسے اپنے منصوبوں کے پورا کرنے کی توقع تھی۔ تاہم کابال کے زوال اور ڈینبی کے عروج سے حکومت کی روش میں جو تغیر واقع ہوا اس سے ولیم کے دل میں نئی امیدیں پیدا ہوگئیں اور میری سے اس کا عقد کرلینا لیوئس کے لئے ایک مہلک ضرب ثابت ہوا۔

جیمز کے کوئی لڑکا نہیں تھا اور میری کے عقد سے ولیم کو یہ یقین تھا کہ اپنے خسر کے انتقال کے بعد اسے اس اہم تجویز میں ضرور انگلستان کی تائید و اعانت حاصل ہوجائے گی، لیکن اس وقت تک انتظار کرنا غیر ممکن تھا اور اگرچہ شہزادے نے اپنے اس نئے تعلق کی بنا پر چارلس کو ایک قطعی روش اختیار کرنے پر آمادہ کرنا چاہا، مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ رومن کیتھولکوں کی سازش کے طوفان نے اس کے لئے بھی پیچیدگیاں پیدا کردیں۔ قانون حجب کے ابتدائی مراحل میں جبکہ اس کا منشا صرف یہ تھا کہ جیمز کو محروم کرکے چارلس کے انتقال کے بعد ہی میری کو تخت نشین کردیا جائے اور پارلیمنٹ بھی بظاہر اس رائے پر مستحکم معلوم ہوتی تھی، اس وقت ولیم اس کشمکش سے علٰحدہ رہا کیونکہ اسے اس نتیجے میں شک تھا۔ لیکن اگر خوش قسمتی سے فیصلہ حسب منشا ہوجاتا تو اسے اس کے قبول کرنے میں بھی تامل نہیں تھا۔ شافٹسبری سے یہ سخت غلطی ہوئی کہ اس نے منمتھ کے حقوق پیش کردیئے، اس تجویز کے پیش ہوتے ہی ولیم کو بھی میدانِ عمل میں آنا پڑا۔ اپنی بیوی کے حق جانشینی کے قائم رہنے سے اسے بہت بڑے نتائج کی توقع تھی اور اب اس کی کوئی تدبیر سوائے اس کے باقی نہیں رہگئی تھی کہ ڈیوک یارک کی طرفداری اختیار کی جائے، پس اس کشمکش کے نازک ترین موقع پر ولیم نے اپنا سارا زور جیمز کی جانبداری میں صرف کردیا۔ ہلیفیکس کی فصیح البیانی نے قانون حجب کو نامنظور کرادیا مگر ہلیفیکس کی زبان سے درحقیقت ولیم بول رہا تھا۔

ولیم اور جیمز ثانی۔

ادھر انگلستان رومن کیتھولکوں کی سازش اور شاہ پسندوں کی بازگشت کے باعث لعل ورآتش ہورہا تھا اُدھر یورپ کی کشمکش عظیم قریب سے قریب تر ہوتی جاتی تھی۔لیوئس کی مسلسل زیادتیوں کے باعث جرمنی کا پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا تھا اور ۱۶۸۶ء میں جرمنی کے تمام حکمرانوں نے بمقام اوگسبرگ اس امر کا عہد کیا کہ فرانس کی مزید مداخلت کو روکنے میں سب کے سب سینہ سپر ہوجائیں۔اب جنگ کا ہونا ناگزیر ہوگیا تھا اور ولیم نہایت اضطراب قلب کے ساتھ اپنے خسر کی کارروائیوں کی طرف آنکھ لگائے ہوئے تھا۔انگلستان کی امداد حاصل کرنے کی کوششوں میں اسے بالکل ناکامی ہوچکی تھی۔ جیمز نے فرانس کے ساتھ اپنے متوفی بھائی کے خفیہ معاہدے کی تجدید کرلی تھی اور خود اپنی قوم سے ایسے جھگڑوں میں اُلجھ گیا تھا کہ اس بیرونِ ملک کی کشمکش میں اگر وہ مدد دینا بھی چاہتا تو بھی ناممکن تھا۔شہزادہ آرنج اس کے سوا کچھ نہیں کرسکتا تھا کہ ان کارروائیوں کو ضبط کے ساتھ دیکھتا رہے تاہم اس عالمِ مایوسی میں بھی اسے یہ امید تھی کہ شاید کسی طرح جیمز اس سے بہتر روش اختیار کرنے پر مائل کیا جاسکے۔جیمز کے خاص خاص بدخواہ شہزادۂ ولیم سے یہ کہہ رہے تھے کہ وہ معاملات انگلستان میں بزور مداخلت کرے مگر اس نے ان لوگوں کی ہمت ذرا بھی بڑھانے سے قطعاً انکار کردیا، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ بادشاہ کی اس تجویز میں مدد دینے سے بھی کنارہ کش رہا کہ قانون اختبار منسوخ کردیا جائے۔آخر وقت تک اسے یہ امید تھی کہ وہ بادشاہ و رعایا کے درمیان مصالحت کرادے گا اور

ظن غالب تھا کہ انگلستان بھی "مخالفہ اعظم" میں شریک ہوجائے گا مگر ۱۶۸۷ء کے "اعلان رعایت" نے اس امید کا خاتمہ کردیا۔ اس موقع پر جیمز نے شہزادے سے یہ خواہش کی کہ وہ تعزیری قوانین اور قانون اختیار کی منسوخی کی موافقت میں اپنی رائے کا اعلان کردے لیکن بادشاہ کی اس خواہش کے ساتھ ہی ساتھ انگلستان کے سربرآوردہ امرا کے خطوط بھی پہنچ گئے جن میں اسے اس کارروائی سے روکا تھا اور اس سے مدد دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ خاندان ہائیڈ کی طرح بعض امرا نے محض دوستی کا یقین دلایا تھا اور اسقف لندن نے مدد کا بھی وعدہ کیا تھا؛ لیکن ڈیونشائر، ناٹنگھیم اور شروسبری وغیرہم نے اشارۃً یا صریحۃً شہزادے کو یہ لکھدیا تھا کہ وہ بادشاہ کی تجویز سے اتفاق نہ کرے۔ لارڈ چرچل نے علی الاعلان یہ ظاہر کردیا کہ میری کی بہن این مذہب پروٹسٹنٹ کی جانبداری کا عزم مصمم کرچکی ہے۔ ذی اقتدار ٹوری فریق کے قائم مقام ڈینبی نے ولیم کو اچھی طرح متنبہ کردیا تھا۔ خطوں کے ذریعہ سے ولیم کا منشا معلوم ہوگیا۔ اس نے نہایت صاف طور پر یہ عذر کیا کہ کوئی شخص مذہبی تشدد کو اس سے زیادہ پسند نہ کرتا ہوگا مگر رواداری مذہبی کے ذریعہ سے سیاسی بندشوں کے ڈھیلا کردینے سے جیمز نے اسے مجبور کردیا ہے کہ وہ خود اپنے مذہب کو حملے سے بچانے کی فکر کرے۔ اس نے اپنے خط کو ان لفظوں پر ختم کیا تھا کہ "حضور والا جو کام مجھ سے لینا چاہتے ہیں میں اس کے لئے تیار نہیں ہوں" لیکن بزور مداخلت کرنے کی تجویز سے ولیم ابتک تذبذب میں پڑا ہوا تھا۔ بددلی کے عام

ہونے میں کوئی شک نہیں تھا مگر پھر بھی جیمز اپنی جگہ پر مطمئن معلوم ہوتا تھا۔ اسے فرانس کی مدد پر بھروسہ تھا۔ اس کے پاس بیس ہزار سپاہی موجود تھے۔ ارگائل کی بغاوت کی ناکامی سے اسکاٹلینڈ دل شکستہ ہوگیا تھا اور طویل العہد پارلیمنٹ کو اس نے جیسی مدد دی ویسی مدد اس وقت نہیں دے سکتا تھا۔ آئرلینڈ، مغربی ساحل پر ایک کیتھولک فوج کے اُتار دینے کے لئے تیار تھا۔ اس میں بھی شک تھا کہ آیا خود انگلستان کے اندر یہ بددلی واقعی بغاوت کی صورت اختیار کرلے گی یا نہیں۔ وہگوں پر ابتک "خونخوار عدالت" کا خوف طاری تھا۔ ٹوری اور اہل کلیسا غصے میں ضرور تھے مگر ان کے "عدم مقاومت" کے اصول نے انہیں پابزنجیر کررکھا تھا۔ اسلئے ولیم یہ چاہتا تھا کہ چیرہ دستی کے مشوروں کو روکے اور صرف یہ کوشش کرے کہ ایک عام مخالفت پیدا ہوجائے جس سے مجبور ہوکر جیمز کو قانونی وسائل سے ملک کے ساتھ اتفاق کرنا پڑے اور وہ اپنی اندرونی و بیرونی حکمت عملی کو ترک کرکے فرانس کے خلاف ولیم سے متحد ہوجائے۔

دعوتنامہ

لیکن ایک غیر متوقع امر کے باعث ولیم کو اپنی روش کلیتہً بدلنا پڑی۔ انگریزی قوم اور خود ولیم کے صبر وتحمل کی بنا میری کی جانشینی کے تیقن پر تھی لیکن جس زمانے میں کلیسا سے کشمکش جاری تھی اُسی زمانے میں یہ اعلان کیا گیا کہ ملکہ پھر حمل سے ہے۔ عام طور پر اس کا اعتماد نہیں کیا گیا کیونکہ ملکہ میری (موڈینہ) کے آخری بار حاملہ ہونے کے بعد سے پانچ برس کا زمانہ گزر چکا تھا تاہم اِس

۱۶۸۸ء

خبر سے فوراً ہی ایک نازک حالت پیدا ہوگئی۔کیتھولک خوش تھے وہ پیشینگوئیاں کر رہے تھے کہ ضرور لڑکا ہوگا، یہ بھی یقین تھا کہ اس کی تعلیم کیتھولک اصول پر ہوگی۔اس صورت میں بڑے سے بڑے ٹوری کو اپنے دل میں یہ فیصلہ کرنا تھا کہ اس وقت انگلستان جس مصیبت میں مبتلا ہے، آیا یہی مصیبت ہمیشہ قائم رہے گی اور وہ اس کی تائید کرتا رہے گا یا وہ کوئی اور تدبیر اختیار کرے گا۔آخر قوم کے تذبذب کا خاتمہ ہوگیا۔ڈینبی کلیسا کے ساتھ وفاداری میں اور فرانس کی غلامی سے متنفر ہونے میں سب سے بڑھا ہوا تھا۔اس نے ٹوریوں کی ذمہ داری اپنے سر لی، کامپٹن ہائی چرچ کا پیرو تھا مگر اعلانِ رعایت نے بالآخر اسے بھی بغاوت پر مجبور کردیا تھا۔ارل ڈیونشائر (جو قانون حجب کی جدوجہد کے موقع پر لارڈ کیونڈش کے لقب سے ملقب تھا) "عبادت عام سے اتفاق نکرنے والوں" اور وھگوں کی عام جماعت کا ذمہ دار بنا۔"عام عبادت سے اتفاق نکرنے والے" ولیم کے اس وعدے سے مطمئن ہوگئے تھے کہ وہ ان کے ساتھ رواداری کا برتاؤ
۲۰ جون کرے گا۔پس شہزادہ ویلز کے پیدا ہونے کے اعلان کے دس ہی دن بعد ایک باضابطہ دعوتنامہ ولیم کے پاس بھیجا گیا کہ وہ انگلستان کی آزادی کے بحال کرنے اور پروٹسٹنٹ مذہب کی حفاظت کے لئے بزور اسلحہ مداخلت کرے۔عام خطرے کی مخالفت میں تمام ذی اثر فریق متحد ہوگئے تھے اور اس دعوتنامے پر ان سب فریقوں کے قائم مقاموں اور بعض اور لوگوں نے بھی دستخط کئے اور ہربرٹ اس درخواست
۳۰ جون کو لیکر ہیگ روانہ ہوا۔یہ شخص جہازرانوں میں بہت ہی ہردلعزیز تھا

اور قانونِ اختیار کے خلاف رائے دینے سے انکار کرنے کے باعث اپنے عہدے سے معزول کر دیا گیا تھا۔ اس دعوتنامے میں ولیم سے یہ درخواست کی گئی تھی کہ وہ اتنی کافی فوج لیکر انگلستان میں وارد ہو کہ سب دستخط کرنے والے اس کے بھروسے پر بغاوت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوں۔ اساقفہ کی رہائی کے دوسرے روز یہ دعوتنامہ لندن سے روانہ کیا گیا تھا۔ اس رہائی کے وقت لوگوں میں سخت ہیجان پھیل گیا تھا، تمام دریا کشتیوں سے بھرا ہوا تھا۔ ہر طرف شور مچا ہوا تھا اور ہر ایک سڑک پر آگ روشن کی گئی تھی۔ قومی بددلی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ تمام ملک بغاوت پر تلا ہوا ہے۔ جیمز کو فوج پر بڑا اعتماد تھا مگر فوج نے بھی دفعۃً عوام کے ساتھ اپنی ہمدردی کا اظہار کر دیا۔ جیمز ہاؤنسلو میں تھا اور وہیں اسے اس فیصلے کی خبر پہنچی۔ اور جب وہ لشکرگاہ سے سوار ہو کر چلا تو اس نے اپنے پیچھے بڑے شور کی آواز سنی۔ دریافت کرنے پر جواب ملا کہ "کچھ نہیں، سپاہی خوش ہیں کہ اساقفہ چھوٹ گئے"۔ بادشاہ نے دانت پیس کر کہا کہ "تمھارے نزدیک کچھ نہیں ہے"۔ اسے اب یہ معلوم ہو گیا کہ وہ اپنے ملک میں بالکل اکیلا ہے۔ امرا و شرفا، اساقفہ دعمّال مذہبی، دارالعوام، ہر ایک قانون پیشہ، ہر ایک تاجر، ہر ایک کاشتکار پہلے ہی سے اس سے کنارہ کش تھا، اب اس کے خاص سپاہیوں نے بھی ساتھ چھوڑ دیا۔ اس کے نہایت بہی خواہ کیتھولکوں نے اس پر زور دیا کہ اسے اس موقع پر دب جانا چاہئے مگر دب جانے کے معنی یہ تھے کہ وہ اپنا تمام اصول حکمرانی بدل دے۔ قانون کے موافق حکمرانی کا شائبہ تک

باقی نہیں رہا تھا۔ شیرف (ناظم امن)، میر (صدر بلدہ) مجسٹریٹ (عمال) سب پارلیمنٹ کے قوانین کے علی الرغم بادشاہ کی طرف سے مقرر ہوتے تھے، لہذا قانون کی نظر میں وہ دراصل حاکم نہیں تھے۔ پارلیمنٹ بھی اگر طلب کی جاتی تو اس کے اراکین کے انتخاب کی کارروائی بھی انہیں حکام کے توسط سے عمل میں آتی اس لئے وہ بھی حسبِ قانونِ پارلیمنٹ نہیں سمجھی جاسکتی تھی۔ بادشاہ کے وزرا اور اُس کے مشیرانِ خاص میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو جسے حسبِ قانون اختیارات حاصل ہوے ہوں جیمز نے معاملات کو اس حد تک پہنچا دیا تھا کہ اب قانونی حکومت کے ازسرِنو قائم کرنے کے معنی یہ تھے کہ جیمز کے ہر ایک کام کو پلٹ دیا جائے مگر وہ اپنے کاموں کو پلٹنا نہیں چاہتا تھا۔ اس خطرے اور تعرض کا اثر اس پر یہ ہوا کہ اسے اور سخت ضد ہوگئی۔ اس نے ہانسلو کی لشکرگاہ کو توڑ دیا اور سپاہیوں کو دور و دراز فوجی قیام گاہوں میں بھیجدیا؛ اُن دونوں ججوں کو موقوف کردیا، جو اساقفہ کی رہائی کی تائید میں تھے؛ ہر ایک حلقۂ اسقفی کے چانسلر کو حکم دیا کہ جن پادریوں نے اعلان رعایت پڑھکر نہیں سُنایا ہے ان کے ناموں سے اسے مطلع کریں لیکن جب ہر طرف سے خاموشی کے ساتھ مقابلہ کیا گیا تو جیمز کا عزم متزلزل ہوگیا۔ ایک چانسلر نے بھی کمشنروں کے پاس اطلاع نہیں بھیجی اور خود کمشنروں نے قوم کے انداز طبیعت سے ڈرکر سکوت اختیار کرلیا۔ جن ججوں نے غلامانہ طور پر بادشاہ کی اطاعت کی تھی جب وہ دورے پر گئے تو امراء و شرفا نے ان کے پاس تک جانے سے

انکار کردیا۔ انگریزی فوج کو اپنے کام کا نہ پاکر بادشاہ نے جب اکے بجائے ٹرکونل کی تیار کردہ کیتھولک فوج کو آئرلینڈ سے بلانا چاہا تو اور بھی زیادہ اشتعال پیدا ہوگیا۔ مجلس شاہی کے رومن کیتھولک امرا نے بھی اس کارروائی کے خلاف اعتراض کیا اور ایک ہی دستے کے چھ افسروں نے اپنی فوج میں آئرلینڈی سپاہیوں کے داخل کرنے کے بجائے اپنے عہدوں سے استعفا دیدیا۔ آئرلینڈ کے سپاہیوں کی مذمت میں ایک نظم تیار کی گئی اور وہ نظم انگلستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہر شخص کی زبان پر تھی۔

ولیم کا ورود ۱۶۸۸

صورت معاملات اس حد کو پہنچ گئی تھی کہ اب بغاوت کا ہو جانا ناگزیر ہوگیا تھا۔ ولیم اپنی پوری قوت اس امر میں صرف کر رہا تھا کہ ایک بیڑہ اور کافی فوج جمع کرلے۔ اس کے ساتھ ہی انگلستان کے امرا یکے بعد دیگرے ہیگ میں پہنچ رہے تھے۔ ارل شروسبری اس مہم کے اخراجات کے لئے دو ہزار پونڈ ساتھ لایا تھا۔ وھگوں کی جانب سے اول بڈفرڈ نے اڈورڈ رسل کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجا تھا اس کے بعد اور بڑے بڑے ٹوری خاندانوں کے قائم مقام بھی ہیگ میں پہنچ گئے۔ مارکوئس ونچسٹر، لارڈ ڈینبی، لارڈ پیٹربرا کے لڑکے اپنے خاندانوں کے قائم مقام بنکر وہاں گئے۔ ہائی چرچ کی نیابت لارڈ میکلسفیلڈ نے کی۔ خود انگلستان کے اندر ارل ڈینبی اور ارل ڈیونشائر، لارڈ لملی کے ساتھ شریک ہوکر خاموشی کے ساتھ شمال میں بغاوت کی تیاری کرنے لگے۔ سنڈرلینڈ نے خفیہ طور پر مذہب کیتھولک قبول کرلیا تھا اور اسی کا صلہ اسے یہ ملا تھا کہ وہ بدستور اپنے عہدے پر قائم

رہا تھا۔ ولیم نے اگرچہ نہایت رازداری سے کام لیا مگر سنڈرلینڈ کی دوربیں نظر نے اس کی تیاریوں کو بھانپ لیا اور چونکہ اسے اپنے آقا کی تباہی کا یقین ہوچکا تھا۔ اس لئے اس نے اس شرط سے جیمز کے ہرایک راز کے بتادینے کا وعدہ کیا کہ جیمز کے شریک کار ہونے کے جرم سے اسے معاف کردیا جائے۔ ایک جیمز رہگیا تھا جو بدستور اپنے خیال پر مصر تھا، اور جسے ان خطروں کا مطلق حس نہیں تھا۔ شہزادہ آرنج کی مدد کے بغیر اسے کسی بغاوت کا خوف نہیں تھا اور ولیم کی نسبت اسے یہ یقین تھا کہ ہالینڈ پر فرانس کے حملے کے ڈر سے اس کی روانگی ممکن نہیں ہے۔ جس جنگ کا مدتوں سے اندیشہ تھا وہ بالآخر ستمبر میں شروع ہوگئی اور لیوئس نے اپنی تمام عمر میں سخت ترین سیاسی غلطی یہ کی کہ اپنی فوجوں کو ہالینڈ کے بجائے جرمنی کی طرف بڑھا دیا۔ اہل ہالینڈ نے فوراً ہی یہ سمجھ لیا کہ اب وہ محفوظ ہیں۔ اور ہالینڈ کی پارلیمنٹ نے ولیم کی تجویز کو منظور کرلیا۔ جس قدر سامانِ جنگ تیار کیا گیا تھا وہ عجلت کے ساتھ شیلٹ میں جمع ہونے لگا۔ انگلستان میں اس خبر کے پہنچتے ہی بادشاہ گھبراہٹ میں پڑگیا اور اس کی تمام خودرائی و خودکامی جاتی رہی۔ اسکاٹلینڈ اور آئرلینڈ میں اس نے چالیس ہزار آدمی بھرتی کرلئے تھے مگر اس فوج کے انداز کو دیکھکر اسے اعتماد باقی نہیں رہا تھا۔ فرانس سے کسی قسم کی مدد کا ملنا خارج از بحث تھا۔ پس اب اسکے لئے صرف یہی ایک چارۂ کار باقی رہگیا کہ وہ مثل سابق اہلِ کلیسا اور ٹوریوں سے اتحاد پیدا

کرے۔ اس نے اساقفہ سے بذات خاص تائید کی درخواست کی۔ مذہبی کمیشن کو موقوف کردیا۔ شہروں کو ان کے حقوق انتخاب از سرِ نو عطا کردیئے۔ لندن کے منشور کو چانسلر اعزازِ شاہی کے ساتھ شہر میں واپس لیگیا۔ میگڈیلین کالج کے خارج شدہ رفقا کو دوبارہ ان کی جگہوں پر متمکن کرنے کے لئے اسقف ونچیسٹر، آکسفورڈ روانہ کیا گیا۔ کیتھولکوں کے معابد اور جیزوئٹ کے مدرسوں کے بند کردیئے جانے کا حکم دیا گیا۔ سنڈرلینڈ نے اِس امر پہ زور دیا کہ فوراً پارلیمنٹ طلب کرنا چاہیے مگر جیمز نے اس مشورے کو اس کی غدّاری پر محمول کرکے اسے عہدے سے برطرف کردیا۔ شہزادہ آرنج نے ایک اعلان کے ذریعے سے شہزادۂ ویلز کی ولادت کے جواز کو پارلیمنٹ کی رائے پر منحصر کیا تھا۔ جیمز نے اس کے جواب میں لندن کے موجودالوقت امرا کے روبرو اپنے لڑکے کی پیدائش کے ثبوت پیش کئے لیکن مراعات وثبوت دونوں کا وقت گزر چکا تھا۔ ولیم کچھ دنوں ہوا کی ناموافقت کے باعث رکا رہا، اور جب اس نے پہلی بار روانگی کی کوشش کی تو طوفان کی وجہ سے اسے پلٹ جانا پڑا لیکن بالآخر اس کے چھ سو باربرداری کے جہاز پچاس جنگی جہازوں کی حفاظت میں ۵ر نومبر کو بندرگاہ ٹاربے میں آکر لنگر انداز ہوگئے۔ اس کی فوج میں تیرہ ہزار آدمی تھے، جب یہ فوج شہر اکسٹر میں داخل ہوئی تو شہریوں نے شور مرحبا بلند کیا۔ اس کے مغرب میں آکر اُترنے کی توقع نہیں تھی اور اُترنے کے بعد ایک ہفتے تک تو کوئی بڑا رئیس اس کا شریک نہیں ہوا مگر بہت جلد امرا اور متوسط الحال اشخاص

قومی بغاوت

اس کی لشکرگاہ میں جمع ہونے لگے اور شہرہل متھ کی شرکت سے اس کا لشکر جانب عقب محفوظ ہوگیا۔ اسکاٹلینڈ میں شورش برپا ہوگئی۔ ڈینبی سو سواروں کو ہمراہ لیکر یارک میں گھس آیا اور اس کا آنا عام بغاوت کا اشارہ ہوگیا اس کی درخواست پر مقامی فوج "آزاد پارلیمنٹ اور پروٹسٹنٹ مذہب" کا نعرہ مارتی ہوئی اس کے ساتھ شریک ہوگئی امرا و شرفا اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگئے۔ یہاں سے اس نے ناٹنگھم کی طرف کوچ کیا، ڈیونشائر مشرقی اور وسطی صوبوں کے بڑے بڑے امرا کو ساتھ لئے ہوئے پہلے سے ڈربی میں موجود تھا، وہ بھی ناٹنگھم میں آکر ڈینبی سے مل گیا۔ ہر جگہ اس بغاوت کو کامیابی حاصل ہورہی تھی۔ ہل کی قلعہ نشین فوج نے بھی آزاد پارلیمنٹ کی جانبداری کا اعلان کردیا۔ ڈیوک نارفک تین سو معززین کو لئے ہوئے ناروچ کے بازار میں نکل کھڑا ہوا۔ آکسفورڈ میں اہل شہر اور اہل علم سب نے نہایت زور کے ساتھ لارڈ لوسیس کو لبیک کہی۔ جیمز نے اپنی فوجیں مقام سالسبری میں جمع کی تھیں؛ شہزادہ آرنج برابر اسی طرف کو بڑھتا جارہا تھا۔ اثنائے راہ میں برسٹل نے بھی اس کے لئے اپنے دروازے کھول دئے۔ بادشاہ کی فوج کی حالت آپس کے اختلافات اور افسروں کے ایک دوسرے کو مشتبہ سمجھنے کے باعث خراب ہوگئی تھی۔ ولیم کے نمودار ہوتے ہی اس فوج میں ہل چل پڑگئی۔ لارڈ چرچل فوج سے الگ ہوگیا اور اس کے بعد اس کثرت سے افسروں نے فوج سے علحدگی اختیار کی کہ جیمز کو مایوس ہوکر میدان چھوڑنا پڑا وہ بھاگ کر

لندن پہنچا۔ یہاں اس نے سُنا کہ اس کی لڑکی این محل سنٹ جیمز سے نکل کر ناٹنگھیم میں ڈینبی سے جا ملی ہے۔ اس پریشان حالی میں بادشاہ کی زبان سے یہ نکلا کہ "میرے بچوں تک نے میرا ساتھ چھوڑ دیا، خدا ہی میری مدد کرے" اس کی ہمت ٹوٹ گئی اور اگرچہ اس نے پارلیمنٹ کے جمع کرنے کا وعدہ کیا اور آزاد پارلیمنٹ کے شرائط پر کاربند ہونے کے لئے اپنے ماموریں کو ولیم سے گفتگو کرنے کے لئے ہنگر فرڈ کو روانہ کیا مگر وہ بھاگ جانے کا ارادہ پختہ کرچکا تھا۔ جو چند اشخاص اس کے ساتھ تھے ان سے اس نے کہا کہ "پارلیمنٹ ایسے مراعات کی خواہاں ہوگی جن کا قبول کرنا میرے لئے ناممکن ہے"۔ وہ صرف اپنی بیوی اور بچے کے نکل جانے کی خبر کے انتظار میں تھا تاکہ اس کے بعد وہ خود جزیرہ شیپی میں پہنچ جائے، جہاں ایک بجرا اسے فرانس لیجانے کے لئے تیار تھا۔ چند اکھڑ ماہی گیروں نے اسے جزوئٹ سمجھ کر روک لیا اور شاہی محافظین کا ایک دستہ اسے حفاظت کے ساتھ لندن واپس لے آیا، مگر ولیم اور اسکے مشیروں کی مصلحت خود اسی میں تھی کہ وہ ملک سے نکل جائے تاکہ یہ خاص وقت ان کے راستے سے ٹل جائے۔ جیمز اگر ملک کے اندر رہتا تو اسے معزول کرنا بہت مشکل اور اس کا قید رکھنا نہایت خطرناک تھا۔ ڈچ فوج کے لندن میں داخل ہوجانے، شہزادے کے خاموش رہنے، اور محل سنٹ جیمز کے خالی کردینے کے حکم سے بادشاہ پر پھر خوف طاری ہوگیا۔ مگر فرار کے راستے اسکے لئے بالکل کھولدئے گئے تھے، اس موقع کو اپنے مفید مطلب دیکھکر وہ دوبارہ لندن سے

نکلا اور ۲۳۔ ڈسمبر کو بے روک ٹوک فرانس کے ارادے سے کشتی پر سوار ہو گیا۔

انقلاب

روانگی کے قبل جیمز نے نئی پارلیمنٹ کی طلبی کے بہت سے فرمان جلادئے تھے، اپنی فوج کو منتشر کر دیا تھا، اور جہاں تک اسکے امکان میں تھا حکمرانی کے تمام وسائل کو تباہ کر دیا تھا، چند روز تک لندن میں سخت لوٹ مار اور ہل چل مچی رہی لیکن لوگ پھر بہت جلد انتظام کی طرف مائل ہو گئے۔ لندن میں جو امرا اس وقت موجود تھے انہوں نے بہ حیثیت مشیر شاہی ہونے کے اپنے اختیار سے زیادہ انتظامات سر انجام دیئے اور ولیم کے داخلے کے بعد اپنے اختیارات اسے تفویض کر دیئے۔ ایک مشکل یہ پیش آئی کہ کوئی شخص ایسا نہیں رہا تھا جسے از روے قانون پارلیمنٹ کے طلب کرنے کا اختیار ہو۔ اس مشکل کو اس طرح حل کیا گیا کہ دارالامرا جمع کیا گیا اور دارالعوام کی صورت یہ قرار دیگئی کہ چارلس دوم کے عہد میں جو لوگ دارالعوام کے رکن تھے وہی اس کے رکن قرار پائے اور ان کے ساتھ شہر لندن کے آلڈرمین اور مجلس بلدی کے ارکان شامل کر دیئے گئے۔ ان دونوں جماعتوں نے ولیم سے یہ درخواست کی کہ وہ ہنگامی طور پر حکومت کا کام اپنے ذمے لے اور ایک گشتی خط کے ذریعے سے ہر ایک شہر و قصبے کے قائم مقاموں کو طلب کر کے فروری ۱۶۸۹ء میں ایک کانونشن (عارضی مجلس ملکی) قائم کرے۔ اس نئی مجلس میں دونوں ایوان اس رائے پر متفق تھے کہ جیمز کے واپس بلانے یا اس سے مراسلت کرنے کی کوئی کارروائی مطلق نہ کیجائے اور اختیارات شاہی عارضی طور پر شہزادہ آرنج کو تفویض کر دیئے جائیں

کانونشن (عارضی مجلس ملکی) ۱۶۸۹

لیکن اس حد پر آکر ان کا اتفاق ختم ہوجاتا تھا۔ دارالعوام میں وھگوں کی کثرت تھی، انہوں نے ایک خلاف قیاس اور جامع ضدّین تحریک کو اس وجہ سے منظور کرلیا کہ اس سے جیمز کے تمام مخالفین ان کے ساتھ متحد ہوجائیں گے۔ ان مخالفین میں اہل کلیسا کی شکایت صرف اس کے تعصب کی وجہ سے تھی، ٹوریوں کو اس امر میں شک تھا کہ کوئی قوم اپنے بادشاہ کو معزول بھی کرسکتی ہے یا نہیں۔ وھگوں کا اعتقاد یہ تھا کہ بادشاہ و رعایا باہم معاہد ہیں، پس ان لوگوں نے یہ رائے قرار دی کہ "چونکہ شاہ جیمز نے رعایا اور بادشاہ کے قدیم عہد وپیمان کو توڑکر اس سلطنت کے نظام کو بدل دینا چاہا اور جزوئٹ اور دوسرے بدکردار آدمیوں کے مشورے سے قوانین اساسی کی خلاف ورزی کی، اور خود ملک سے نکل گیا، اس لئے اس نے خود حکومت سے دستکشی کرلی ہے، اور اس وجہ سے تخت خالی ہے۔" لیکن دارالامرا میں ابھی تک ٹوریوں کا غلبہ تھا، وہاں اس تحریک پر بہت سخت مباحثہ ہوا۔ اسقف اعظم سینکرافٹ اور اسکے ساتھ دوسرے متعصب ٹوریوں نے یہ کہا کہ کسی جرم کی وجہ سے بادشاہ تاج و تخت سے محروم نہیں ہوسکتا، جیمز اب بھی بادشاہ ہے مگر اس کے مظالم کے باعث قوم کو یہ حق حاصل ہوگیا ہے کہ وہ حکومت کے عملی اختیارات اس سے نکال لے اور کسی متولی کو یہ اختیار سپرد کردے۔ معتدل ٹوریوں نے لارڈ ڈینبی کے زیر اثر یہ تسلیم کیا کہ جیمز اب بادشاہ

نہیں رہا ہے لیکن تخت خالی نہیں رہ سکتا اور جس وقت سے اس نے خلع کیا ہے اسی وقت سے اس کی بیٹی میری کو شاہی کا حق حاصل ہوگیا ہے۔ ہیلیفیکس نے اپنی فصیح البیانی سے دھگ امرا کی تائید کی کہ کسی طرح دارالعوام کی تحریک بجنسہ منظور ہوجائے مگر اس سے کام نہ چلا۔ تولیت کی تجویز ایک رائے کی زیادتی سے نامنظور ہوگئی اور ڈینبی کی تجویز بہت بڑی کثرت کے ساتھ قبول کرلی گئی۔ مگر ٹوریوں کی ان دونوں تجویزوں میں یکایک ولیم کی طرف سے دقت پیدا ہوگئی۔ اس نے متولی ہونے سے انکار کردیا، اور ڈینبی سے یہ کہدیا کہ اسے اپنی بیوی کے پیش خدمت بننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ولیم کے ان خیالات کے ظاہر ہوجانے سے اس بحث کا خاتمہ ہوگیا اور اس امر پر اتفاق ہوگیا کہ ولیم اور میری متفقاً صاحب تاج و تخت تسلیم کئے جائیں، مگر عملی انتظامات کلیتہً ولیم کے ہاتھ میں رہیں۔ پارلیمنٹ کی ایک مجلس نے ایک درخواست "اعلانِ حقوق" کے نام سے تیار کی اور وہائٹ ہال کے دعوت کے کمرے میں یہ اعلان ہردو ایوانہائے پارلیمنٹ کی جانب سے ۱۳ فروری کو ولیم اور میری کے روبرو پیش کیا گیا۔ اس اعلان کی تیاری میں ایک نوجوان قانوندان جان سمرس نے بہت کوشش کی تھی جسے اساقفہ کے مقدمے میں خاص شہرت حاصل ہوچکی تھی اور آئندہ اسکے ہاتھوں سے بہت بڑے بڑے کام انجام پانے والے تھے۔ اس اعلان میں جیمز کی بدنظمیوں، اسکے مخلوع ہونے اور انگریزی رعایا کے قدیم حقوق

اعلانِ حقوق

اور آزادی کے قائم رکھنے کے متعلق دارالامرا اور دارالعوام کے عزم کا ذکر کیا گیا تھا۔ جیمز کے مذہبی کمیشن کے قائم کرنے اور بغیر منظوری پارلیمنٹ کے فوج بھرتی کرنے کو خلاف قانون قرار دیا گیا۔ اس امر پر بھی زور دیا گیا تھا کہ کسی بادشاہ کو بغیر منظوری پارلیمنٹ کے کسی قانون کو معطل یا منسوخ کرنے اور بطور خود روپیہ وصول کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ یہ بھی دعویٰ کیا گیا ہے کہ رعایا کو یہ حق ہونا چاہئے کہ بادشاہ کے حضور میں ہر قسم کی درخواست دیسکے، پارلیمنٹ کے لئے اپنے قائم مقاموں کو آزادی کے ساتھ منتخب کرسکے اور عدالتی کارروائیاں بے لوثی اور رحمدلی کے ساتھ عمل میں آئیں۔ ایوانہائے پارلیمنٹ کے لئے آزادی کے ساتھ ہر معاملے میں بحث کرنے کا حق ثابت کیا گیا تھا۔ یہ بھی مطالبہ کیا گیا تھا کہ پروٹسٹنٹوں کو ان کے مذہبی اعمال کے آزادانہ بجالانے کا اطمینان ہونا چاہیئے اور جدید بادشاہ اس کا پابند ہو کہ وہ پروٹسٹنٹ مذہب اور ملک کے قانون اور آزادی کو قائم رکھے۔ اس امر کے کامل اعتماد کے ساتھ کہ ولیم اور میری ان اصول کو تسلیم کرتے ہیں اور ان پر کارفرما ہونگے، شہزادۂ آرنج کو انگلستان کا بادشاہ اور شہزادی آرنج کو ملکہ تسلیم کیا گیا تھا۔ اس اعلان کے پڑھے جانے کے بعد ہیلیفیکس نے تمام طبقات ملک کی طرف سے ولیم اور میری سے تاج کے قبول کرنے کی التجا کی۔ ولیم نے اپنے اور اپنی بیوی کی طرف سے اس درخواست کو قبول کیا اور چند الفاظ میں دونوں کی طرف سے یہ اعلان کیا کہ وہ قوانین کو قائم رکھیں گے اور پارلیمنٹ کے مشورے سے حکومت کریں گے۔

جزو ہشتم

محالفۂ اعظم

۱۶۸۹ـ۱۶۹۷

{اسناد۔ مثل سابق}

محالفۂ اعظم

ہالینڈ کے بجائے جرمنی پر حملہ آور ہونے میں لیوئس سے غلطی ضرور سرزد ہوی مگر ابتدائے جنگ کی شاندار کامیابیوں نے اس غلطی کی بہت کچھ تلافی کردی۔ دریائے رائین کے مغرب کا تمام علاقہ بہت جلد لیوئس کے قبضے میں آگیا۔ اس کی فوجیں پیلٹینیٹ پر قابض ہوگئیں بلکہ ورٹمبرگ کے اندر تک پہنچ گئیں۔ اس کی توقعات انتہا کو پہنچی ہوی تھیں کہ یکایک جیمز کے سنٹ جرمین میں وارد ہونے سے تمام امیدوں پر پانی پھر گیا۔ لیوئس کو فوراً جنگ مدافعانہ پر مجبور ہونا پڑا اور اس رجعت قہقری میں اُس کی فوجوں نے جیسی وحشیانہ زیادتیاں کیں، ان سے صاف ظاہر ہوگیا کہ اس مجبوری نے اُس کے غرور کو کیسا توڑا۔ پیلٹینیٹ بالکل ویران کردیا گیا۔ ہیڈلبرگ میں الکٹر (والی) کے شاہانہ محل، اسپیر میں شہنشاہوں کے عالی شان مقبرے، تاجروں کے شہر، کاشتکاران انگور کے جھونپڑے سب کے سب تباہ و برباد کردئے گئے۔

تخت انگلستان کے قبول کرنے میں ولیم کی ذاتی طمع کو اسقدر دخل نہیں تھا جسقدر کہ انگلستان اور ہالینڈ کو مضبوطی کے ساتھ باہم متحد کردینے کی توقع کو دخل تھا۔ یہی دو بہت بڑی پروٹسٹنٹ سلطنتیں تھیں اور انہیں کے جہازات سمندر پر اپنا ڈنکا بجا رہے تھے۔ پس تاجِ انگلستان کو قبول کرکے ولیم ان دونوں سلطنتوں کو اسیطرح متفق کردینا چاہتا تھا جسطرح ایک سال قبل اس نے اپنے تدابیر سے بذریعۂ معاہدہ آؤگسبرگ تمام جرمنی کو ایک کردیا تھا۔ لیکن اس اتفاق سے گزر کر فرانس کے خلاف تمام یورپ کا ایک مخالفہ قائم کردینے میں ابھی اسوجہ سے تاخیر ہورہی تھی کہ خاندانِ آسٹریا کی جو شاخیں جرمنی و اسپین میں برسرحکومت تھیں وہ ایک کیتھولک بادشاہ کے خلاف، پروٹسٹنٹ سلطنتوں کے ساتھ شریک نہیں ہونا چاہتی تھیں۔ انگلستان کو بھی اس کی کچھ زیادہ پروا نہیں تھی کہ وہ یورپ کی آزادی کے واسطے فرانس پر حملہ آور ہو، لیکن جب سنٹ جرمین میں جیمز کا استقبال بہ حیثیت شاہ انگلستان کے کیا گیا تو تمام تذبذب رفع ہوگیا اور اعلان جنگ کے لئے انگلستان کو معقول وجہ ہاتھ آگئی۔ ہالینڈ نے اس کارروائی میں اس کا ساتھ دیا اور فرانس کے خلاف کوشش کرنے میں دونوں ملک باہم متفق ہوگئے۔ ۱۶۸۹ء میں، اسپین اور دربار وائنا کی موافقت کرلینے سے ولیم کے حسب دلخواہ "مخالفہ اعظم" کی تکمیل ہوگئی اور جب سیوائے بھی ان حلیفوں کا شریک ہوگیا تو سوئٹزرلینڈ کے

سوا ، اور ہر طرف سے فرانس ایک آہنی حلقے میں گھر گیا۔ اسکینڈنیویا کی سلطنتیں اس اتحاد سے علیحدہ رہیں مگر باوجود علیحدگی کے فرانس سے ان کا برتاؤ غیر دوستانہ رہا۔ ترکون کے سوا اور کوئی لیوئس کا شریک نہیں رہا تھا مگر فرانس کی تمام قوت ایک شخص واحد کے ہاتھ میں مجتمع ہو جانے سے اسے جو طاقت و سہولت حاصل ہوگئی تھی اس کی وجہ سے مقابلہ پھر بھی برابر ہی کا رہا۔ شہنشاہ کی کارروائی نہایت سست رہی۔ دربار وائنا ترکوں کی جنگ کے باعث پریشان تھا۔ اسپین میں کچھ قوت نہیں رہی تھی۔ صرف ہالینڈ و انگلستان آمادہ و مستعد تھے ، مگر ان میں بھی انگلستان ابھی جنگ میں زیادہ مدد دینے کے قابل نہیں ہوا تھا۔ جیمز نے جو فوجی دستے قائم کئے تھے انہیں سے ایک رسالہ تیار کیا گیا اور اس رسالے نے بہ سرکردگی چرچل (جو اپنی غدّاری کے صلے میں ارل مارلبرا ہو گیا تھا) دریائے سامبر کے قریب ہالینڈ کی فوج کے ساتھ شریک ہوکر والکورٹ کی مختصر جنگ میں بہت نمود حاصل کی لیکن ابھی ولیم کو ملک کے اندر بہت اہم کام انجام دینا تھے۔

ولیم و اسکاٹلینڈ

انگلستان میں ایک شخص نے بھی جیمز کے لئے تلوار نہ اٹھائی۔ اسکاٹلینڈ میں اس نے انگلستان سے بھی زیادہ ظلم کئے تھے اور جہانتک لولینڈز کا تعلق تھا اس کے مظالم کا نہایت سرعت کے ساتھ بالکل خاتمہ ہوگیا۔ ولیم کے حملوں کو روکنے کے لئے جیمز کی فوجوں کا جنوب کیطرف جانا تھا کہ

اڈنبرا نے علم بغاوت بلند کردیا اور مغرب کے کسانوں نے بھی فوراً ہتیار سنبھالے۔ رجعتِ شاہی کے بعد سے حکومت اساقفہ کے ماننے والے پادری شاہان اسٹوارٹ کی بد نظمی کا خاص آلہ بنے ہوئے تھے۔ اب عوام الناس نے انہیں لوٹ کر ہر ایک حلقے سے نکالدیا۔ ولیم کو اگرچہ اسکاٹلینڈ پر قانونی اختیار نہیں حاصل ہوا تھا مگر ان بدنظمیوں کی اطلاع پاکر وہ عملی کارروائی پر مجبور ہوا۔ اسکاٹلینڈ کے جو امرا لندن میں موجود تھے ان کے مشورے سے اس نے وہاں بھی ایک ایسی قسم کی عارضی مجلس طلب کی جیسی انگلستان میں جمع ہوی تھی اور اپنی ذمہ داری پر اس قانون کو معطل کردیا جس کے بموجب فرقۂ پرسبٹیرین کے لوگ اسکاٹلینڈ کی پارلیمنٹ سے خارج کردئے گئے تھے۔ اس عارضی مجلس نے یہ قرار دیا کہ جیمز اپنی بدنظمیوں کے باعث تخت سے اتار دیا گیا ہے اور ولیم و میری سے تاج و تخت قبول کرنے کی درخواست کی۔ اس درخواست کے ساتھ "دعوے حقوق" بھی شامل تھا، یہ دعوی حقوق، انگلستان کے "اعلانِ حقوق" کے طریقے پر مرتب کیا گیا تھا مگر آخر میں یہ مطالبہ بڑہا دیا گیا تھا کہ اساقفہ کی حکومت مذہبی منسوخ کردیجائے۔ تاج کے ساتھ یہ مطالبہ بھی قبول کرلیا گیا اور ولیم، ہالینڈ سے اہل اسکاٹلینڈ کے جو دستے لایا تھا اس سے نئی حکومت کو تقویت حاصل ہوگئی۔ اس حکومت کی طاقت کو جانچنے کے لئے ایک سخت امتحان پیش آگیا۔ کلیورہاؤس کے جان گریہم نے مغربی کونٹرون (متعصدوں) پر نہایت تشدد

کیا تھا اور اس ظلم و ستم کے صلے میں اسے اسکاٹلینڈ کی فوج میں ایک اعلی عہدہ اور وائکاؤنٹ ڈنڈی کا خطاب ملگیا تھا۔ یہ شخص کچھ سواروں کو لیکر اڈنبرا سے نکل گیا اور ہالینڈ پہنچکر وہاں کے قبائل کو ابھارا۔ ہالینڈ کے لوگوں کو انگلستان کی حکومت کے نیک و بد کا کچھ علم نہیں تھا۔ وہ انقلاب کے معنی یہ سمجھتے تھے کہ خاندانِ آرگائل دوبارہ تخت نشین ہو جائے (بہت سے قبایل کے نزدیک انقلاب کا منشا یہ تھا کہ مخصوص قانون تعزیری کے وقت ارل کی جو زمینیں انہیں ملی تھیں وہ واپس دینا ہونگی) پس میکڈانلڈ، میکلین اور کیمرون کے قبائل، خاندانِ کیمبل اور انکی حامی حکومت سے لڑنے کے لئے ویسی ہی مستعدی کے ساتھ ڈنڈی کی شرکت پر آمادہ ہو گئے جسطرح چالیس برس قبل اسی معاملے میں مانٹروز کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوئے تھے۔ وہ بہت جلد مسلح ہو گئے اور جس وقت ولیم کے اسکاٹلینڈی دستے جنرل میکے کے تحت میں کلکرینکی کی چڑھائی پر چڑھ رہے تھے، ڈنڈی تین ہزار اہل قبائل کو لیکر ان پر ٹوٹ پڑا اور اسی وادی میں انکا بالکل خاتمہ کردیا لیکن عین فتح کے وقت اسکی موت سے وہ رشتۂ اتحاد شکست ہو گیا کلکرینکی جس نے قبائل کو باہم متحد کررکھا تھا اور جس فوج نے تمام لولینڈز میں جولائی ۱۶۸۹ء ہلچل مچادی تھی وہ چند ہفتوں میں بے دست و پا ہوکر برف کیطرح پگھل گئی۔ دوسرے موسم گرما میں میکے کو اتنی قوت حاصل ہو گئی کہ اس نے اس غیر وفادار ملک کے عین وسط میں قلعۂ ولیم کے نام سے ایک مضبوط لشکر گاہ قائم کردی اہل قبائل کو بھی انعامات اور معافی کے ذریعے سے اس نے مطیع بنا لیا۔

اسکاٹلینڈ کی حکومت کا مدار اسوقت زیادہ تر سرجان ڈالرمپل کے اوپر تھا جو اسٹیئر کی جاگیر کا وارث تھا اور اسے یہ توقع تھی کہ حلف اطاعت سے انکار کرنے کے باعث اسے ان قبائل کو بالکل نیست ونابود کردینے کا موقع مل جائے گا اور اسطرح اسکاٹلینڈ ہمیشہ کے لئے ہائلینڈزوں کے خطرے سے مطمئن ہو جائے گا۔ اس نے اسی خیال سے سرکردۂ فوج کو لکھا تھا کہ "تمہارے سپاہیوں کو چاہئے کہ لوخ آبر، لوخیل، کیپوخ، کلنگیری اور گلینکو کے تمام ممالک کو بالکل برباد کردیں۔ اس کام کے لئے تمہارے پاس کافی قوت موجود ہے، مجھے اُمید ہے کہ سپاہی حکومت کو قیدیوں کی پریشانی میں نہ ڈالینگے"۔ لیکن قبائل نے حکومت کی تجویز کو برضا و رغبت منظور کرلیا اور ڈالرمپل کو اپنی توقعات میں مایوس ہونا پڑا۔ گلینکو کے قبیلہ میکڈانلڈ کے سوا، سب قبیلے وقت معینہ کے اندر مطیع ہو گئے، صرف قبیلہ گلینکو اپنے غرور کے باعث حلف اٹھانے میں تاخیر کرتا رہا، یہانتک کہ اعلان کی مقررہ آخری تاریخ سے چھ دن گزر گئے۔ ڈالرمپل جس وسعت سے قبائل کو تباہ کرنا چاہتا تھا جب وہ اُمید بر نہ آئی تو اس نے یہ چاہا کہ جہانتک ہوسکے میکڈانلڈ ہی کی اس تاخیر سے فائدہ اٹھائے۔ پس اس "گروہ قزاقان کے بیخ و بن سے اکھاڑنے کے لئے"، ولیم کے حکم کے لئے کاغذ پیش کیا گیا۔ ولیم نے اس کاغذ پر دستخط کردئیے۔ کرنل ہملٹن کو یہ کام سپرد ہوا اور ڈالرمپل نے اسے لکھا کہ "یہ کام نہایت خفیہ اور اچانک طور پر

گلین کو کا قتل عام

ہونا چاہئے" سپاہی قبیلۂ کیمبل سے منتخب کئے گئے جو قبیلۂ گلینکو کے جانی دشمن تھے۔ یہ سپاہی قبائل میکڈانلڈ ہی کے درمیان بارہ روز تک امن و آشتی کے ساتھ مقیم رہے تا آنکہ ان کے کار مفوضہ کیطرف سے شک وشبہ بالکل رفع ہوگیا۔ تیرھویں صبح کو وہ یکایک اپنے میزبانوں پر ٹوٹ پڑے اور چند لمحوں میں تیس اہل قبیلہ برف کے اوپر مردہ پڑے ہوئے تھے۔ طوفان آجانے کے باعث باقی لوگ بچکر پہاڑوں میں بھاگ گئے مگر وہاں انکا بیشتر حصہ بھوک اور سردی سے ہلاک ہوگیا۔ ڈالریمپل کو جب اس کی خبر پہنچی تو اس نے کہا کہ "مجھے صرف یہ افسوس ہے کہ ایک آدمی بھی بچکر کیوں نکل گیا"۔ گلینکو کے اس قتل عام سے زمانۂ مابعد میں جو کچھ بھی خوف پیدا ہو مگر فی الوقت اسکا اندازہ صرف ڈالریمپل کو ہوا تھا۔ ہالینڈرز کے امن کے باعث اڈنبرا کے جدید نظم و ترتیب کا کام خاموشی سے چلتا رہا۔ حکومت اساقفہ کی برطرفی کے مطالبہ کے ساتھ "دعوی حقوق" کے قبول کرلینے سے ولیم نے معناً پرسبٹیرین کلیسا کو بحال کردیا تھا اور اس بحالی کے بعد ہی معیار اعتقاد کے طور پر "اعتراف وسٹ منسٹر" کی تجدید کی گئی اور ایک قانون بھی یہ منظور ہوا کہ طبقۂ مذہبی سے خارج اشخاص مذہبی سرپرستوں سے علحدہ کردئے جائیں۔ بادشاہ نے قانونِ رواداری کے اجرا کی بھی تجویز کی مگر اسکاٹلینڈ کی پارلیمنٹ اس کے خلاف سختی سے قائم رہی لیکن جسقدر پارلیمنٹ اپنی رائے پر مستحکم تھی اسیقدر بادشاہ بھی اپنی رائے کا پکا تھا۔

سنہ ۱۶۹۲ء
۱۳-فروری

ولیم کے یہ الفاظ یادگار رہینگے کہ جب تک وہ زندہ ہے کسی شخص پر اس کے عقیدہ و ایمان کی نسبت سختی و تشدد نہیں کیا جائے گا۔ اس نے یہ کہا کہ "ہم کبھی یہ خیال بھی دل میں نہیں لا سکتے، کہ کسی سچے مذہب کی اشاعت کے لئے تشدد کی ضرورت ہے، اور نہ ہم چاہتے ہیں کہ اپنے اقتدار کو کسی فریق کے جا و بیجا جوش کے پورا کرنے کا آلہ بنائیں"

آئرلینڈ کی بغاوت

اگر جیمز اور لیوئس کو جس ملک میں ولیم کے اثر کے روکنے کی توقع تھی وہ اسکاٹلینڈ نہیں بلکہ آئرلینڈ تھا۔ اپنے وسط حکومت میں جیمز نے یہ کوشش کی تھی کہ اس کے مرنے پر اگر کوئی پروٹسٹنٹ اس کا جانشین ہو جائے اور اسطرح اس کے ہم مذہب پھر پست حالت میں آجائیں تو ان کے لئے کوئی جائے امن موجود رہے۔ اگر فرانسیسی سفیر کے بیان پر اعتماد کیا جائے تو جیمز نے یہ عزم کرلیا تھا کہ آئرلینڈ کو اس حد تک اپنے معاملات میں آزاد کردے کہ وہ اس کی کیتھولک رعایا کا ماویٰ و ملجا بن سکے۔ لارڈ کلیرنڈن، آئرلینڈ کی حکومت سے معزول کردیا گیا تھا اور اس کے بجائے اس جزیرے کی حکومت ایک کیتھولک یعنی ارل ٹرکونل کو سپرد کی گئی تھی؛ یہ نیا حکمراں جو اب ڈیوک بنا دیا گیا تھا بہت اہتمام کے ساتھ اپنے کام میں مصروف تھا۔ سرکاری عہدوں سے ایک ایک انگریز کو چن چن کر خارج کردیا تھا۔ ہر ایک جج، ہر ایک رکن پریوی کاؤنسل، ہر ایک شہر کے میر (صدر بلدہ) اور ہر ایک قصبے کے الڈرمین کے لئے لازمی تھا کہ

وہ کیتھولک اور آئرلینڈ کا باشندہ ہو۔ آئرلینڈ کی فوج کی تعداد پچاس ہزار تک بڑہادی گئی تھی، پروٹسٹنٹ سپاہی فوج سے نکال دیئے گئے تھے اور فوج پر کیتھولک افسر متعین کئے گئے تھے۔ چند ہی مہینوں میں انگریزوں کی فوقیت غائب ہوگئی اور کرامویل کے وقت سے نوآباد انگریز جن باشندگان ملک کو پامال کر رہے تھے اب وہ اپنی زندگی اور اپنے مال و متاع کے لئے انہیں کے دست نگر بن گئے۔ اس لئے بادشاہ کے فرار ہو جانے اور آئرلینڈ میں اس خبر کے ساتھ ہی باشندگان ملک میں اضطراب کے پیدا ہوجانے سے، ایک تشویش پیدا ہوگئی۔ ہرطرف یہ یقین کیا جانے لگا کہ اب دوسرا قتلِ عام ہونے والا ہے، پندرہ سو پروٹسٹنٹ
۱۶۸۷ خاندان (خاصکر اہل جنوب) بدحواسی کے ساتھ سمندر کے پار بھاگ
۱۶۸۸ گئے۔ لیکن شمال کے پروٹسٹنٹ اِنسکلن اور لندنڈری میں جمع ہوکر اپنی حفاظت کی تیاری کرنے لگے۔ تاہم بغاوت کے سر اٹھانے میں ابھی دیر تھی اور ٹرکونل دو مہینے تک ولیم سے سازشیں کرتا رہا۔ لیکن اس کی غرض صرف مہلت حاصل کرنا تھی وہ درحقیقت جیمز سے آئرلینڈ میں واپس آنے کو کہہ رہا تھا اور جب اسے
۱۶۸۹ یہ معلوم ہوا کہ شاہ فرانس نے جیمز کے لئے سران فوج، سامان حرب اور روپئے کا انتظام کردیا ہے تو اس نے فوراً ہی نقاب اٹھادی۔ قلعۂ ڈبلن پر ایک جھنڈا بلند کیا گیا اور اس کے پھریرے پر یہ لکھا ہوا تھا کہ "جو کرنا ہو کرلو ورنہ پھر موقع نہ ملے گا"۔ اس علامت کو دیکھکر ہرایک کیتھولک مسلّح ہوگیا۔

باشندگان ملک نے دیوانہ وار لوٹ مار شروع کردی، اور ان کے مالکوں سے جو کچھ بچ رہا تھا اسے انہوں نے غارت کیا۔ فرانس کے ایلچی نے لیوئس سے یہ کہا تھا کہ اس تباہی کی تلافی کے لئے مدتہائے دراز کا زمانہ درکار ہوگا۔ اسی اثنا میں جیمز نے فرانس سے لنگر اٹھا دیا اور کنسیل کی طرف روانہ ہوگیا۔ اسکا مقصد یہ تھا کہ ٹرکونل کے پاس جو پچاس ہزار آدمی ہیں اُن کی مدد سے انگلستان پر حملہ کرے لیکن خود آئرلینڈ کے اندر مختلف نسل کے لوگوں میں جو جنگ شروع ہوگئی تھی اس کی وجہ سے یہ امید باطل ہوگئی۔ ٹرکونل اور آئرلینڈ کے سردار' بادشاہ کی تجویز کو پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ آئرلینڈ خود باشندگانِ آئرلینڈ کے لئے ہو اور انکی پہلی کارروائی یہ تھی کہ ان انگریزوں کو ملک سے نکال دیں جو ابتک السٹر میں برسرمقاومت تھے اور اس ضرورت سے ٹرکونل کی نصف فوج لنڈنڈری کو بھیجدی گئی تھی۔ فراریوں کا بہت بڑا حصہ اسی شہر کی کمزور دیواروں کے پیچھے پناہ گزین تھا۔ حفاظت کے لئے صرف چند پرانی توپیں تھیں اور شہر کے گرد خندق تک موجود نہ تھی لیکن دیواروں کے اندر سات ہزار جانباز انگریزوں کی موجودگی نے اس کمی کی تلافی کردی تھی۔ انہوں نے خود اس شدت کے حملے کئے اور اپنے مخالفین کے حملوں کو اس زور کے ساتھ مسترد کیا کہ بادشاہ کے سپہ سالار ہملٹن کو محاصرے کے بجائے ناکہ بندی کی کارروائی اختیار کرنا پڑی۔ بھوک اور بخار کی وجہ سے پروٹسٹنٹ

لنڈنڈری کا محاصرہ

سڑکوں پر مر رہے تھے مگر پھر بھی ہر طرف سے یہی آواز آتی تھی کہ "ہم اطاعت نہیں کرینگے" یہ محاصرہ ایکسو پانچ دن تک قائم رہا اور لنڈنڈری میں صرف دو روز کی خوراک باقی رہگئی تھی کہ ۲۸۔ جولائی کو دریا میں ایک انگریزی جہاز سے توپ کی آواز سنائی دی اور محاصرین اپنا سامنہ لیکر واپس ہوگئے۔ اِنسکلین کے لوگوں نے اس شکست کو تباہی کی صورت میں بدل دیا۔ ایک ولدل کے عقب سے بمقام نیوٹاؤن بٹلر الت لوگوں نے اپنے سے دونی تعداد کی آئرلینڈی فوج پر حملہ کردیا۔ اس حملے سے سوار و پیادے سب مضطرب و پریشان ہوگئے اور بہت جلد ہملٹن کی تمام فوج میں پریشانی پھیل گئی۔ یہ فوج بحالت تباہ ڈبلن کو واپس آئی جہاں جیمز اپنی ہی طلب کی ہوئی مخبوط الحواس پارلیمنٹ کے پنجے میں پھنسا ہوا تھا اس پارلیمنٹ کا ہر ایک رکن آئرلینڈ اور کیتھولک تھا اور انکا نصب العین صرف یہ تھا کہ وہ زمینیں واپس لیلی جائیں جو متواتر ضبطیوں کے ذریعے سے انگریزی نوآبادی کو ملگئی ہیں اور آئرلینڈ صرف اسی ملک کے باشندوں کے لئے ہو۔ باوجود بادشاہ کی ناپسندیدگی کے قانون نوآبادی (جس پر جائدادوں کے حقوق بنی تھے) فوراً منسوخ کردیا گیا۔ تین ہزار صاحب دولت و ثروت پروٹسٹنٹ ایک ہی قانون تعزیری میں شامل کردئے گئے۔ دنیا میں اتنا وسیع مخصوص قانون تعزیری کوئی دوسرا نافذ نہیں ہوا ہوگا۔ باوجودیکہ جیمز نے مذہبی آزادی کا وعدہ کرلیا تھا پھر بھی پروٹسٹنٹ

پادری اپنی جگہوں سے ہٹا دیئے گئے۔ ٹرینٹی کالج کے رفقا و طلبہ کالج سے نکال دیئے گئے اور فرانس کے ایلچی کاؤنٹ اواکس کی جرأت اتنی بڑھی ہوی تھی کہ اس نے یہ تجویز کی کہ انگریزی فوج کی آمد پر اگر پروٹسٹنٹوں نے بغاوت کی تو جو اضلاع جیمز کی اطاعت میں آچکے ہیں انہیں جو پروٹسٹنٹ باقی ہیں ان سب کو بیدریغ قتل کردیا جائے۔ بادشاہ کی تعریف کرنا چاہئے کہ وہ اس تجویز کے منظور کرنے سے رُک گیا۔ اُس نے کہا کہ "مجھسے یہ ظلم نہیں ہوسکتا کہ لوگ امن کے ساتھ میری حکومت میں رہتے ہوں اور میں ان کے گلے کاٹ ڈالوں" جس کا جواب یہ ملا کہ "پرٹسٹنٹوں پر رحم کرنا کیتھولکوں پر ظلم کرنا ہے"۔

ولیم بوجہ مجبوری لنڈنڈری کی طول طویل مصیبت اور نئی انگلستان آئرلینڈی حکومت کی نفی البلدی و خونریزی کو دیکھتا رہا مگر دم نہ مارسکا۔ ہاؤنسلو کی جمع شدہ فوج کا بہترین حصہ مارلبرا کے ساتھ دریائے سامبر کو بھیجدیا گیا تھا۔ حکومت کی پیش نظر مشکلات کے باعث باقی آدمیوں کا کہیں بھیجنا ممکن نہ تھا۔ لیکن ابتری اور سازش کے باوجود (جنکا ذکر بعد میں ہوگا) انقلاب کے اہم مقاصد پر عام اتفاق اور ان کی طرف سے اطمینان ہوگیا تھا۔ ملکی آزادی کے اہم مسائل پر اب ٹوری اور وہگ یکزبان تھے۔ کانونشن (مجلس عارضی) نے پارلیمنٹ کی حیثیت حاصل کرکے "اعلان حقوق" کو ۱۶۸۹ء میں

"قانون حقوق" "قانونِ حقوق" میں بدل دیا تھا اور اس قانون کی منظوری سے شاہی کی وہ حیثیت پھر قائم ہوگئی جو خاندان ہائے ٹیوڈر اور اسٹوارٹ کے زمانے میں زائل ہوگئی تھی۔ قوم کا یہ حق مسلم ہوگیا کہ وہ اپنے نائبین کے توسط سے کسی بادشاہ کو معزول کردے، جانشینی کی ترتیب کو بدل دے اور جسے مناسب سمجھے اسے تخت نشین کرے۔ ولیم اور میری کے انتخاب سے حقوقِ ربانی کا دعوی، اور قانون سے بالا موروثی استحقاق سب باضابطہ باطل ہوگئے تھے۔ اس زمانے سے انگلستان کے کسی بادشاہ نے ایک خاص قانون پارلیمنٹ کی ایک خاص دفعہ کے علاوہ اور کسی بنا پر تاج و تخت کے متعلق اپنا استحقاق نہیں جتایا ہے۔ ولیم، میری اور این محض قانونِ حقوق کی بنا پر صاحب تاج و تخت ہوئے اور جارج اول اور اس کے جانشین محض "قانون انتظام جانشینی" کی بنا پر تخت نشین ہوتے رہے ہیں۔ انگلستان میں اب بادشاہ اپنے اعلیٰ منصب کے لئے قانون پارلیمنٹ کا ویسا ہی تابع ہے جیسا ملک کا ایک ادنی محصل قانون کے تابع ہوتا ہے۔ اس سے نہ صرف شاہی کی قدیم خصوصیت واپس آگئی بلکہ قدیم نظامِ حکومت بھی دوبارہ قایم ہوگیا۔ تلخ تجربوں نے انگلستان کو یہ سبق دیدیا تھا کہ محصولوں کے متعلق پارلیمنٹ ہی کو قطعی اختیارات حاصل ہونا چاہیے، اور اس کے اس اختیار کے بحال کرنے کی ضرورت ہے۔ آخری دو بادشاہوں کا

اجرائے محصول

طرزِ عمل قوم کے خلاف ہونے میں یہی راز تھا کہ انہیں مادام الحیات کے محصول پر اختیار دیدیا گیا۔ اس لئے نئے قوانین کی وضع میں پہلا کام یہ ہوا کہ شاہی آمدنی کیلئے صرف چار برس کی میعاد مقرر کردی گئی۔ ولیم کو اس تجویز سے سخت صدمہ ہوا۔ اس نے کہا کہ "انگلستان کے امرا و شرفا نے شاہ جیمز پر تو اعتماد کیا جو انکے مذہب اور انکے قانون کا دشمن تھا، اور اعتماد نہ کیا تو مجھپر جس نے اُن کے مذہب اور اُن کے قانون کو بچایا ہے"۔ لیکن بادشاہ کے اس غصے سے قانون میں تغیر ہوا تو یہ کہ آئندہ سے اس رقم کے لئے سالانہ منظوری کی شرط لگادی گئی۔ بعد کی ٹوری پارلیمنٹ نے اس میں کسی قدر ترمیم کردی مگر بہت جلد یہی دستور ناقابل ترمیم قاعدہ بنگیا۔ ایک ایسے ہی اہم تغیر نے فوج پر بھی پارلیمنٹ کی نگرانی قائم کردی۔ مستقل فوج کی نسبت کرامویل فوج کے وقت سے جو نفرت پیدا ہو گئی تھی وہ جیمز کے وقت میں بہت بڑھ گئی تھی تاہم براعظم کی لڑائیوں کیوجہ سے فوج کا رکھنا بھی ضروریات میں داخل تھا لیکن اسوقت تک جو فوج رکھی گئی تھی قانوناً اسکا وجود نہیں تسلیم کیا گیا تھا۔ سپاہی کی حیثیت ایک معمولی رعایا کی تھی، خاص فوجی قصوروں کی سزا دہی کا کوئی قانونی ذریعہ نہیں تھا نہ فوجی انضباط کے لئے کوئی قانون موجود تھا۔ "قانون غداری" کے ذریعے سے پارلیمنٹ اور فوج دونوں کی مشکل حل ہوگئی

فوجی انضباط کے لئے جن اختیارات کی ضرورت تھی، پارلیمنٹ نے وہ اختیارات افسروں کو عطا کردئے اور فوج کی تنخواہیں ادا کردینے کے احکام نافذ ہوگئے مگر یہ تنخواہ اور یہ اختیارات صرف ایک برس کے لئے منظور ہوئے تھے منظوریٔ رقوم کی طرح "قانون غدّاری" بھی انقلاب کے وقت سے سالانہ منظور ہوتا رہا ہے اور چونکہ سلطنت کا بغیر روپئے کے اور فوج کا بغیر انضباط و تنخواہ کے قائم رہنا ناممکنات سے ہے اس لئے لامحالہ پارلیمنٹ کو سال بسال جمع کرنا پڑتا ہے۔ انگلستان کی تاریخ میں نظام حکومت میں یہ تغیر سب سے بڑا تغیر ہے اور اگرچہ یہ تغیر بالواسطہ ہوا مگر اپنے نتیجے اور اثر میں مکمل رہا۔ لیکن گزشتہ تجربوں سے خود پارلیمنٹ میں جو خطرے محسوس ہوئے ان کے انسداد میں ایسی ہی دانش و تدبیر سے کام نہیں لیا گیا۔ چارلس کے عہد میں انگلستان یہ دیکھ چکا تھا کہ عین ہیجانِ طبع کے موقع پر ایک پارلیمنٹ کا انتخاب ہوگیا اور یہی پارلیمنٹ بغیر جدید انتخاب کے اٹھارہ برس تک قائم رہی۔ ایک "سہ سالہ قانون" (جسکا منشا یہ تھا کہ ہر تیسرے سال پارلیمنٹ کا انتخاب ہوا کرے) نہایت خفیف اختلاف کے ساتھ منظور ہوگیا مگر ولیم کی ناپسندیدگی اور نامنظوری نے اسے بیکار کردیا۔ دارالعوام میں عمال سرکاری کے بھر دینے سے بادشاہ کو جو قوت حاصل ہو جاتی تھی اسکا مقابلہ ذرا سخت ثابت ہوا۔ ایک قانون یہ منظور ہوا کہ

پارلیمنٹ

جو لوگ سلطنت کی ملازمت میں ہوں وہ پارلیمنٹ میں نہ بیٹھ سکیں مگر دارالامرا نے اپنی دانشمندی سے اس قانون کو نامنظور کردیا۔ اسوقت تک کسی کے ذہن میں یہ نہیں آیا تھا کہ دربار اور سلطنت کے ادنیٰ طبقے کے عمال کو پارلیمنٹ سے خارج کردینا چاہئے مگر اعلیٰ عہدہ داروں کو پارلیمنٹ میں شامل رکھکر انہیں قابو میں رکھنا چاہئے۔ یہ بھی تعجب خیز معلوم ہوتا ہے کہ "قانونِ حقوق" میں پارلیمنٹ نے فوج اور عام مداخل پر اپنی نگرانی قائم کردی مگر تجارت کے متعلق خاموشی اختیار کرلی اور اسے بالکل بادشاہ کے ہاتھ میں چھوڑ دیا۔ چند برس بعد جب ایسٹ انڈیا کمپنی کے فرمان شاہی پر بحث ہوی اسوقت پارلیمنٹ نے انگلستان کی تجارت کو اپنے قواعد کے تحت میں لانے کا دعوی کیا اور وہ اس مقصد میں کامیاب رہی۔

رواداری اور کلیسا اس انقلاب کے مذہبی نتائج اس کے سیاسی نتائج سے کسی طرح کم اہمیت نہیں رکھتے۔ یہ عجیب بات تھی کہ مذہب کیتھولک کے مقابلے میں اہل کلیسا اور منحرفین دونوں متفق تھے اور اس سے پروٹسٹنٹوں کے اتحاد عام کی تجاویز کو یک بیک ہر دلعزیزی حاصل ہوگئی تھی۔ لیکن جیمز کے زوال کے ساتھ ہی دونوں گروہوں کا اتفاق دفعتہً ٹوٹ گیا اور اسکاٹ لینڈ میں پرسبٹرین کلیسا کے قائم ہو جانے اور حکومت اساقفہ کے ماننے والے پادریوں کی بربادی کے باعث پادریوں کو ان علیحدگی اختیار کرنے والوں سے پھر عداوت پیدا ہوگئی۔ مجلسِ مذہبی

نے رواداروں کی اس تجویز کو نامنظور کردیا کہ کتاب ادعیۂ میں ایسی ترمیم کردیجائے جس سے اتفاق نہ کرنے والے پھر متفق ہوسکیں۔ پارلیمنٹ میں بھی اتحاد عام کا ایک مسودۂ قانون پیش ہوا مگر باوجود بادشاہ کی کوشش کے منظور نہ ہوسکا۔ ولیم نے یہ چاہا کہ "مجلس بلدی کے قانون" میں ایسی ترمیم کردے کہ "علحدگی اختیار کرنے والوں" کو ایک حدتک ملکی مساوات حاصل ہو جائے۔ یہ کوشش بھی ناکام رہی۔ لیکن

قانونِ رواداری ۱۶۸۹ء میں قانونِ رواداری کے منظور ہو جانے سے عملاً عبادت کی آزادی حاصل ہوگئی۔ وسیع المشربوں کی تجویز میں ناکامی ہونیکا مذہبی اثر جو کچھ بھی ہوا ہو مگر اس کا سیاسی اثر نہایت اہم ہوا۔ انقلاب کے وقت میں کلیسا کو جیسی قوت اور ہردلعزیزی حاصل تھی یہ بات کبھی سابق میں حاصل نہیں ہوی تھی، اگر عام عبادت سے اتفاق نہ کرنے والے بھی رضامند ہوجاتے تو اس کی قوت دونی ہوجاتی۔ گزشتہ دوسو برس سے کلیسا کی خصوصیت یہ رہی تھی کہ وہ ہر قسم کے سیاسی تغیر سے متنفّر رہا تھا، پس یہ امر تو مشکوک ہے کہ اگر اسے قوت حاصل ہوجاتی تو اس تنفر پر اُسکا کیا اثر پڑتا مگر اسقدر یقینی ہے کہ کلیسا نے حکومت کے مخالفین کو جو تقویت دی تھی وہ بے انتہا بڑھ جاتی۔ مگر ہوا یہ کہ قانونِ رواداری نے بہت سی مذہبی جماعتیں پیدا کردیں جنکی مذہبی مخالفت کے باعث کلیسا کو مجبور ہونا پڑا کہ ترقی کی جن کارروائیوں کے وہ

مخالف تھا اُن کی تائید کرے۔ مذہبی قوتوں کے کبھی ایک جانب اور کبھی دوسری جانب ہونے کی وجہ سے انگلستان اس مصیبت سے بچ نکلا جس نے ان سب قوتوں کو تباہ کردیا تھا جنھوں نے سیاسی تغیر و انقلاب کو مذہب کے ساتھ ملا لیا تھا۔ کلیسا کے اندرونی اختلافات نے اس کی قوت کو اور بھی کمزور کردیا تھا۔ پادری اگرچہ اپنے بےچون وچرا اطاعت کے اصول کو مجبوراً ترک کرچکے تھے مگر بادشاہ کے حقوق ربانی کا خیال ابھی تک ان کے دلوں میں سختی کے ساتھ جاگزیں تھا۔ اور جب سرکاری عہدہ داروں سے نئے تاجداروں کے لئے حلف اطاعت اٹھانے کو کہا گیا تو قریب قریب تمام ہی پادریوں نے اسے ایک ناقابل برداشت ظلم خیال کیا۔ کینٹربری کے اسقفِ اعظم سینکرافٹ اور اُس کے ساتھ چند مقتدایان دین اور اعلیٰ عہدہ دارانِ مذہبی کی ایک کثیر تعداد نے اس قسم کا حلف اُٹھانے سے قطعاً انکار کردیا اور جن لوگوں نے حلف اٹھائے انھیں تفرقہ انداز قرار دیا۔ پارلیمنٹ نے جب ایک قانون بناکر ان لوگوں کو ان کی جگھوں سے معزول کردیا تو یہ لوگ اپنے ہی کو اصل کلیسائے انگلستان کا رکن قرار دیتے رہے اور نان جورر (منکران حلف وفاداری) کے نام سے مشہور ہوئے۔ پادریوں کے زیادہ حصے نے اگرچہ ضرورت سے مجبور ہوکر سر جھکا دیا تھا مگر نئی حکومت سے وہ سخت مکدّر ہوگئے تھے اور جب انھیں

منکرانِ حلف وفاداری

یہ معلوم ہوا کہ حکومت اس ذریعہ سے کلیسا پر پارلیمنٹ کی فوقیت ثابت کرنا اور اپنے قانون کی رو سے اساقفہ کو معزول کرنا چاہتی ہے تو ان کی نفرت بے انتہا بڑھ گئی۔ نئے مقتدایان دین میں کینٹربری کا اسقف اعظم ٹلٹسن اور سالسبری کا اسقف برنٹ وغیرہ ذی علم اور پرہیزگار لوگوں میں تھے مگر پادریوں کے طبقے میں صرف دہگوں اور ویسٹ منسٹریوں ہی کے اندر ولیم اور اس کے جانشینوں کے سچے دوست ملسکتے تھے اور اس لئے مجبوراً کلیسا کے اعلیٰ عہدے انھیں لوگوں کو دینا پڑے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ کلیسا کے اعلیٰ عہدہ داروں اور عام پادریوں میں تفرقہ پڑگیا اور کلیسا کی قوت ٹوٹ گئی اور جارج سوم کے وقت تک ان کی تمام جنگ وجدل اپنے ہی طبقے کے اندر محدود رہی۔ لیکن جس کارروائی سے یہ تفرقہ پڑا تھا اس کی ناگواری نے ولیم کے لئے مشکلات پیدا کردیئے۔

لیکن اس کی پارلیمنٹ کے انداز و اطوار سے اور بھی زیادہ مشکلات پیش آگئے۔ دارالعوام کے ارکان میں وہگوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور اُن کی پہلی کوشش یہ تھی کہ دو سابقہ دور حکومت میں اس فریق کو جو نقصانات پہنچے ہیں اُن کی تلافی کیجائے۔ لارڈ رسل کے مخصوص قانونِ تعزیری کا حکم منسوخ کردیا گیا، سڈنی، کارنش، اور ایلس لائل کے خلاف احکام خارج کردیئے گئے، ٹائٹس اوٹس کی نسبت ججوں نے یہ رائے دی تھی کہ اُس کی سزا قانون کے خلاف ہے، اس پر بھی دارالامرا نے

ف گریس
لطاف و اکرام

اس کی سزا کے منسوخ کرنے سے انکار کردیا تھا، اب اسے بھی معافی اور وظیفہ عطا کردیا گیا۔ مگر وہگ صرف ان زیادتیوں کی تلافی ہی پر قناعت نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ وہ اسکے ساتھ ہی زیادتی کرنے والوں کو بھی سزا دینا چاہتے تھے۔ اصل یہ ہے کہ محض جیمز کے مظالم کے باعث وہگ اور ٹوری آپس میں متفق ہوگئے تھے اور دونوں فرقوں نے انقلاب پیدا کردیا تھا، اور ولیم نے اپنی پہلی وزارت میں دونوں کے سرگروہوں کو شامل کر کے اس اتحاد کو زیادہ مدت تک قائم رکھنے کی کوشش کی۔ اس نے ایک ٹوری ارل ڈینبی کو صدراعظم مقرر کیا، ایک وہگ شروسبری کو وزیر خارجہ بنایا اور سلطنت کی مہر لارڈ ہیلیفیکس کے سپرد کی جو دونوں فریقوں میں بین بین سیاسی مشکلات تھا۔ لیکن مشترک مصیبت یا مشترک خطرے کے علاوہ اور وقتوں میں انکا اتحاد باہمی غیر ممکن تھا۔ وہگ یہ شور مچارہے تھے کہ چارلس اور جیمز کے افعال خلافِ قانون میں جن ٹوریوں نے شرکت کی ہے انھیں سزا دیجائے اور ولیم نے عام معافی کے لئے جو مسودۂ قانون پیش کیا تھا اس کی منظوری سے ان لوگوں نے انکار کردیا۔ اودھر ولیم اپنی جگہ اس خیال پر جما ہوا تھا کہ جن انقلابی حالات کے اندر وہ تخت نشین ہوا ہے ان کے بعد کسی قسم کی خونریزی یا ظلم و زیادتی نہ ہونا چاہئے۔ وہ طبعاً جور و تشدد کو ناپسند کرتا تھا۔ اسے ان دونوں متخاصم فریقوں میں سے کسی ایک کے ساتھ خصوصیت کی کوئی وجہ نہیں تھی اور

سب سے بڑھکر یہ کہ وہ ان اندرونی مناقشات کو جنگ کی کارروائیوں کے لئے مضر سمجھتا تھا۔ وہ اپنی نئی سلطنت کی ضروریات کے باعث انگلستان میں رکا ہوا تھا اور برّاعظم کے جس اتحاد کا وہ روح رواں تھا وہ فرانس کی سریع و مستحکم نقل و حرکت کے مقابلے میں بہت سست و کمزور ثابت ہوتا جاتا تھا۔ یہ ضرور ہے کہ لیوئس کی فوجیں اپنے حدود کے اندر واپس ہوگئی تھیں مگر اس حدود کے اندر انھوں نے بہت مضبوطی سے قدم جمائے تھے۔ انگریزی اور ہالینڈی بیڑوں کے متحد ہو جانے سے بھی سمندر پہ پورے غلبہ کا یقین نہیں تھا۔ انگلستان کے ملازمانِ سرکاری میں رشوت کا بازار گرم تھا پس کچھ تو اسوجہ سے اور کچھ اپنے امیرالبحر کی سستی و ناقابلیت کے باعث انگریزی بیڑے کا عدم و وجود برابر ہوگیا تھا۔ انقلاب کے موقع پہ امیرالبحر ہربرٹ نے جو خدمات انجام دئے تھے اُس کے صلے میں وہ ٹارنگٹن کا ارل اور بیڑے کا امیرالبحر بنا دیا گیا تھا۔ مگر وہ ایسا سست تھا کہ اہل فرانس کے جہازوں نے تمام سمندر کو تہ و بالا کردیا اور جب فرانس کے سرکاری بیڑے کے ایک حصے سے خلیج بینٹری میں اسکا مقابلہ ہوا تو اس جنگ کے بے نتیجہ رہنے سے اُس کی عدم قابلیت ظاہر ہوگئی۔ اس اثنا میں لیوئس ہمہ تن اُس کوشش میں مستغرق تھا کہ رودبار کو اپنے قابو میں کرلے۔ فرانس کے جہاز سازی کے کارخانے برابر نئے جہاز تیار کرتے جاتے تھے، اور بحیرۂ روم کے بڑے بڑے جہازات بھی برسٹ کے بیڑے کو تقویت دینے کے لئے طلب کرلئے گئے تھے۔

اگر انگلستان کے ساحل پر فرانسیسیوں کو فتح حاصل ہو جاتی تو اس سے سخت سیاسی خطرات پیش آجاتے کیونکہ اسباب ایسے جمع ہو گئے تھے کہ عام خیال جیمز کی طرفداری کیطرف مائل ہوتا جاتا تھا۔جنگ کا دباؤ بڑھتا جاتا تھا، محصول میں زیادتی ہوتی جاتی تھی "نان جورر" (منکران حلف وفاداری) کلیسا سے خارج کردئے گئے تھے۔ پادریوں میں بددلی پیدا ہوگئی تھی، ظفر مند وہگوں کے جوش انتقام کے باعث ٹوریوں میں اضطراب برپا تھا، اور سب سے بڑھکر یہ کہ خود جیمز آئرلینڈ میں موجود تھا۔جیکوبائٹ (حامیانِ جیمز) کے نام سے ایک نیا فریق پیدا ہوتا جاتا تھا۔اور اندیشہ یہ تھا کہ حامیان جیمز کی شورش کے ساتھ ہی فرانسیسی بیڑہ ساحل پر حملہ کردیگا۔اس صورت حالات میں ولیم کی رائے بالکل صحیح تھی کہ اگر اس نے وہگوں کے جوش انتقام کا ساتھ دیا تو اس کا کام خراب ہوجائیگا۔ پس ولیم نے اس پارلیمنٹ کو برطرف کردیا جس نے گزشتہ سیاسی قصوروں کے لئے معافی کے قانون کو نامنظور کردیا تھا اور اس کے بجائے مارچ میں ایک نئی پارلیمنٹ طلب کی۔اس انتخاب سے یہ ظاہر ہوگیا کہ اس نے جو کچھ کیا تھا وہ قوم کے عام خیال کے موافق تھا۔قصبات نے اسوجہ سے وہگوں کا ساتھ چھوڑ دیا تھا کہ ان لوگوں نے معافی عامہ کے منظور کرنے سے انکار کردیا تھا اور اس کوشش میں تھے کہ مجلس ہائے بلدی کو خاص اپنے فریق کے اثر میں کرلیں۔صوبہ جات کی کیفیت یہ تھی کہ لوگوں کو پادری اپنے ساتھ لیجاکر وہگوں کے خلاف رائے دلواتے

فریق جیکوبائٹ

۱۶۹۰

تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جدید پارلیمنٹ میں ٹوری ارکان بکثرت داخل ہوگئے۔ ولیم کے مشیروں میں جن تند مزاج وہگوں نے استعفے دئے ولیم نے انھیں بے تامل منظور کرلیا اور مہام سلطنت ڈینبی کے سپرد کردی۔ مئی کے مہینے میں دونوں ایوان ہائے پارلیمنٹ نے "قانون الطاف و اکرام" کو منظور کرلیا۔ اسطرح یکایک رخ بدل دینے سے بادشاہ کی غرض صرف یہی نہ تھی کہ وہ قوم کے خیال کو پورا کرنا چاہتا تھا بلکہ وہ کچھ دیر کے لئے انگلستان کے تنازعات میں سکون پیدا کرنے کا خواہاں تھا تاکہ اُسے آئرلینڈ کی بغاوت کی سرکوبی کا موقع مل سکے۔ جیمز جبتک ڈبلن میں بادشاہ بنا ہوا تھا اسوقت تک انگلستان میں غداری کے فنا ہونے کی توقع بیکار تھی۔ یہ خطرہ اسقدر شدید ہوتا جاتا تھا اور صورت حالات اسقدر نازک ہوگئی تھی کہ اس کام کو کما ینبغی انجام دینے کے لئے ولیم اپنے سوا کسی دوسرے پر اعتماد نہیں کرسکتا تھا

جنگ بوائن ڈیوک شومبرگ، ایک جلاوطن ہیوگیناٹ تھا اور ولیم کے ساتھ انگلستان آیا تھا۔ اسے ایک مختصر فوج دیکر ۱۶۸۹ء کے موسم خزاں میں السٹر بھیجا گیا مگر اس کا اثر صرف یہ ہوا کہ آئرلینڈ میں نیا جوش پیدا ہوگیا۔ فوج میں سپاہیوں کا ہجوم ہوگیا اور جیمز بمقام ڈروجیڈا، ڈیوک سے دو چند فوج کے ساتھ اس سے مقابل ہوا۔ شومبرگ کی فوج میں بالکل نئے آدمی بھرے ہوئے تھے اور تناسب تعداد کی نظر سے ان آدمیوں پر یہ اعتماد نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ میدان میں ٹھہر سکینگے اس لئے ڈیوک بمقام

ڈنڈاک خندق کھود کر قلعہ بند ہوگیا۔ وبا کیوجہ سے اس کے نصف آدمی ضائع ہوگئے یہانتک کہ موسم سرما کے آجانے سے دونوں فوجیں ہٹ گئیں۔ جیمز کا خزانہ بالکل خالی ہوگیا تھا، آیندہ چھ ماہ میں اس نے (بجائے چاندی کے) تانبے کا۔ سکہ بناکر اپنا خزانہ بھرنا چاہا اور اس کے سپاہی محض لوٹ مار پر بسر کرتے رہے۔ ادہر رودبار کی دوسری جانب ولیم سخت کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح آئرلینڈ کی جنگ کو ختم کردے۔ موسم سرما میں شومبرگ کو سپاہ و سامان سے مدد پہنچائی گئی اور موسم بہار تک اسکی فوج کی تعداد تیس ہزار آدمیوں تک پہنچ گئی۔ لیوئس بھی اس آنے والی جنگ کی اہمیت سے غافل نہیں تھا اس نے کاؤنٹ لوزین کے تحت میں سات ہزار منتخب فرانسیسیوں کو جیمز کی اعانت کے لئے روانہ کردیا۔ یہ لوگ پہنچے ہی تھے کہ ولیم بذات خاص کیرگ فرگس میں جا اترا اور جلد جلد جنوب کیطرف بڑھنا شروع کردیا۔ آئرلینڈ کی فوجیں بہت جلد نظر آگئیں اور ولیم مضبوطی کے ساتھ دریائے بوائن کے عقب میں جم گیا۔ جوش مسرت میں بیساختہ اس کی زبان سے "نکلا کہ صاحبو! میں تمہیں دیکھکر بہت خوش ہوا اور اگر اب تم میرے ہاتھ سے بچ نکلے تو یہ میرا ہی قصور ہوگا" دوسرے روز علی الصباح تمام انگریزی فوج دریا میں کود پڑی۔ آئرلینڈ کی فوج کے پیدل دفعتہً گھبرا کر منتشر ہوگئے۔ مگر سواروں نے اس پامردی سے مقابلہ کیا کہ شومبرگ اس حملے کے روکنے میں کام آیا اور کچھ دیر کیلئے انگریزی ۱۔ جولائی ۱۶۹۰ء

فوج کا قلب آگے بڑھنے سے رک گیا۔ لیکن جب ولیم نے میسرے کی فوج کو لیکر حملہ کیا تو جنگ کا بالکل خاتمہ ہوگیا۔ جیمز ولیم کے ساتھ برابر کا مقابلہ کرنے کے بجائے ہمہ وقت یہ کوشش کررہا تھا کہ اپنی فوج کو ہٹا لیجائے، اور جب اسکی فوج شکست کھاکر ڈبلن کی طرف پلٹی تو اس نے فوج کا ساتھ چھوڑ دیا اور بعزم فرانس کنیسیل میں جہاز پر سوار ہوگیا۔ یہ شکستہ فوج اگرچہ ولیم کے تعاقب کے باعث دارالسلطنت کو چھوڑ دینے پر مجبور ہوی مگر جنگ کے لئے وہ اب بھی آمادہ تھی۔ اپنے اسٹوارٹ بادشاہ کی نالایقی کو اُس کے ہمراہی بھی نظر حقارت سے دیکھتے تھے۔ ایک انگریز نے ایک آئرلینڈی افسر کو بوائن کی ہزیمت پر طعنہ دیا تو اس نے جواب میں کہا کہ "ہمسے بادشاہ بدل لو اور ہم پھر تم سے لڑنے کے لئے تیار ہیں" اہل آئرلینڈ بادشاہ کے بغیر اور اچھی طرح پر لڑے۔ اس ہزیمت یافتہ فوج نے جب لمرک کی دیواروں کے عقب میں مدافعانہ کارروائی اختیار کی تو فرانسیسی حقارت کے ساتھ اس سے الگ ہو گئے۔ لوزین نے طنزاً کہا کہ "تم اسے دمدمہ کہتے ہو اس کے گرانے کے لئے انگریزوں کو توپ کی ضرورت نہیں ہوگی۔ سڑے ہوئے سیبوں سے وہ اسے مسمار کردینگے"۔ اس پر بھی بیس ہزار آدمی سارسفیلڈ کے تحت میں وہاں قدم جمائے رہے۔ سارسفیلڈ ایک دلیرو صاحبِ تدبیر شخص تھا، اُس نے انگلستان اور دوسرے ممالک میں خدمات انجام دئے تھے، اس نے نہایت جرأت

آئرلینڈ کی جنگ

کے ساتھ انگریزوں کے سامانِ جنگ کی گاڑیوں کو اچانک لوٹ لیا، اور شہر کو فتح کرنے کے لئے جو شدید حملے کئے گئے انہیں پسپا کر دیا۔ اس اثنا میں موسم سرما آگیا اور ولیم نے محاصرہ اُٹھا لیا دیگر ممالک کی رفتار جنگ کے باعث اسے انگلستان کو واپس جانا پڑا مگر وہ اپنا کام ایک ایسے شخص کے سپرد کر گیا جو خاموشی کے ساتھ اپنے فن جنگ کے کمال کو ثابت کر رہا تھا۔ یہ شخص چرچل یعنی ارل مالبرا تھا۔ جنوب آئرلینڈ میں فوج کا جو حصہ اترا تھا اس کی سپہ سالاری کے لئے یہ فلینڈرز سے بلایا گیا تھا۔ موسم سرما کی آمد اور اس کی وجہ سے فوجی کارروائیوں کے معلق ہو جانے میں صرف چند دن باقی رہ گئے تھے مگر ان چند دنوں سے بھی اس نے بڑا کام نکالا۔ شہر کارک جس کی دیواروں کے اندر پانچ ہزار سپاہ موجود تھی، اڑتالیس گھنٹے میں فتح ہو گیا۔ اس کے چند روز بعد کنیسل کا بھی یہی حال ہوا، مگر موسم سرما کے باعث کناٹ اور منسٹر کا بیشتر حصہ اہل آئرلینڈ کے ہاتھ میں باقی رہ گیا۔ فرانسیسی فوج کو خراش تک نہیں لگی تھی اور روپئے اور سامان حرب کے ساتھ ایک نئے فرانسیسی سپہ سالار سنٹ روتھ کے آجانے سے باغیوں کی ہمت بڑھ گئی لیکن ۱۶۹۱ء کے موسم بہار کے شروع ہوتے ہی نئے انگریزی سپہ سالار جنکل نے ایتھلون پر قبضہ کر لیا اور اسی وجہ سے متحدہ فرانسیسی اور آئرش فوج کو مقام آگرم میں جنگ پر مجبور ہونا پڑا۔ سنٹ روتھ میدانِ جنگ میں کام آیا اور اس کی فوج بالکل

منتشر ہوگئی۔ اس شکست کے بعد صرف لمرک بغاوت پر اڑا رہا۔ سارسفیلڈ تک کو بمجبوری اطاعت قبول کرنا پڑی اور آئرلینڈ اور انگلستان کے سپہ سالاروں کے مابین دو عہدنامہ لکھے گئے۔ پہلے معاہدے کی روسے یہ طے پایا کہ آئرلینڈ کے کیتھولکوں کو اپنے مذہب کی ادائی فرائض میں وہ تمام حقوق حاصل ہونگے جو قانون کے موافق ہوں یا جنپر وہ چارلس دوم کے عہد میں کاربند رہ چکے ہوں۔ بادشاہ کی طرف سے یہ بھی اقرار کیا گیا کہ جسقدر جلد ممکن ہوگا پارلیمنٹ طلب کیجائے گی اور نیک چلن رومن کیتھولکوں کے لئے بربنائے مذہب کسی قسم کی دشواری و زحمت باقی نہیں رہے گی۔ فوجی معاہدے کی بروسے یہ قرار پایا تھا کہ سارسفیلڈ کی فوج کے جو سپاہی اس کے ساتھ فرانس کو جانا چاہیں وہ جا سکتے ہیں اور اس کے دس ہزار سپاہیوں یا یوں کہئے کہ اسکی ساری فوج نے ایک ایسے ملک میں رہنے کی بہ نسبت جہاں کسی قسم کی قومی آزادی کی امید نہو ملک سے چلے جانے کو زیادہ بہتر سمجھا۔ انکی روانگی کے وقت جو عورتیں جمع ہوگئی تھیں جب اُن کے نالہ و فغان کی آواز موقوف ہوی تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا آئرلینڈ پر موت کی خاموشی طاری ہوگئی ہے۔ سو برس تک ملک میں خاموشی رہی مگر یہ خاموشی مایوسی کی خاموشی تھی۔ جن لوگوں نے ٹرکونل کے شریک ہوکر بغاوت کی تھی ان سے قانون کے پردے میں ایسا سخت انتقام لیا گیا کہ کبھی کسی قوم پر ایسا ظلم نہ ہوا ہوگا۔ سوئفٹ نے ناگوار الفاظ میں حقارت کے ساتھ لکھا ہے کہ مفتوح قوم اپنے فاتحین کے لئے

"لکڑیاں چیرتی اور پانی بھرتی تھی"، یعنی قوم کو غلام بنا لیا تھا، یہ نیم غلام اپنی اپنی جگہ پر برابر شورشیں کرتے رہتے اور انگریز نوآبادوں کو ہمیشہ انکی طرف سے خوف لگا رہتا تھا۔ مگر قومی بغاوت کا کسی کو خواب و خیال بھی نہیں تھا، اور فرانس کے انقلاب کے وقت تک آئرلینڈ کی طرف سے انگلستان کو کسی قسم کا سیاسی خطرہ باقی نہیں رہا۔

حامیان جیمز کی سازشیں

آئرلینڈ کی یہ کشمکش اگرچہ تھوڑے ہی زمانے تک رہی مگر لیوئس کو اس سے خاطر خواہ فائدہ ہوگیا کیونکہ جس زمانے میں ولیم جنگ بوائن میں مشغول تھا اسی زمانے میں فرانس کی مسلسل کامیابیوں سے اس کی کھوئی ہوئی عظمت، وقعت پھر بحال ہوتی جاتی تھی۔ فلینڈرز میں ڈیوک لکسمبرگ نے فلیوریوس پر فتح حاصل کرلی تھی، مارشل کاٹینا نے ڈیوک سیوائے کو اطالیہ میں شکست دیدی تھی، سمندر پر ایک اس سے بھی زیادہ اہم فتح نے کچھ دنوں کے لئے خود ولیم کے تخت کو خطرے میں ڈال دیا تھا، مگر سمندر کی یہ فتح فرانس کے لئے آخری فتح تھی۔ حامیان جیمز بغاوت برپا کردینے کے لئے صرف اس امر کے منتظر تھے کہ فرانس کا بیڑہ سمندر میں آجائے، پس ایسے موقع پر ولیم کا انگلستان کو چھوڑ کر جیمز کے مقابلے میں، آئرلینڈ کو جانا ایک ایسی جرأت کا کام تھا کہ خود ولیم سے بھی یہ طمانیت و جرأت کسی دوسرے موقع پر ظاہر نہیں ہوئی تھی۔ درحقیقت اس کے روانہ ہوتے ہی فرانسیسی امیرالبحر ٹورویل بہ روانہ ہوگیا اور اسے سخت حکم دیدیا گیا کہ جنگ میں کوتاہی نہ کرے۔ انگریزی اور ہالینڈی بیڑے بمقام بیچی ہیڈ اس کے مقابل

ہوگئے اور بیڑے کے ہالینڈی حصے نے فوراً جنگ شروع کردی۔
فریق مخالف کے جہازوں کی تعداد اگرچہ بہت زیادہ تھی مگر ہربرٹ
کی مدد کی امید میں اہل ہالینڈ استقامت کے ساتھ لڑتے رہے
لیکن ہربرٹ بزدلی خواہ غدّاری کے باعث خاموش تماشا دیکھتا
رہا اور اس کے حلیف پامال ہوتے رہے۔ رات ہونے پر وہ
بہ خیال حفاظت اپنے جہازات کو لیکر ٹیمز میں چلا آیا۔ اس سے
جیسی سخت دقت ہوئی وہ خود ظاہر ہے مگر خطرہ بھی کیطرح کم نہ تھا۔
اس فتح کے باعث ٹورویل رودبار کا مالک ہوگیا اور ساحل ڈیون
کے سامنے آجانے سے حامیان جیمز کو بغاوت کی ہمت پیدا ہوگئی۔
ٹوریوں اور نان جورز (منکران حلف وفاداری) کو ولیم سے
کیسی ہی کچھ نفرت کیوں نہ رہی ہو، مگر فرانسیسیوں کے ساحل پر اترتے
ہی نفرت کے تمام خیالات جاتے رہے۔ فرانسیسی ملاحوں کے
ٹین متھ میں آگ لگا دینے کے باعث ساحل کے تمام لوگ بلا
تفریق مسلح ہوگئے اور بوائن کی خبر نے جیمز کی طرفداری میں بغاوت
کے خیال کو بالکل باطل کردیا۔ لوگوں کو بالطبع اس کام سے
نفرت پیدا ہوگئی جسمیں غیر ملک سے امداد کی توقع کی گئی تھی
اور اسوجہ سے فی الوقت انگلستان میں ولیم کو نئی قوت حاصل ہوگئی
مگر "اتحاد اعظم" کو ابھی بڑی دقتوں کا سامنا درپیش تھا۔ یورپ
میں ولیم کے موجود ہونے کی اسقدر سخت ضرورت تھی کہ وہ
(حسب تصریح بالا) ۱۶۹۱ء کے موسم بہار میں آئرلینڈ کے
کام کو ناتمام چھوڑ کر فلینڈرز کو روانہ ہوگیا۔ ہنری ہشتم کے بعد سے

پہلا موقع تھا کہ انگلستان کے کسی بادشاہ نے انگریزی فوج کے ساتھ براعظم پر قدم رکھا ہو لیکن حلیفوں کی سست روش نے ولیم کی امیدوں کو خاک میں ملا دیا۔ ایک لاکھ فرانسیسیوں نے یکایک ندرلینڈ کے سب سے زیادہ مستحکم قلعۂ مانس پر حملہ کرکے لیوئس کی موجودگی میں اس پر قبضہ کرلیا اور ولیم ایک مختصر سی فوج لئے ہوئے دیکھتا ہی رہگیا۔ اس سے ولیم کو ایسی سخت ذلت نصیب ہوی کہ یہ معلوم ہونے لگا کہ اب اسکے اقبال کا خاتمہ ہے انگلستان میں اس ضرب کا اثر سب جگہوں سے زیادہ محسوس ہوا ٹوروِیل کے حملے سے جو عام غصہ پیدا ہوگیا تھا اس سے حامیان جیمز کی امیدیں ٹوٹ گئی تھیں مگر اب ان میں پھر نئی جان آگئی لارڈ کلیرنڈن اور لارڈ ڈارتمتھ کے ایسے سربرآوردہ ٹوریوں نے جیمز سے مراسلت شروع کردی۔ سازشیں انگلستان میں اس کے ساتھ ہی بعض سربرآوردہ دہگوں نے بھی (جنکا سرگروہ ارل شروسبری تھا) بزعم خود ولیم کی ناشکر گزاری سے برافروختہ ہوکر یہی روش اختیار کی۔ معاملات کی اس صورتِ حال سے لارڈ مالبرا کے دلمیں دہری غدّاری کا خیال پیدا ہوگیا۔ اسکی خواہش یہ تھی کہ بغاوت کے ذریعہ سے ولیم تو تخت سے اتار دیا جائے مگر جیمز بھی تخت نشین نہ کیا جائے بلکہ اسکی لڑکی آین کو ملکہ بنا دیں آین کو مارلبرا کی بیوی سے بہت الفت تھی اور اسوجہ سے مارلبرا کو یہ توقع تھی کہ زمام حکومت اس کے ہاتھ میں آجائے گی ٹورنگٹن کے بجائے اب امیرالبح

رسل بیڑے کا اعلیٰ افسر مقرر ہوگیا تھا، اسکی غداری سے اور بھی زیادہ خطرہ تھا جیمز اپنے تخت کے واپس لینے کے لئے دوبارہ کوشش کرنے کا عزم بالجزم کئے ہوئے تھا اور لیوئس اسکی پشت پناہی پر آمادہ تھا۔ اس کے راستے میں صرف ایک دشواری حائل تھی اور اگر رسل اپنے ادائے فرض میں قصور کرتا تو یہ دشواری بھی رفع ہو جاتی اوائل ۱۲۹۲ء میں تیس ہزار سپاہ ساحلِ انگلستان پر حملہ کرنے کے لئے نارمنڈی میں تیار تھی۔ اس کے لئے باربرداری کے جہازات مہیا ہوگئے تھے اور ٹورڈیل کو حکم دیا گیا تھا کہ برسٹ کے فرانسیسی بیڑے کو لیکر اسکی حفاظت کرے۔ رسل کے پاس اگرچہ اپنے حریف سے دوچند جہازات تھے مگر اس کی نسبت ولیم کے ساتھ دغا کرجانے کا خیال اسقدر قوی تھا کہ لیوئس نے ٹورڈیل کو حکم دیدیا تھا کہ حالات کیسے ہی ناموافق کیوں نہ ہوں، وہ متحدہ بیڑے سے جنگ کرنے میں تامل نکرے اپنی سازشوں سے رسل کا مقصد جوکچھ بھی رہا ہو مگر ہربرٹ نہیں تھا جن حامیان جیمز نے اس سے مراسلت کی تھی انہیں اس نے متنبہ کردیا تھا کہ " یہ خیال نہ کرنا کہ میں اس امر کا روادار ہونگا کہ ہمارے ہی سمندر میں فرانسیسی ہمپر غالب آجائیں۔ اگر میرا انکا مقابلہ ہوگیا تو اگر خود شاہ جیمز اگر بہ نفس نفیس جہاز پر موجود ہوگا تب بھی میں جنگ سے باز نہیں آونگا" جب ہارفلر کی بلندیوں کے سامنے متحدہ بیڑہ فرانسیسی بیڑے کے سامنے آیا تو رسل نے اس پر

بہت شدید حملے کرکے اپنے قول کو سچا کر دکھایا۔ ٹورویل کے
پچاس جہاز حلیفوں کے نوے جہازوں کے مقابلے میں کوئی
حقیقت نہیں رکھتے تھے پانچ گھنٹے کی دلیرانہ نبرد آزمائی کے
بعد فرانسیسی جہازوں کو کانٹنٹن کے پہاڑی ساحل کیطرف بھاگنا
پڑا۔ ان کے بائیس جہاز سنٹ مالو میں پہنچ گئے، تیرہ جہاز ٹورویل
کے ساتھ شربور اور لاہوگ کی خلیجوں میں لنگر انداز ہو گئے مگر
ان کے تعاقب کرنے والے بھی بہت جلد وہاں پہنچ گئے اور
انگریزی کشتیوں سے دلیرانہ حملے کرکے فرانسیسی فوج کی آنکھوں
کے سامنے ان جہازوں کو جلانا شروع کردیا حملہ کا تمام خطرہ
فوراً ہی رفع ہوگیا۔ اس حملے کے بھروسے پر انگلستان میں
حامیان جیمز نے جو سازشیں کی تھیں انکا بھی پتہ چلاکر انہیں
دبادیا اور ولیم کا تخت ہر طرح پر محفوظ ہوگیا لیکن حامیان جیمز
کی امیدوں کا خاتمہ، فتح لاہوگ کا ادنی ترین نتیجہ تھا اسوقت حالات جنگ
کی تبدیلی سے فرانس کا شمار اعلی درجہ کی بحری طاقتوں سے خارج ہوگیا
کیونکہ اگرچہ اس کے بیڑے کی سابقہ قوت بہت جلد بحال
کردیگئی مگر اس کے ملاحوں کو اپنی قوت پر اعتماد نہیں رہا اور
ٹورویل کو پھر کبھی یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ بحری جنگ میں قسمت
آزمائی کرتا علاوہ بریں "اتحاد اعظم" کو ایک اور نئی امید کی
جھلک نظر آنے لگی۔ فرانس کی فتحمندی کا طلسم ٹوٹ گیا۔ اگرچہ
نامیور نے لیوئس کی اطاعت قبول کرلی اور ڈیوک لکسمبرگ
نے اشٹائن کرک میں ولیم پر فتح حاصل کرکے فرانسیسی فوج کی

۱۶۹۲ شہرت کو قائم رکھا۔ لیکن یہ جنگ محض بیکار کی خونریزی تھی۔ فاتحین کے بھی اسیقدر آدمی ضائع ہوئے جسقدر مفتوحین کے ضائع ہوئے تھے۔ اپنی کوششوں کے بیکار جانے سے فرانس میں بددلی اور اضمحلال پیدا ہوگیا تھا۔ عوام کی مصیبتیں حد سے بڑھ گئی تھیں۔ فے نلون نے صاف طور پر لیوئس کو لکھا تھا کہ "ملک ایک وسیع اسپتال بن گیا ہے" ۱۶۹۳ء میں لیوئس کی مہم ندرلینڈز بھی بے نتیجہ ثابت ہوی اور لکسمبرگ نے بمشکل تمام نیرونڈن میں ولیم کے شدید حملے کو پسپا کیا۔ اپنی کامیاب زندگی کے اس طولانی زمانے میں لیوئس کو اب پہلی مرتبہ اپنے غرور کا سر نیچا کرنا پڑا اور اس نے اپنے فتوحات کو ترک کر کے صلح کی خواہش کی۔ اور اگرچہ یہ کارروائی بھی نخوت سے خالی نہیں تھی مگر اس سے یہ ظاہر ہوگیا کہ اب فرانس کے بڑھے ہوئے حوصلوں کا خاتمہ ہوگیا ہے اور "مخالفہ اعظم" کا کام انجام کو پہنچ گیا ہے۔

انگلستان کی پہلی وزارت ظاہرا ۱۶۸۸ء کے انقلاب کا مآل کار صرف یہ معلوم ہوتا تھا کہ انگلستان کی بادشاہت جیمز کے ہاتھوں سے نکلکر ولیم اور میری کو ملگئی ہے، لیکن فی الحقیقت اس انقلاب سے اس عظیم الشان آئینی تحریک میں ایک زبردست وقطعی زور پیدا ہوگیا تھا جو کہ اقتدار شاہی کو بادشاہ سے نکالکر دارالعوام کی طرف منتقل کرتی جارہی تھی۔ جسوقت "قانون حقوق" کے ذریعے سے یہ طے ہوا کہ رعایا پر محصول عاید کرنے کا اختیار

صرف پارلیمنٹ کو حاصل ہے اور پارلیمنٹ نے اپنے عزم واستقلال سے یہ طریقہ رائج کردیا کہ بادشاہ کے لئے رقوم کی منظوری صرف ایک ایک سال کے لئے ہوا کرے گی، اسیوقت سے دارالعوام کو ملک میں سب سے اعلیٰ قوت حاصل ہوگئی تھی۔ اب یہ ممکن نہیں رہا تھا کہ پارلیمنٹ کا اجلاس دائماً ملتوی رکھا جائے بلکہ ایک مدت کے بعد یہ بھی ناممکن ہوگیا کہ پارلیمنٹ کی رائے سے مخالفت کیجائے کیونکہ ان دونوں صورتوں کا نتیجہ یہ ہوتا کہ حکومت کے پاس روپیہ مطلق نہ رہتا، تمام بری و بحری فوج شکستہ ہو جاتی اور جملہ سرکاری ملازمین بیکار ہوجاتے۔

دارالعوام کے اقتدارِ شاہی

یہ آئینی تغیر اگرچہ مکمل ہوگیا تھا مگر حکومت کی کل ہنوز اسطرح درست نہیں ہوی تھی کہ ان مبدل شدہ سیاسی حالات کے موافق ہوسکے۔ دارالعوام کی رائے کیسی ہی زور دار کیوں نہ ہو مگر اس کے پاس کوئی ذریعہ ایسا نہیں تھا کہ اس رائے کا اثر براہ راست معاملات عامہ پر پڑ سکے۔ جن وزراء کے ہاتھوں میں کام کا انصرام تھا وہ پارلیمنٹ کے نہیں بلکہ بادشاہ کے ملازم تھے۔ اپنے کام کے لئے ان کی نظر بادشاہ کی ہدایت کیطرف رہتی تھی اور وہ اپنے کو بادشاہ ہی کا ذمے دار سمجھتے تھے۔ دارالعوام صرف مقدمہ چلانے یا اور کسی دوسرے بالواسطہ طریقے سے بادشاہ کو مجبور کرسکتا تھا کہ جس وزیر نے دارالعوام کی رائے کے خلاف کیا ہے اسے برطرف کردیا جائے مگر آئینی طور پر انہیں یہ اختیار حاصل نہیں تھا کہ اس معزول وزیر

کے بجائے کسی ایسے مدبر کو مقرر کریں جو اس کی رائے پر کار بند ہو۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دارالعوام کا انداز بتدریج ایسا ہوگیا جس سے ولیم اور اس کے وزرا بالکل مایوس ہو گئے۔ جن جماعتوں کو اپنے اختیار کا تو احساس ہوتا ہے مگر اس احساس کے ساتھ اس اختیار کے عملی مشکلات اور اخلاقی ذمے داریوں کا احساس نہیں ہوتا ان میں جس قسم کی خرابیاں، غلبہ واقتدار کا شوق، عزم کی کمزوری اور اختلافات کا زور ہوجاتا ہے بس وہی کیفیت دارالعوام کی ہوگئی تھی۔ دارالعوام جنگ کی ناکامی، تاجروں کی پریشان حالی اور اہل کلیسا کی بددلی کا شاکی تھا، اور ان تمام شکایتوں کا الزام وہ بادشاہ اور وزیروں پر لگاتا تھا لیکن اسے یہ بتانا مشکل تھا کہ کونسی حکمتِ عملی اور کارروائی اختیار کیجاتی جو اس سے بہتر ہوتی۔ لمحہ بہ لمحہ اسکا انداز بدلتا رہتا تھا اور ولیم اس سے سخت نالاں تھا۔ اصل یہ ہے کہ پارلیمنٹ کو نہ تو کسی مسلمہ سرگروہ کی رہبری حاصل تھی، نہ اس کے پاس کافی معلومات تھے اور نہ اس کے اندر وہ نظم و ترتیب تھی جس سے کوئی قطعی روش قائم ہوسکے۔ انگریزوں کی طبیعت کی خلقی سیاسی قابلیت کا ثبوت اس سے بہتر کسی اور امر سے نہیں ملسکتا کہ اس سخت دشواری کا ایک آسان وکارآمد طریقہ فوراً نکل آیا۔ اس کامیابی کا سہرا ایک ایسے شخص کے سر ہے جسکی اخلاقی حالت سیاسیات میں نہایت پست تھی۔ یعنی رابرٹ ارل سنڈرلینڈ سنڈرلینڈ یہ شخص چارلس دوم کے آخری زمانے میں اسکا وزیر تھا اور

کم و بیش جیمز کے تمام زمانۂ حکومت میں وہ وزارت پر قائم رہا مگر یہ قیام صرف اسطرح رہا کہ وہ اپنے آقا کے بدترین مظالم میں شریک ہوگیا تھا، اور درپردہ رومن کیتھولک عقائد کے قبول کرنے کا بھی اقرار کرتا تھا۔جب اسے جیمز کی تباہی کا یقین ہوگیا تو اس نے فوراً ہی ولیم سے اس شرط کے ساتھ معافی و حمایت حاصل کرلی کہ جس آقا پر اس نے اپنے مذہب اور اپنی عزت کو قربان کردیا تھا اس سے بیوفائی کرکے اسکا راز افشا کردیگا۔انقلاب کے بعد سے سنڈرلینڈ کی کوشش یہ رہی تھی کہ وہ دیہات میں گوشہ نشین ہوکر عوام کی نظر سے بچا رہے۔ اب اس نازک موقع پر وہ خفیہ طور پر اس غرض سے بادشاہ کے پاس آیا کہ اپنی ہمیشہ قابلیت سے اسے فائدہ پہنچائے اور اسے یہ صلاح دے کہ دارالعوام کی نئی قوت کو عملاً اس طریق پر تسلیم کرلیا جائے کہ جس فریق کا غلبہ ہو اسی فریق میں سے وزرا کا انتخاب کیا جائے۔اسوقت تک موجودہ زمانے کے مفہوم کے موافق کوئی وزارت قائم نہیں ہوئی تھی۔سلطنت کے جملہ اعلیٰ عہدہ دار (یعنی وزیر خزانہ، وزیر خارجہ، محافظ مہر شاہی) اصولاً ایک دوسرے آزاد تھے۔ ہر ایک ”بادشاہ کا ملازم“ تھا اور اپنے خاص فرائض کی تعمیل کے لئے صرف بادشاہ کا ذمے دار تھا۔کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کلیرنڈن کے مانند کوئی وزیر دوسروں پر حاوی ہوجاتا تھا اور حکومت کے تمام کاموں کو اپنے زیراثر

نیا طریق وزارت

کرلیتا تھا لیکن یہ غلبہ صرف شخصی تھا اور اسے کوئی دوام وقیام بھی نہیں تھا بلکہ اس حالت میں بھی دوسرے وزرا اس مدبر پر جس نے انہیں مغلوب کرلیا ہو مقدمہ چلانے اور اس کی مخالفت کرنے پر آمادہ رہتے تھے۔ بادشاہ بالعموم کسی ایک وزیر کو مقرر یا موقوف کردیتا تھا، دوسرے وزرا کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہوتا تھا۔ وزرا میں اتحاد پیدا کرنے کی فکر سے ولیم اسقدر بیگانہ تھا کہ اس نے یہ کوشش کی تھی کہ فریقوں کا جو تناسب باہر موجود تھا وہی تناسب کابینہ یا مجلس وزرا کے اندر بھی قائم رکھے۔ سنڈرلینڈ کی تجویز یہ تھی کہ وزرا کے اسطرح ایک دوسرے سے آزاد ہونے کے بجائے ایک متفقہ وزارت قائم کرلیجائے۔ ان کا انتخاب ایک ہی فریق سے ہو اور وہ ایک ہی قسم کے خیالات کے نمائندے ہوں اور اپنے فریق کی ذمےداری و وفاداری کے خیال سے ان میں اتحادِ عمل موجود ہو۔ اس تجویز سے نہ صرف انتظام میں ایسی یکرنگی پیدا ہو جانے کی توقع تھی جسکا ابتک گمان بھی نہیں تھا بلکہ خود دارالعوام میں ایک ایسی تنظیم کے پیدا ہو جانے کا یقین تھا جسکی کوئی مثال سابق میں نہیں ملسکتی۔ دارالعوام میں جس فریق کی کثرت ہوتی وزرا انہیں کے قائمقام ہوتے اور بالطبع وہی دارالعوام کے سرگروہ ہوتے۔ چھوٹے چھوٹے فریق ان دو بڑے فریقوں میں جذب ہوجاتے جو وزارت کے موافق یا مخالف ہوتے۔ سب سے بڑھکر یہ کہ اسی ذریعہ سے نہایت آسان طور پر یہ مشکل حل ہو جاتی جس سے

بادشاہ اور دارالعوام دونوں مدت سے پریشان تھے۔ پس اب نئے وزرا صرف نام کے لئے بادشاہ کے ملازم رہگئے تھے، ورنہ درحقیقت وہ دارالعوام کے فریق غالب کی کارکن مجلس کے ارکان تھے اور جب دوسرے فریق کو غلبہ حاصل ہوجاتا تو وہ بہت آسانی کے ساتھ علیحدہ کئے جاسکتے تھے اور ان کے بجاے ویسی ہی دوسری مجلس مقرر ہوسکتی تھی۔

(جنٹو (جنتھا) اسطرح پر قائمقامانہ حکومت کے اس طریقے کی ابتدا ہوی جو سنڈرلینڈ کے وقت سے اسوقت تک چلا آرہا ہے۔ سنڈرلینڈ کی اس تجویز کو سمجھ لینے اور اسے قبول کرلینے سے خود ولیم کی فراست سیاسیہ کا ثبوت ملتا ہے مگر اس پر عمل کرنے میں اس نے بہت حزم و احتیاط سے کام لیا۔ خیالات میں عارضی طور پر تغیر ہو جانے کے باوجود بھی سنڈرلینڈ کا یقین یہی تھا کہ درحقیقت ابھی تک وہگوں کا پلہ بھاری ہے۔ وہ لوگ نہ صرف انقلاب کے اصول کے فطرتی قائمقام اور جنگ کے حامی تھے بلکہ پارلیمنٹی اور انتظامی قابلیت میں بھی اپنے مخالفین سے بڑھے ہوئے تھے۔ وہ ایسے سرگروہوں کے زیر اثر تھے جو اپنے اتحادِ خیال و اتفاقِ عمل کے باعث جنٹو (جنتھے) کے نام سے مشہور ہوگئے تھے۔ ان میں رسل ابھی تک سب سے زیادہ ممتاز تھا اور وہ لاہوگ کا فاتح تھا۔ جان سامرس ایک وکیل تھا جس نے "اساقفہ سبعہ" کی پیروکاری میں شہرت حاصل کی تھی۔ لارڈ وہارٹن گروہ بندی کے انتظام میں سب سے زیادہ چالاک و بے باک

شخص سمجھا جاتا تھا۔ مانٹیگو کی نسبت بہت تیزی کے ساتھ یہ
شہرت ہوتی جاتی تھی کہ انگریزوں میں مالی کاموں کے متعلق
وہ سب سے زیادہ قابل شخص ہے لیکن با ایں ہمہ اگر ٹوریوں
نے جنگ کے مخالف روش نہ اختیار کی ہوتی اس امر میں شک
ہے کہ بحالات موجودہ ولیم خود کو تمامتر وہگ وزرا کے ہاتھوں ۱۶۹۴
میں دیدیتا یا نہیں۔ فرانس اگرچہ تھک گیا تھا مگر جنگ کا سلسلہ ہنوز
جاری تھا اور حلیفوں کو ہنوز ایک فتح بھی حاصل نہیں ہوئی تھی۔
اس کے ساتھ ہی فرانس کے غارتگر جہازوں نے انگلستان کی تجارت
کو بالکل ہی تباہ کردیا تھا اور محصولوں کے اضافے سے قوم حیران
و ششدر ہوگئی تھی۔ ٹوری، "محالفہ اعظم" کی تائید میں ہمیشہ سستی سے
کام لیتے رہے تھے اب اس موقع پر وہ صلح کے لئے زور دینے
لگے تھے۔ ادہر ولیم کے خیال میں فرانس کا مقابلہ سب پر مقدم
تھا اس لئے وہ مجبور ہوکر آہستہ آہستہ سنڈرلینڈ کی تجویز کیطرف مائل
ہوتا گیا۔ مانٹیگو نے پہلے ہی جنگ کی اشد ضروریات کا انتظام ایک قومی قرضہ
قومی بنک کے اجرا سے کرنا چاہا تھا۔ یہ تجویز دراصل اسکاٹلینڈ کے ۱۶۹۴
ایک شخص ولیم پٹرسن کی تھی جسے اب مانٹیگو نے اختیار کرلیا تھا۔
اس نئے بنک کا نام بنک آف انگلینڈ رکھا گیا۔ روپئے کے لین دین
میں اس کا طریقہ معمولی بنکوں کا سا تھا لیکن درحقیقت اس سے
یہ کام لیا جاتا تھا کہ اس کے توسط سے عوام سے سلطنت
کی اس باضابطہ ذمہ داری کے ساتھ روپیہ قرض لیا جاتا کہ بروقت
مطالبہ ادا کردیا جائے گا۔ بارہ لاکھ پاؤنڈ کا قرضہ عوام کے لئے

جاری کیا گیا اور اس قرضے میں شریک ہونے والوں کی ایک سندیافتہ کمپنی (شراکت) قائم کیگئی اور آئندہ قرضوں کا انصرام انہیں کے ہاتھ میں دیدیا گیا۔ دس روز کے اندر ہی اندر قرض دہندوں کی فہرست مکمل ہوگئی۔ قومی دولت کی اس وسعت کے انگلستان سے ایک نئی قوت پیدا ہوگئی۔ سلطنت کے اس قرضہ کو قومی قرضہ کے نام سے موسوم کیا گیا اور اس کی سریع ترقی، شاہان اسٹوارٹ کی واپسی کے خلاف ایک نئی ضمانت بنگئی کیونکہ اگر وہ واپس آتے تو پہلا کام یہی کرتے کہ ان قرض دہندوں کے دعاوی کو مسترد کردیتے۔ سلطنت کی اس ساکھ سے دوسرے ممالک میں ولیم کو ایک تقویت حاصل ہوگئی اور اندرون ملک میں بھی سنڈرلینڈ کی صلاح کے خاموشی کے ساتھ عمل میں آجانے کے بعد اتحادِ عمل کی ایک نئی صورت پیدا ہوگئی۔ ٹوری وزرا مانٹیگو کی کامیابی سے پہلے ہی کمزور ہوچکے تھے، وہ اب ایک ایک کرکے خارج کردئے گئے اور ان کے بجائے جنٹو کے ارکان مقرر ہوگئے۔ رسل، امیرالبحر ہوگیا، سمرس محافظِ مہر شاہی بنگیا۔ شروسبری وزیر خارجہ اور مانٹیگو وزیر خزانہ مقرر ہوگئے۔ یہ تغیر ابھی مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ اس کا اثر محسوس ہونے لگا۔ دارالعوام نے ایک نیا لب ولہجہ اختیار کیا۔ فریق وہگ اپنے اتحاد و انتظام کیوجہ سے دارالعوام میں غالب تھا، اور اب وہ اپنے فطری سرگرموں میں بادشاہ کے وہگ وزرا کے اشارے پر بے عذر چلنے لگا۔ میری کے انتقال کے بعد ولیم کے رتبہ کو جو صدمہ پہنچا

ملکہ میری کا انتقال ۱۶۹۴

تھا، اس تغیر سے اس کے مقابلے کی قوت پیدا ہوگئی۔ٹوریوں کے نئے حملوں سے ظاہر ہوگیا کہ ولیم کے اکیلے رہ جانے سے ان کے دلوں میں کیا کیا نئی امیدیں جوشزن ہوگئی ہیں، لیکن پارلیمنٹ (جسے بادشاہ نے قانون سہ سالہ کے منظور کر لینے سے حال ہی میں خوش کردیا تھا) برابر وزرا کا ساتھ دیتی رہی، اور بیرون ملک کی کامیابیاں اس وفاشعاری کا صلہ تھیں۔ ۱۶۹۵ء میں نامیوُر کی تسخیر سے "محالفۂ اعظم" کو فرانس کے مقابلے میں پہلی مرتبہ ایک فتح عظیم نصیب ہوئی۔ اس فتح سے فائدہ اٹھانے کے لئے بادشاہ نے ازراہ دانشمندی ایک نئی پارلیمنٹ طلب کی اور اس کے ارکان کی پرزور تائید جنگ نے فوراً یہ ظاہر کردیا کہ انکا خیال کیا ہے لیکن پارلیمنٹ ولیم کے ہاتھ میں محض کٹھ پتلی نہیں تھی۔اُس نے ولیم کو مجبور کیا کہ اُس نے اپنے ہالینڈ کے رفیقوں کو جو بڑی بڑی جاگیریں دیدی تھیں وہ ان سے واپس لیلے اور اسکاٹلینڈ کے ان وزرا کو برطرف کردے جنہوں نے خاکنائے ڈیریئن میں اہل اسکاٹلینڈ کی نوآبادی قائم کردی تھی۔ انہوں نے اپنے لئے اس حق کا بھی مطالبہ کیا کہ معاملات تجارت کے انتظام کے لئے جو نئی "مجلس تجارت" قائم ہوئی ہے ۱۶۹۶
اس کے ارکان کو پارلیمنٹ نامزد کرے۔مطابع پر احتساب قائم کرنے کی تجویز کو انہوں نے نامنظور کردیا اور یہ بھی طے کردیا کہ آیندہ اس کی تجدید نہ ہو لیکن کسی قسم کی فریقانہ مخالفت نہیں ہوئی۔وزارت کی قوت اسدرجہ بڑھی تھی کہ جب لوگوں نے

سکوں کو تراشتے تراشتے معینہ قیمت کے نصف سے بھی کم کردیا اور سکے میں اصلاح کرنا پڑی (جس سے فی الوقت ایک عام پریشانی پیدا ہوگئی) تو مانٹیگو نے کامیابی کے ساتھ اس پریشانی کا مقابلہ کیا اور اس اصلاح کے باعث مالی دقتوں کے پیدا ہوجانے کے باوجود ولیم برابر فرانسیسوں کے مقابلے میں قدم جمائے رہا۔

صلح ریسوِک

لیکن جنگ جلد جلد اختتام کو پہنچ رہی تھی۔ لیوائش صرف اسلئے لڑ رہا تھا کہ وہ زیادہ مفید شرایط پر صلح کرسکے اور اگرچہ ولیم کا خیال یہ تھا کہ "فرانس سے صرف اسطرح صلح ہوسکتی کہ تلوار ہمارے ہاتھ میں ہو" پھر بھی صلح کے لئے اسکا اشتیاق لیوئس سے کم نہیں تھا۔ سیوائے کی غداری کی وجہ سے یہ ناممکن ہوگیا کہ حلیفوں کی ابتدائی غرض پوری ہوسکے یعنی فرانس کو ان حدود کے اندر رہنے پر مجبور کردیا جائے جو صلح ویسٹ فلیا کے وقت میں نہیں تھی۔ ادھر اسپین کی جانشینی کا مسئلہ بھی یوماً فیوماً قریب آتا جاتا تھا۔ پس معاملات کے روبراہ آنے میں، اسپین اور شہنشاہی کیجانب سے جو رکاوٹیں پیدا کی جارہی تھیں انہیں ولیم اور لیوئس نے باہمی مراسلت سے طے کرلیا اور ۱۶۹۷ء میں صلح ریسوِک کی تکمیل ہوگئی۔ میدانِ جنگ کی شکست و ناکامی کے باوجود ولیم ہی کی حکمتِ عملی کو فتح حاصل ہوئی۔ اتحادِ یورپ کے مقابلہ میں فرانس کے فتوحات بیکار ہوگئے اور ریشلیو کے بعد سے یہ پہلا موقع تھا کہ فرانس کو اپنی درماندگی و خستگی کے باعث غیر مفید شرایط پر صلح کرنا پڑی۔

صلح نیمے گوئن کے بعد سے اس نے شہنشاہی کے جن حصوں کو ملحق کرلیا تھا وہ باستثنائے اسٹراسبرگ سب کے سب اسے چھوڑنا پڑے۔ بدقسمتی سے جرمنی کے سیفروں نے تساہل سے کام لیا ورنہ اسٹراسبرگ بھی واپس ہوجاتا۔ لیوئس نے لکسمبرگ اور نیدرلینڈ کی جنگ کا تمام ملک مفتوحہ اسپین کو واپس کردیا۔ ڈیوک لورین دوبارہ اپنی مملکت پر بحال کردیا گیا۔ صلح کی ایک اس سے بھی زیادہ اہم شرط یہ قرار پائی کہ لیوئس نے شاہان اسٹوارٹ کی رفاقت کے چھوڑ دینے اور ولیم کو انگلستان کا بادشاہ تسلیم کرلینے کا اقرار کیا۔ تمام یورپ کے لئے ریزوک کی یہ صلح درحقیقت ایک عارضی صلح سے زیادہ نہیں تھی لیکن خاص انگلستان کے لئے یہ صلح ایک طولانی و سخت کشمکش کا اختتام اور سیاسی تاریخ کے ایک نئے دور کا آغاز ثابت ہوی۔ معاہدہ ڈوور کے وقت سے شاہان اسٹوارٹ اور لیوئس کے درمیان یہ سازش ہوتی آتی تھی کہ انگلستان کو رومن کیتھولک اور فرانس کا تابع بنادیا جائے، اب اس صلح سے نہ صرف اس اندیشہ کا حتمی و قطعی طور پر خاتمہ ہوگیا، بلکہ کچھ اس سے بھی زیادہ ہوگیا؛ یعنی یورپ کی طاقتوں کے توازنِ قوت کو توڑنے کے خلاف انگلستان ایک مستقل مرکز بنگیا۔

جزو نہم

مارلبرا

۱۶۹۸ – ۱۷۱۲

{اسناد:- میکالے کی بلند پایہ تصنیف کم وبیش صلح ریسوک کے حالات تک پہنچکر ختم ہوجاتی ہے، مگر لارڈ اسٹینہوپ نے اس کتاب کو "تاریخ انگلستان بعہدِ ملکۂ این" (History of England under Queen anne) کے نام سے زمانۂ زیرِ بحث تک وسعت دی ہے۔ مارلبرا کے حالات کیلئے خاص قابل سند کتاب اس کی سوانح عمری مصنفۂ آرکڈیکن (صدر شماس) کاکس، اور خود ڈیوک کے "مراسلات" ہیں۔ فرانسیسی حیثیت سے مارٹن نے جنگ کی کیفیات اور باہمی گفت وشنود کے حالات کو بہت احتیاط کے ساتھ اپنی تصنیف "تاریخ فرانس (Histoire de France) میں بیان کئے ہیں اور اس کتاب میں یہ حصہ سب سے زیادہ صحیح اور سب سے زیادہ قابل اعتماد شمار ہوتا ہے۔ ٹوریوں کی مخالفت کی کیفیت سوئفٹ کے "روزنامچہ اسٹیلا" (Jaunal to Stalla) اور بالنگبروک کے مراسلات سے واضح ہوتی ہے۔}

اسپین کی جانشینی کا مسئلہ

اپنے غرور کو ترک کرکے صلح ریسوک کی سی ذلت آمیز شرائط کے منظور کرلینے میں لیوس ۱۴ کا خیال فرانس کی خستگی وورماندگی سے زیادہ اس جانب مائل تھا کہ وہ ایک جدید

دو وسیع تر جدّ وجہد کی تیاری کے لئے اس قسم کی صلح کو ضروری سمجھتا تھا۔ ہر شخص یہ جانتا تھا کہ چارلس دوم (شاہ اسپین) کوئی دن کا مہمان ہے اور اس کے انتقال کے ساتھ ہی ان آسٹروی شہزادوں کا سلسلۂ ذکور منقطع ہو جائے گا جو دو سو برس سے اسپین پر حکومت کرتے رہے ہیں۔ یورپ میں اسپین اپنے بلند درجے سے جس قدر پست ہو گیا تھا اس کی حیرت انگیز حقیقت لیوئی کے معرکوں سے بخوبی منکشف ہو گئی تھی پھر بھی اس کے مقبوضات اس قدر وسیع اور اس کے ذرائع مداخل اس قدر کثیر تھے کہ عام طور پر یہ یقین کیا جاتا تھا کہ جس وقت بھی کوئی پُرزور بادشاہ تخت پر متمکن ہو جائے گا ملک کی قدیم طاقت وسطوت فوراً عود کر آئے گی۔ شاہِ اسپین اب بھی اپنے خاص ملک کے علاوہ قدیم وجدید دنیا کے بعض بہترین حصص پر قابض تھا، ملان، نیپلز، سسلی، ندرلینڈز، جنوبی امریکہ اور بحر اسپین کے زرخیز جزیرے سب پر اس کا پرچم لہراتا تھا۔ ایسی وسیع سلطنت لیوئی یا شہنشاہ دونوں میں سے کسی کی مملکت میں بھی شامل ہو جاتی، تو اس کا نتیجہ یہی ہوتا کہ ولیم نے اپنی کوششوں سے یورپ میں جو آزادی پیدا کی تھی اس کا خاتمہ ہو جاتا۔ اسی نتیجے سے بچنے کے لئے ولیم نے صلح ریسوک کے ذریعے سے جنگ فرانس سے خلاصی حاصل کی تھی۔ اس وقت تختِ اسپین کے تین دعویدار تھے:۔ پہلا دعویدار فرانس کا ولیعہد تھا جو شاہ اسپین کی بڑی بہن کا بیٹا تھا۔ دوسرا دعویدار بادشاہ

کی چھوٹی بہن کا پوتا والی بیویریا اور تیسرا چارلس کی پھوپھی کا لڑکا "شہنشاہ" تھا اگر اس معاملے میں صرف قانون کو دخل ہوتا تو شہنشاہ کا حق سب سے زیادہ قوی تھا، کیونکہ ولیعہد فرانس کا حق یوں زائل ہوگیا تھا کہ جب اس کی ماں نے لیوئس چہارم سے عقد کیا تھا تو اس نے (یعنے ملکہ فرانس نے) جانشینی کے جملہ حقوق سے دست برداری ظاہر کردی تھی اور یہی حال بیویریا کے دعویدار کا بھی تھا۔ سلسلۂ نسب کے اعتبار سے اگرچہ شہنشاہ کا حق زیادہ بعید تھا مگر اس میں کسی قسم کی دست برداری کا دخل نہ تھا۔ لیکن یورپ کے فائدے کے خیال سے ولیم جس طرح لیوئس کے حق کو روکنے پر عزم مصمم کئے ہوئے تھا اسی طرح وہ "شہنشاہ" کے حق کے روکنے پر بھی مصر تھا۔ وہ یہ جانتا تھا کہ لڑائی جاری رہی اور اسپین، "مخالفۂ اعظم" کے رکن کی حیثیت سے فرانس سے برسر جنگ اور شہنشاہ سے متحد رہا تو خاندان آسٹریا کا جانشین ہوجانا یقینی تھا، اور اسی خیال سے ولیم نے جنگ کو دفعتہً ختم کر کے عہد نامہ ریسوک کی تکمیل کردی۔ اگر انگلستان اور ہالینڈ، ولیم کے ہم خیال ہوتے تو وہ اس پر زور دیتا کہ تنہا والی بیویریا کو تمام مملکت اسپین کا جانشین بنا دیا جائے مگر یہ دونوں ملک جنگ سے عاجز آگئے تھے، انگلستان میں صلح کے بعد ہی دارالعوام کے اصرار پر فوج کی تعداد چودہ ہزار تک گھٹادی گئی اور اس تعداد کے بھی برطرف کردینے کا مطالبہ شروع ہوگیا تھا۔ اس حالت میں ضروری ہوگیا کہ بقیہ دونوں رقیبوں کو کچھ کچھ دیگر اپنے حقوق کے ترک کرنے پر

راضی کیا جائے۔پس سنہ ۱۶۹۸ء میں انگلستان، ہالینڈ اور فرانس کے درمیان جو پہلا "معاہدہ تقسیم" عمل میں آیا اس کے رو سے یہ قرار پایا کہ والیِ بیویریا کی جانشینی اس شرط سے تسلیم کی جائے کہ اسپین اپنے اطالوی مقبوضات فرانس و شہنشاہ کو دیدے۔ ملان شہنشاہ کی طرف منتقل ہوجائے اور مملکت سسلی مع سرحدی صوبہ گوئی پُرکوا کے فرانس کو مل جائیں۔لیکن اس معاہدے کی تکمیل کے بعد ہی والیِ بیویریا کا انتقال ہوگیا اور معاہدہ ایک ردی کاغذ رہگیا آسٹریا و فرانس اب ایک دوسرے کے سامنے تھے اور ایک مہیب جدال وقتال کے وقوع پذیر ہونے سے کوئی مفر نظر نہیں آتا تھا۔اس زور آزمائی میں دونوں میں سے جس کو کامیابی حاصل ہوتی یورپ کی آزادی کے حق میں دونوں کی مضرت یکساں تھی۔خطرہ اس وجہ سے اور بھی زیادہ بڑھ گیا کہ انگلستان کی روش کے باعث ولیم کے پاس کوئی ذریعہ باقی نہیں رہا تھا کہ وہ اپنی حکمت عملی کو بزور عمل میں لاسکے۔جنگ نے تاجروں کو جس مصیبت میں مبتلا کردیا تھا، اور قرض و محصول کا جو بار رعایا پر پڑ گیا تھا اسکی وجہ سے قوم میں یوماً فیوماً نفرت بڑھتی جاتی تھی اور اس عام بددلی نے ولیم کو اور اس فریق کو جس نے جنگ کی تائید کی تھی اپنے انتقام کا نشانہ بنایا۔بادشاہ بالطبع اپنے ہالینڈ والے ندیموں کا طرفدار تھا، سنڈرلینڈ پر اسے اعتماد تھا، اس کا انداز خشک و درشت تھا، مستقل فوج کے قائم رکھنے کا وہ بہت کوشاں تھا، ان باتوں نے اس کی ہر دلعزیزی کا خاتمہ کردیا تھا۔سنہ ۱۶۹۸ء

پہلا معاہدہ تقسیم ۱۶۹۸

کے انتخاب پارلیمنٹ میں ان ٹوریوں کو کثرت حاصل ہوگئی جنہوں نے امن کے قائم رکھنے کا اقرار کیا تھا۔ نئی پارلیمنٹ پر جنٹو (Junto) کو مطلق اقتدار باقی نہیں رہا۔ مانٹیگو اور رسل کے مستعفی ہوجانے کے بعد وہگ وزارت برطرف کردی گئی اور انتظام پھر سامرس اور اس کے دوستوں کے ہاتھ میں آگیا۔ یہ انتظام معتدل خیال ٹوریوں پر مشتمل تھا اور لارڈ روچیسٹر اور لارڈ گڈالفن ان کے رہبر تھے۔ فوج اب تک چودہ ہزار کی تعداد پر قائم تھی وہ کم کرکے سات ہزار کردی گئی۔ ولیم کی منکسرانہ درخواست کے باوجود پارلیمنٹ اپنے اس عزم سے نہ باز آئی کہ ولیم اپنے ہالینڈ والے محافظوں کو ملک سے باہر بھیجدے۔ جنگ کے وقت بحری سپاہ کی تعداد چالیس ہزار تھی۔ اب گھٹاکر آٹھ ہزار کردی گئی۔ انگلستان کی اس امن پسندی کے باعث ولیم کا زور جس قدر گھٹ گیا تھا اس کا اندازہ دوسرے معاہدہ تقسیم سے ہوسکتا ہے۔ یہ معاہدہ دونوں بحری طاقتوں (یعنی انگلستان وہالینڈ) اور فرانس کے درمیان ہوا تھا لیوئس کا یہ مطالبہ تو منظور نہیں ہوا کہ ندرلینڈز والی بویریا کو دیدیا جائے (کیونکہ بحالت موجودہ والی مذکور شاہ فرانس کے ہاتھ میں محض کٹھ پتلی تھا) مگر اسپین، ندرلینڈز اور ممالکِ امریکہ کاشہنشاہ کے دوسرے بیٹے آرک ڈیوک چارلس (آسٹریا) کو اور اسپین کے جملہ اطالوی مقبوضات کا فرانس کو دیا جانا طے ہوگیا۔ اور اسکے ساتھ ہی یہ اجازت بھی دیدی گئی کہ ملان کا تبادلہ لورین سے کرلیا جائے اور لورین کے ڈیوک کے جملہ تعلقات لورین سے

جنٹو کا زوال

دوسرا معاہدہ تقسیم
۱۷۰۰

منقطع کرکے وہ ملاؔن کا ڈیوک بنا دیا جائے۔ معاہدین کے درمیان یہ قرار پا گیا تھا کہ اگر شہنشاہ اس معاہدے کے نہ ماننے پر مصر رہے تو اس کے بیٹے کا حصّہ ایک دوسرے شہزادے کو دیدیا جائے جس کا نام نہیں لیا گیا تھا مگر باغلب وجوہ وہ شہزادہ ڈیوک سیوائے تھا۔

دوسرا مخالفہ اعظم

شہنشاہ نے اس پر بھی اعتراض کیا مگر جب تک یولئیؔس اور دونوں طاقتیں متحکم طور پر متفق تھیں اس کا اعتراض "بے وزن تھا" علی ہذا اسپیؔن کی سرگرانی کا بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ اسپینیوں کو اس کی تو کچھ پروا نہ تھی کہ چارلسؔ دوم کے تخت پر فرانسیسی شہزادہ بیٹھتا ہے یا آسٹروی لیکن ان کا غرور انہیں اس امر کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ وہ اسپیؔن کے اطالوی مقبوضات کے الگ ہو جانے سے اپنی بادشاہت کے ٹکڑے ہوتے دیکھیں اور قریبِ مرگ بادشاہ بھی اس غصّے میں اپنی رعایا کے ساتھ شریک تھا، جو متخاصم فریق اس کے بستر مرگ کے قریب جمع تھے انہوں نے اس سے بزور ایک وصیت نامہ حاصل کر لیا کہ اسپیؔن کی کل مملکت ولیعہد فرانسؔس کے دوسرے بیٹے ڈیوک آنژوؔ کو دیدی جائے۔ معاہدہ تقسیم ابھی بالکل تازہ تھا اور اس وصیت کے قبول کرنے کے خطرے بھی بہت بڑھے ہوئے تھے ان وجوہ سے یولئیؔس کو اس کے قبول کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ مگر اس نے صرف اس یقین کی بنا پر اسے قبول کر لیا کہ انگلستاؔن کی روش کے باعث ولیم کی مخالفت لازماً بیکار

ہو جائے گی اور حقیقت بھی یہی تھی کہ انگلستان اس زمانے میں جنگ سے اِس قدر متنفر تھا کہ اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ ولیم کی خارجی طرز عمل کی مخالفت اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ لوگ علانیہ شاہ فرانس کی تعریف کرتے تھے۔ انگلستان میں ایک بچے کی جانشینی سے کسی کو مطلق اندیشہ نہیں معلوم ہوتا تھا کیونکہ یہ یقین تھا کہ اگرچہ وہ نسلاً فرانسیسی ہے مگر اپنے گرد وپیش کے طبعی حالات کے باعث بہت جلد وہ اسپینی بن جائے گا اور ایسا ہی ہوا۔ ڈیوک آنژو کا شاہِ اسپین ہوجانا اس سے بدرجہا بہتر معلوم ہوتا تھا کہ آخری معاہدۂ تقسیم کے رو سے فرانس کی قوت میں اضافہ ہو جائے۔ فرانس اگر اسپین کے اطالوی مقبوضات پر قابض ہوجاتا تو بقولِ عوام بحیرۂ روم ایک فرانسیسی خلیج بن جاتا، ترکی اور امریکہ کے ساتھ انگلستان کی تجارت خطرے میں پڑجاتی اور فرانس کی بحری قوت خوفناک حد تک بڑھ جاتی۔ ولیم نے بہت تلخ کامی کے ساتھ لکھا تھا کہ "مجھے یہ دیکھکر دلی صدمہ ہوتا ہے کہ ہر شخص فرانس سے خوش ہے کہ وصیت کو معاہدے پر ترجیح دی"۔ ولیم کو اپنے حریف کی اس بدعہدی پر حیرت وغصّہ ضرور تھا مگر نیچا دکھانے کا کوئی ذریعہ اسکے پاس نہیں تھا۔ ڈیوک آنژو، میڈرڈ میں داخل ہوگیا اور لیوئس فخراً کہنے لگا کہ اب کوہستان پرنیز کا کہیں پتہ نہیں ہے۔ معلوم ہوتا تھا کہ ولیم کی زندگی بھر کا کام برباد ہوگیا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا آخری وقت قریب آگیا ہے۔ کھانسی کسی طرح رُکتی نہیں تھی، آنکھیں حلقے پڑجانے سے بھیانک سی معلوم ہوتی تھیں، جسم اس قدر

ڈیوک آنژو اسپین میں ۱۷۰۱

کمزور ہوگیا تھا کہ وہ اپنی کوچ تک مشکل سے پہنچ سکتا تھا لیکن اس کی طبیعت کی عظمت کا اظہار اس سے زیادہ اور کسی وقت میں نہیں ہوا۔ مشکلات کے ساتھ ساتھ اس کی ہمّت اور بلند ہوتی جاتی تھی۔ انگلستان کی فرقہ بندیوں کے باعث اس کی ذات پر جو حملے کئے گئے تھے ان سے اگرچہ اس کی طبیعت میں اشتعال پیدا ہوگیا تھا مگر اپنے عزم وارادے کی قوت سے اپنے اشتعال کو فرو کردیا۔ وہ اپنی پیش بینی اور بلند نظری سے ان اہم اغراض کو اچھی طرح سمجھتا تھا جن کا انجام کار میں یورپ کی سیاسیات پر اثر پڑنے والا تھا اور جنہیں فرانسیسی حکمتِ عملی کی عارضی دقتوں اور انگلستان کی حریفانہ کوششوں نے الحال نظروں سے پوشیدہ کردیا تھا۔ ملک کے اندر اور ملک کے باہر تمام حالات اسکے مخالف معلوم ہوتے تھے۔ سوائے ہالینڈ کے کوئی اسکا حامی نہیں رہا تھا، اسپین اب فرانس کے ساتھ ہوگیا تھا، بیویریا کی طرز عمل سے جرمنی میں تفرقہ پیدا ہوگیا تھا اور خاندانِ آسٹریا دقت میں پڑگیا تھا؛ نوبت اس حد تک پہنچ گئی کہ والیِ بیویریا (جسے اسپینی ندرلینڈز سپرد ہوا تھا اور جس پر ولیم کو بھروسہ تھا) سب سے اول علانیہ طور پر فرانسیسیوں کے ساتھ ہوگیا اور بروسلز میں ڈیوک آنژو کی بادشاہت کا اعلان کردیا۔ انگلستان میں نئی پارلیمنٹ میں ٹوری بھرے ہوئے تھے اور یہ لوگ سختی کے ساتھ جنگ کے خلاف تھے۔ ٹوری وزارت نے ولیم پر زور دیا کہ وہ اسپین کے نئے بادشاہ کو تسلیم کرلے اور جب ہالینڈ تک نے اسکی

بادشاہت کو تسلیم کرلیا تو ولیم کو بھی بدرجۂ مجبوری یہی کرنا پڑا۔ اسے اپنی کار برآری کے لئے اب صرف لیوئس کی حرص وطمع پر بھروسہ تھا اور اس کا یہ خیال غلط نہیں ثابت ہوا۔ شاہِ فرانس کی کاردائی کی پسندیدگی کی وجہ یہ تھی کہ لوگ یہ یقین کرتے تھے کہ وہ نئے بادشاہ کے تحت میں اسپین کو اسپینیوں کے لئے چھوڑ دیگا۔ انگلستان کے اندر وہگ اور ٹوری میں مخالفت کیسی ہی شدید کیوں نہ رہی ہو مگر دو باتوں پر دونوں متفق تھے:۔ اولاً یہ کہ کوئی فریق اس امر پر راضی نہیں تھا کہ ندرلینڈز پر فرانس کا قبضہ ہوجائے۔ دوسرے یہ کہ دونوں فریقوں میں سے کوئی بھی اسکا روادار نہیں تھا کہ ۱۶۸۸ء کے انقلاب نے انگلستان میں جو پروٹسٹنٹ سلسلہ شاہی قائم کردیا ہے، فرانس اسے درہم برہم کردے۔ لیکن اس خوش نصیبی کے وقت لیوئس کی نخوت نے اسے اعتدال کی ضرورت کی طرف سے اندھا بنا دیا۔ اس نے اپنے پوتے کے نام سے ان سات قلعوں میں جو "ثغور ہالینڈ" کے نام سے مشہور تھے، نیز آسٹنڈ اور سواحل فلینڈرز کے شہروں میں فرانسیسی فوجیں متعین کردیں۔ اس وقت انگلستان کی امن پسند پارلیمنٹ تک نے ولیم کے اس مطالبہ سے اتفاق کرلیا کہ فوجیں واپس بلالیجائیں اور اس نے ولیم کو یہ اختیار دیدیا کہ وہ ہالینڈ کے ساتھ دفاعی معاہدہ کرلے۔ با ایں ہمہ بادشاہ کی طرز عمل پر سختی کے ساتھ الزام لگایا گیا اور اس کے سابق وزرا، سامرس، رسل، اور مانٹیگو پر (جو اب طبقۂ امرا میں داخل ہوگئے تھے)

انگلستان اور جنگ

عہدناموں میں شریک کار ہونے کی علت میں مقدمات قائم کئے گئے - لیکن یہ حالت صرف دارالعوام کے اندر تک محدود تھی، ورنہ باہر کی کیفیت یہ تھی کہ لیوئش کے منصوبے جس قدر عیاں ہوتے جاتے تھے اسی قدر قومی خیالات کی رو بدلتی جاتی تھی- لیوئس نے ہالینڈ کی سرحد دوبارہ قائم کئے جانے سے انکار کردیااور رود بار میں ایک بہت بڑا فرانسیسی بیڑا جمع ہوگیا- اس بیڑے کے اجتماع سے یہ یقین کیا جاتا تھا کہ حامیانِ جیمز نیا حملہ کرنا چاہتے ہیں- جیمز کے وزرا کا ایک خط گرفتار ہوکر پارلیمنٹ کے روبرو پیش ہوا جس سے ظاہر ہوگیا کہ واقعی حملے کی تجویز درپیش ہے - اس خط کو دیکھکر دارالعوام بھی برافروختہ ہوگیا اور فوج بحری کی تعداد تیس ہزار تک اور فوج برّی کی تعداد دس ہزار تک بڑھادی گئی- کنٹ کے ٹوریوں کی فرقہ بندی کے خلاف ایک اعتراض نامہ روانہ کیا گیا کہ یہ لوگ ابھی تک بادشاہ کی حکمت عملی کے خلاف کوشاں ہیں، اس اعتراض نامے میں یہ درخواست کی گئی تھی کہ بادشاہ کے حضور میں عرضداشت پیش کرنے کے بجائے رقوم امداد کی منظوری پیش کرنا چاہئے، خیالات کے اس تغیر کو دیکھکر ولیم کو یہ ہمت ہوئی کہ اپنے ہالینڈ میں ایک انگریزی فوج بھیجدی اور صوبہ جات متحدہ سے یہ خفیہ معاہدہ کرلیا کہ نیدرلینڈز، لیوئس کے ہاتھ سے نکال لیا جائے، اور نیدرلینڈز و ملان دونوں خاندان آسٹریا کو دیدئے جائیں تاکہ اس ذریعے سے فرانس کی نئی

جیمز کا انتقال
طاقت کا توڑ ہوجائے لیکن اس پر بھی انگلستان کسی طرح سے ان کے توقعات کو ترک نہیں کرتا تھا یہاں تک کہ لیوئس کی ایک حرکت سے اسے دفعتہً جنگ پر مجبور ہوجانا پڑا۔ لیوئس نے صلح ریسوِک کے رو سے ولیم کو انگلستان کا بادشاہ تسلیم کرلیا تھا اور اقرار کیا تھا کہ وہ اس کے تخت سے اتارنے کی تمام کارروائیوں کی مخالفت کرے گا، مگر اب اس کا کچھ لحاظ نہ کرکے لیوئس بہ مقام سینٹ جرمین، جیمز کی خوابگاہ میں گیا جہاں وہ معزول بادشاہ آخری سانس لے رہا تھا اور اس سے یہ وعدہ کرلیا کہ وہ اسکے انتقال کے بعد اس کے بیٹے کو انگلستان، اسکاٹلینڈ اور آئرلینڈ کا بادشاہ تسلیم کرلے گا۔ یہ وعدہ درحقیقت اعلانِ جنگ کے مرادف تھا اور آناً فاناً تمام انگلستان لیوئس کے خلاف متحد ہوگیا۔
ستمبر ۱۷۰۱ء

لیوئس نے اب جو بحث پیدا کردی تھی وہ یورپ کے سیاسیات تک محدود نہیں تھی بلکہ سوال یہ تھا کہ انگلستان میں انقلاب نے جو کام انجام دیا ہے وہ پلٹ دیا جائے گا یا قائم رہے گا اور آیا فرانس کی فوج کی مدد سے انگلستان کے تخت پر مذہب کیتھولک اور مطلق العنانی کا تسلط ہوجائے گا یا نہیں۔ اس قسم کے معاملات میں ٹوری اور وہگ میں مطلق کسی قسم کا اختلاف نہیں تھا۔ ۱۷۰۰ء میں جب شہزادی این کے آخری لڑکے کا انتقال ہوگیا تو ایک نیا قانونِ وراثت منظور ہوا، اور اس وقت جیمز یا اس کے بیٹے کے حق میں ایک آواز بھی بلند نہیں ہوئی۔ چارلس اول کی بیٹی ہنری ایٹا (ڈاچز آف آرلینیز)، کی صرف ایک ہی بیٹی تھی جس نے
ایکٹ آف سٹیلمنٹ

(قانون تعین جانشینی) سیوائے کے کیتھولک مذہب ڈیوک سے عقد کرلیا تھا، اس کے
۱۷۰۱ حق کو بھی خاموشی کے ساتھ نظر انداز کردیا گیا اور پارلیمنٹ نے جیمز
اول کے سلسلے کی طرف رجوع کیا۔ اس کی بیٹی الزبیتھ نے الکٹر
پیلیٹائن سے شادی کی تھی جس کی اولاد میں صرف ایک لڑکی صوفیا
باقی تھی جو سابق والیِ ہنوور کی بیوی اور موجودہ والی کی ماں تھی۔
چونکہ صوفیا اور اس کے ورثہ سب کے سب پروٹسٹنٹ تھے اسلئے
پارلیمنٹ نے اپنے قانون تعین جانشینی کی رو سے انہیں
کو تاجِ انگلستان کا مستحق قرار دیا۔ قانون میں یہ بھی داخل کردیا
گیا کہ انگلستان کا ہر ایک بادشاہ کلیسائے انگلستان کا (جو حسب
قانون ملک قائم ہو) پیرو ہوگا۔ آئندہ کوئی بادشاہ پارلیمنٹ
کی منظوری کے بغیر انگلستان سے باہر نہ جاسکے گا اور غیر ممالک
کے لوگ ہر ایک سرکاری عہدے سے خارج کردئے جائیں گے۔
انصاف کی آزادی کے قیام و دوام کے لئے یہ انتظام کیا گیا کہ
اس قانون میں ایک دفعہ یہ رکھی گئی کہ کوئی جج اس وقت تک
اپنے عہدے سے علیحدہ نہ کیا جائے گا، جب تک پارلیمنٹ اس
غرض کے لئے بادشاہ کو درخواست نہ دے۔ یہ قاعدہ بھی قرار
پایا کہ تمام معاملات عامہ باضابطہ پریوی کاؤنسل (مجلس خاص)
میں انجام پائیں۔ اور اس مجلس کے تمام فیصلوں پر اراکین کے
دستخط ہوں اس سے یہ دونوں اصول مسلم ہوگئے کہ بادشاہ
صرف اپنے وزرا کے توسط سے کارروائی کا مجاز ہے۔ اور وزرا
پارلیمنٹ کے ذمہ دار ہیں۔ اس طرح قانون حقوق کے معین

کردہ نظام پارلیمنٹ کی تکمیل ہوگئی۔ اس ٹوری پارلیمنٹ کی اس کارروائی سے عام قومی اتحاد کا اعلان ہوگیا۔ اور بادشاہ جب ہیگ سے واپس آیا تو سب نے بالاتفاق اس کا خیر مقدم کیا۔ ولیم کے صبر و تدبر کا معاوضہ آخر اسے مل گیا، اور ہیگ میں اس نے ایک نیا "محالفۂ اعظم" قائم کرلیا۔ جس میں "شہنشاہی" ہالینڈ اور صوبجات متحدہ شامل تھے۔ اس محالفے میں بہت جلد ڈنمارک، سوئیڈن، پیلیٹائن اور بیشتر جرمن سلطنتیں بھی شامل ہوگئیں۔ ۱۷۰۲ء کی پارلیمنٹ میں بھی اگرچہ ٹوریوں کی کثرت تھی۔ مگر اس نے ولیم کی پرجوش درخواست کے جواب میں جنگ کے لئے چالیس ہزار سپاہی اور اسی قدر ملاحوں کی منظوری صادر کردی۔ مدعی جدید (یعنے جیمز کے بیٹے) کے خلاف ایک قانون تعزیری منظور ہوگیا، اور دونوں ایوانہائے پارلیمنٹ کے تمام ارکان اور جملہ سرکاری عمال سے خاندان ہنیوور کی جانشینی کا حلف لیا گیا۔

مارلبرا لیکن بادشاہ اب اس قدر کمزور ہوگیا تھا کہ اس کے لئے خود میدان جنگ میں جانا متعذر تھا۔ مجبوراً اسے ندرلینڈز کی جنگ کی کارروائی اس شخص کے سپرد کرنا پڑی، جس نے تمام انگریزوں میں خود کو اس مہم عظیم کا اہل ثابت کردیا تھا۔ یہ شخص جان چرچل (ارل مارلبرا) تھا۔ وہ ۱۶۵۰ء میں پیدا ہوا تھا اور ڈیونشائر کے ایک شاہ پرست کا بیٹا تھا۔ رجعت شاہی کے بعد اس کی بہن (ازبیلا) ڈیوک یارک کی محبوبہ بن گئی تھی۔ شاہی فوج محافظ میں چرچل کو جو اعلیٰ عہدہ ملا اس کا سبب غالباً اسکے

باپ کی وفاداری سے زیادہ اس کی بہن کی بے شرمی تھی۔ ٹیورین کی ماتحتی میں پانچ برس بیرون ملک میں کام کرنے کے بعد یہ نوجوان کپتان اس انگریزی رجمنٹ کا کرنل ہوگیا جو فرانس کی ملازمت میں روک لی گئی تھی۔ اسی زمانے میں اس سے ایک اعلیٰ سپاہی کے بعض صفات ظاہر ہونے لگے تھے اس کی ہمت کبھی پست نہیں ہوتی تھی، اس کی دلیرانہ و پرجوش طبیعت پر حزم وسکون غالب تھا، اس کی باخبری اور برداشت شدائد کی قوت کسی حال میں اسکا ساتھ نہیں چھوڑتی تھی۔ اپنے بعد کے زمانہ میں اس نے ایک پورا دن سراغ رسانی کے کام میں صرف کردیا اور جنگ بلنہائم کے موقع پر یک لخت پندرہ گھنٹے تک گھوڑے پر سوار رہا۔ لیکن دربار انگلستان میں واپس آنے کے بعد اسے اپنی ہمت وقابلیت سے وہ نفع نہ پہنچا جو حُسنِ ذاتی کے طفیل میں انجام پاگیا۔ فرانسیسی لشکرگاہ میں لوگ اسے خوشرو انگریز کے نام سے پکارتے تھے۔ اس کے قدو قامت کی طرح اس کے انداز میں بھی دلفریبی پائی جاتی تھی۔ بڑھاپے تک اس کے چہرے کا اثر پڑے بغیر نہیں رہتا تھا۔ چسٹر فیلڈ کہتا ہے کہ "وہ سب کو اپنی طرف متوجہ کرلیتا تھا۔ اس کے اندانہ و اطوار میں ہمیشہ ایک طرح کی دلپذیری پائی جاتی تھی اور اسی جادو نے لیڈی کیسلمین کو مسخر کرلیا تھا۔ بادشاہ کی اس محبوبہ نے اسے پانچ ہزار پونڈ نذر کئے تھے۔ اور اسی رقم نے اس کی دولت کی بنیاد قائم کردی۔ عمر کے ساتھ ساتھ اس دوربین وخوشرو نوجوان سپاہی کی حرص جسقدر بڑھتی جاتی تھی اسی قدر جلد جلد اس کی دولت میں بھی اضافہ

ہوتا جاتا تھا لیکن چرچل کو بالتخصیص جس شخص سے اپنی ترقی کی توقع چرچل اور جیمز تھی وہ ڈیوک یارک تھا۔ چرچل، ڈیوک کے ذاتی ملازموں میں داخل تھا اور کیتھولک سازش کے زمانہ میں جب ڈیوک کی قسمت تاریک نظر آرہی تھی وہ پوری وفاداری کے ساتھ اس کا ساتھ دیتا رہا۔ آخر اس کی آرزو پوری ہوگئی۔ اس نے ہیگ اور اڈنبرا میں جیمز کا ساتھ دیا اور اپنے آقا کی واپسی پر طبقۂ امرا میں داخل کرلیا گیا، اور بادشاہ کی فوج کا کرنل مقرر ہوگیا۔ جیمز کی تخت نشینی کے بعد اس نے سجمور میں شاہی فوج کو اچانک حملے سے بچانے میں جو کار نمایاں کیا۔ اگر جیمز تعصب کو دخل نہ دیتا تو اس کا اعتراف اور زیادہ شاندار طریقے سے ہوتا۔ جیمز نے بذات خاص اس سے تبدیلِ مذہب کی خواہش کی مگر چرچل مذہب پروٹسٹنٹ پر ثابت قدم رہا۔ لیکن وہ جیمز کی طبیعت سے بھی خوب واقف تھا، اور اس نے سمجھ لیا تھا کہ اب اس سے کسی مزید عنایت کی توقع نہیں ہوسکتی۔ خوش قسمتی سے اسے اب اپنی قسمت آزمائی کا ایک نیا ذریعہ ہاتھ آگیا تھا۔ اس کی بیوی کا اثر بادشاہ کی دوسری بیٹی این پر پڑتا جا رہا تھا۔ اور انقلاب کے زمانے میں این کا مذہب پروٹسٹنٹ پر قائم رہنا نہایت ہی ضروری تھا۔ مارلبرا نے شہزادہ آرنج سے خط وکتابت شروع کردی اور اسے این کی ہمدردی کی توقع دلائی۔ میدان جنگ میں جب ولیم کا سامنا ہوا تو وہ شاہی فوج سے الگ ہوگیا اور ان تمام مراحل میں اس نے اپنے سابق مربی کے لطف واحسان کا ذرا بھی پاس ولحاظ نہ کیا۔ اسکا

فوج سے الگ ہو جانا شاہی مقاصد کے لئے مُضر ہوا، لیکن اس نے چرچل و ولیم ولیم کے لئے ایک اس سے بھی بڑی خدمت انجام دی جس کے سامنے یہ خدمت بھی ماند پڑگئی۔ اسی کی بیوی کی ترغیب سے یہ ہوا کہ این اپنے باپ کو چھوڑ کر ڈینی کی لشکر گاہ میں چلی گئی۔ اگرچہ اخلاقاً اس کی یہ کارروائیاں سخت نازیبا تھیں۔ مگر ولیم کے لئے اس نے ایسے اہم خدمات انجام دئے تھے کہ ان سے چشم پوشی کسی طرح ممکن نہیں تھی۔ چنانچہ اسے ارل مارلبرا کا لقب دیا گیا اور جنگ آئرلینڈ کے زمانے میں اسے ایک فوج کی افسری عطا ہوئی جہاں اس نے اپنی عاجلانہ کامیابیوں سے ولیم کا خیال اپنی طرف منعطف کرلیا اور فلینڈرز میں فوج کی اعلیٰ افسری اسکے حصے میں آئی لیکن اپنے پرانے اثرِ خاص کے خیال سے اس نے ولیم کے خلاف بھی ایسی ہی غدّارانہ سازشیں شروع کردیں جیسے جیمز کے خلاف کی تھیں۔ اُسے اگرچہ روپے کی بے انتہا حرص تھی، مگر شادی اس نے چارلس کے دربار کی ایک مفلس حسین عورت سے کی تھی جس کا نام سارہ جننگز تھا۔ یہ عورت نہایت بد مزاج وکینہ توز تھی۔ مگر اس کے ساتھ ہی لوگوں کو اپنی طرف مائل کرلینے اور ان کی الفت قائم رکھنے کا اس میں عجیب ملکہ تھا۔ اس عورت کے ساتھ چرچل کا اس درجہ محبت کرنا اس کی زندگی کی شب تار میں اجالا سا نظر آتا ہے۔ وہ اپنے اثنائے کوچ بلکہ میدانِ جنگ تک سے اپنی بیوی کو نہایت ہی پرجوش محبت کے ساتھ خط لکھا کرتا تھا۔ جو طبیعت کسی خطرے یا نفرت سے اثر پذیر نہیں

ہوتی تھی وہ اس عورت کی سرد مہری اور اس کے پر غضب طنز کے خیال سے بالکل پست ہوجاتی تھی۔ وہ کبھی بغیر رنج وتکلیف کے اس سے جدا نہیں ہوتا تھا۔ ایک مہم پر روانہ ہونے کے بعد اس نے لکھا تھا کہ "میں اپنی دوربین سے بہت دیر تک اس اُمید میں چٹانوں کی طرف دیکھتا رہا کہ شاید ایک بار تمہاری صورت نظر آجائے" پس جس عورت نے مارلبرا میں محبّت کا یہ جوش پیدا کردیا وہ اگر شہزادی این کی سی بودی اور کمزور طبیعت کی عورت کو اپنے ساتھ وابستہ کرلے تو استعجاب کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔ اِن دونوں دوستوں نے شاہی آداب کو بالکل ترک کردیا تھا۔ اور وہ ایک دوسرے کو "مسز فریمن" اور "مسز مارلے" کے نام سے پکارتی تھیں۔ اپنی بیوی کے اسی اثر کے بھروسے پر ارل اپنی حرص کی وجہ سے ولیم کے خلاف منصوبے گانٹھنے لگا۔ اس نے یہ تجویز سونچی تھی کہ جنگ کی مخالفت میں ٹوریوں کا ساتھ دیکر اور غیر ملکیوں کی طرف سے انگریزوں کی نفرت کو مشتعل کرکے بادشاہ کو ملک سے بھگا دے' اور اس کے بجائے این کو تخت نشین کردے۔ ان تجویزوں کے ظاہر ہوجانے سے بادشاہ نے خلاف معمول سخت نفرت کا اظہار کیا' اور اس کی زبان سے یہ نکلا کہ "اگر میں اور لارڈ مارلبرا صرف ذاتی حیثیت رکھتے ہوتے تو تلوار ہم دونوں کے درمیان حکم ہوتی"۔ بحالت موجودہ اس نے یہ کیا کہ ارل کو اس کے منصب اور فوج کی افسری سے معزول کردیا' اور اسکی بیوی کو

محل سینٹ جیمز سے نکال دیا۔ شہزادی این بھی اپنے اس منظورِ نظر کے ساتھ چلی گئی اور اس کا دربار ٹوری مخالفت کا مرکز بن گیا اور مارلبرا نے جیمز سے مراسلت شروع کردی۔ وہ غداری میں اس قدر بدنام ہوچکا تھا کہ ۱۶۹۲ء کے فرانسیسی حملے کے قبل جو مشتبہ اشخاص ٹاور میں بھجدیئے گئے تھے ان میں سب سے پہلا شخص وہی تھا۔ میری کے انتقال نے ولیم کو مجبور کیا کہ این کو واپس بلالے کیونکہ اب وہی جانشین ہونے والی تھی این کے ساتھ مارلبرا اور اس کی بیوی بھی دربار میں واپس آگئی۔

مارلبرا اور محالفۂ اعظم

بادشاہ کی طبیعت اب کسی طرح یہ گوارا نہیں کرتی تھی کہ وہ دوبارہ ارل پر اعتماد کرے۔ لیکن موت کا زمانہ قریب آتا جاتا تھا اور وہ سمجھتا تھا کہ اس کے بعد مارلبرا ہی ایک شخص ہے (جو باوجود اپنی کم ظرفی و غداری کے) انگلستان پر حکومت کرنے اور "اتحادِ اعظم" کی رہبری کرنے کی قابلیت رکھتا ہے۔ اس لئے اس نے مارلبرا کو شہنشاہ کے ساتھ محالفے کا معاہدہ مکمل کرنے کے لیئے متعین کیا اور اسی کو فلینڈرز کی فوج کا افسر مقرر کردیا۔ ارل کے فوج کی کمان لینے کے بعد ہی بادشاہ گھوڑے پر سے گر پڑا اور یہ حادثہ اس کے کمزور جسم کے لیئے مہلک ثابت ہوا۔ اِس قریب مرگ بادشاہ نے پورٹلینڈ سے آہستہ آواز میں کہا کہ "ایک وقت تھا جب میں اِن مشکلات سے نجات پا جانے سے خوش ہوتا، مگر اب مجھے کچھ اور ہی سامان نظر آرہے ہیں۔ اور اگر میں کچھ دنوں اور

زندہ رہنے کی تمنا کروں تو بیجا نہ ہوگا۔" لیکن وہ جانتا تھا کہ یہ تمنا ولیم کی موت بیکار ہے اس نے این سے مارلبرا کی سفارش کی کہ وہ فوجوں کی سربراہی اور مشورت کے لیئے بہترین شخص ہے مگر این کیلئے اس سفارش کی ضرورت نہیں تھی۔ تخت نشینی کے تین ہی دن بعد ارل، انگلستان کی افواج اندرون ملک اور بیرون ملک کا "کیپٹن جنرل" (سپہ سالار اعظم) مقرر ہوگیا اور جنگ کی تمام کارروائی اس کے سپرد کردی گئی۔ اندرون ملک کے معاملات میں اس کے غلبہ کے قائم رہنے کا یہ انتظام کیا گیا کہ ایک خالص ٹوری وزرات قائم کی گئی اور مارلبرا کے ایک دوست لارڈ گوڈالفن کو بحیثیت وزیر خزانہ اس وزارت کا صدر بنا دیا۔ این کی شخصی ہردلعزیزی کے باعث قوم پر تاج کا ایک نیا اثر پیدا ہوگیا اور مارلبرا کو پورا یقین تھا کہ اس کی بیوی کی دوستی کے باعث ملکہ اس کی ہر طرح تائید کرے گی۔ درحقیقت انگلستان میں اسوقت فریقانہ احساس بالکل فنا ہوگیا تھا۔ ایک ٹوری ملکہ کی طرف سے ایک ٹوری سپہ سالار جنگ کر رہا تھا۔ اس لیئے انتہا پسند ٹوریوں کے سوا سب اس جنگ کے مؤید ہوگئے تھے۔ اور وہگوں میں سخت سے سخت شخص بھی اس ٹوری سپہ سالار کی تائید کے لیئے آمادہ تھا، کیونکہ یہ جنگ درحقیقت انہیں کی جنگ تھی البتہ بیرون ملک میں ولیم کے انتقال کے باعث مخالفے کی بنیاد ہل گئی تھی اور اس خوف سے کہ مبادا انگلستان اس کا ساتھ چھوڑ دے۔ ہالینڈ تک کو اس آنیوالی کشمکش میں

مارچ ۱۷۰۲ء

شریک ہونے میں تردد تھا، لیکن مارلبرا کے عزم و استقامت نے بہت جلد اس بدگمانی کا خاتمہ کر دیا۔ این نے بحیثیت ملکہ کے اپنا یہ عزم ظاہر کیا کہ وہ اپنے پیشرو کے طرزِ عمل کو پوری قوت کیساتھ جاری رکھیگی۔ جنگ کے جاری رکھنے کیلئے پارلیمنٹ سے زوردار کارروائیاں منظور کرائی گئیں، اور نئے سپہ سالار نے بعجلت تمام ہیگ پہنچکر انگریزی فوج کیساتھ ہالینڈ کی فوج کی کمان بھی اپنے ہاتھ میں لیلی، اور اس دانشمندی و مستعدی کیساتھ جرمن سلطنتوں کی ایک مشترکیت قائم کردی کہ ولیم بھی اسے رشک کی نگاہوں سے دیکھتا جسقدر جلد مارلبرا کی عظمت کا اعتراف کیا جانے لگا یہ بات کبھی کسی شخص کو نصیب نہیں ہوئی تھی چند مہینے کے اندر اندر سب لوگ اسیکو اتحاد کی روح رواں سمجھنے لگے، اور جن حکمرانوں کی رقابتِ باہمی پر ولیم صبر کرتے کرتے عاجز آگیا وہی حکمراں ولیم کے جانشین کے مشوروں کو بلا چون وچرا تسلیم کرنے لگے۔ مارلبرا اپنی خاص طبیعت کیوجہ سے اتحادِ اعظم کی سربراہی کیلئے نہایت ہی موزوں تھا۔ ولیم کیطرح اسکی قوتِ عمل بھی ابتدائی تعلیم و تربیت کا نتیجہ نہیں تھی، اسکی تعلیمی غفلت کا اثر آخرِ عمر تک ظاہر و قائم رہا۔ وہ لکھنے سے ہمیشہ جی چراتا تھا۔ اسنے اپنی بیوی سے کہا تھا کہ "سب سے زیادہ بے رغبتی مجھے لکھنے سے ہے"۔ اسکے لئے ایک مراسلے کا لکھنا ایک مہم تیار کرنیسے زیادہ دشوار تھا لیکن دوسروں میں جو خوبیاں تعلیم و تربیت سے پیدا ہوتی ہیں، وہ خوبیاں فطرت نے اس میں ازخود پیدا کر دی تھیں۔ اس کے کام کرنے کی قوت بہت بڑھی ہوئی تھی۔ اس نے دس برس تک فلینڈرز اور اسپین کی جنگ کی عام سربراہی اپنے ہاتھ میں

رکھی، حلیف درباروں کے ساتھ جو مراسلت ہوتی تھی اُن میں ہر ایک کو وہ خود دیکھتا، انگریزی سیاسیات کی تغیر پذیر کیفیتوں کو وہ بنظر تعمق جانچتا رہتا تھا۔ کبھی اپن کو تغیر وزارت پر راضی کرنیکے لئے وہ رودبار کے پار آجاتا اور کبھی برینڈنبرگ سے والیان جرمنی کی فوجیں لانے کے لئے فوراً برلن پہنچ جاتا۔ لوگ دیکھتے تھے کہ وہ ایک ہی وقت میں ہنگری کے پروٹسٹنٹوں کی طرف سے شہنشاہ کو رضامند کر رہا ہے۔ سیوین کے پروٹسٹنٹوں کو بغاوت پر اُبھا رہا ہے۔ پرتگال کے معاملات کا انتظام اور ڈیوک سیوائے کی حفاظت کا سامان کر رہا ہے۔ با ایں ہمہ اس کی حالت سے کسی قسم کی ماندگی، تعجیل یا اضطراب کا اثر مطلق ظاہر نہیں ہوتا تھا۔ نوجوانی میں اس کا جو بے پروایانہ انداز تھا وہ آخر عمر تک قائم رہا۔ اشتعال طبیعت کی وجہ سے کبھی اس کے فطری وقار میں فرق نہیں آیا۔ جنگ کے پر آشوب طوفان میں سپاہی یہ دیکھتے تھے کہ اُنکا سردار بغیر کسی قسم کے توحش و اضطراب کے نہایت سکون کے ساتھ احکام جاری کر رہا ہے۔ اس کے سکون و وقار کی جو کیفیت میدان جنگ میں تھی وہی حالت مجلس وزرا کے اندر بھی قائم رہتی تھی۔ وہ حکمرانان جرمنی کی خفیف الحرکاتی، اہل ہالینڈ کی نخوت، اپنے عہدہ داروں کی ناواقفانہ مخالفت، اپنے سیاسی مخالفین کے الزامات سب کا جواب ایک ہی سے سکون و وقار کے ساتھ دیتا تھا۔ وزارتیں جن مشکلات کے سُلجھانے میں ناکام رہتی تھیں وہ اکثر اُنھیں بہت ہی معمولی تدبیروں سے حل کر دیتا تھا

جن میں کچھ مزاح کا پہلو بھی شامل ہوتا تھا۔ شاہ پروشیا اپنے زود رنجی ونخوت کے باعث حلیفوں میں سب سے زیادہ پریشان کن شخص تھا لیکن جب ایک شاہی دعوت کے موقع پر مارلبرا نے کھڑے ہوکر ایک رومال اس کے سامنے پیش کیا تو سب مشکلوں کا خاتمہ ہوگیا۔ درحقیقت چرچل کا یہ سکون ایک حد تک اس کے غرور پر مبنی تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ عام اشخاص کے روبرو اپنے اندرونی جذبات کا اظہار کرے۔ اس کے زوال کے قبل جو تلخ زمانہ اس پر گزرا اس میں اس نے گوڈالفن کو حکم دیا کہ بعض بحث طلب خطوں کو (جو اپنے مخالفوں کی سختی وتشدد کے باعث اسے لکھنا پڑے تھے) جلا ڈالے۔ اس کی وجہ یہ بیان کی کہ "میں یہ چاہتا ہوں کہ دنیا اس غلطی میں پڑی رہے کہ میں ایک خوش گزران آدمی ہوں کیونکہ میں اسے زیادہ پسند کرتا ہوں کہ لوگ مجھ پر رحم کرنے کے بجائے مجھے رشک کی نظر سے دیکھیں"۔ لیکن فی الاصل اس کی دماغی وذہنی کیفیت زیادہ تر اس سکون ووقار کا باعث تھی۔ اسکی بے رنگ طبیعت پر اگر کسی رنگ کا پرتو پڑتا تھا تو وہ بیوی کی محبت کا احساس تھا۔ اس کے سوا تمام معاملات میں وہ نہ کسی سے الفت رکھتا تھا نہ کسی سے نفرت، نہ اسے کسی بات میں شک تھا نہ کسی بات پر افسوس ہوتا تھا۔ اپنی خانگی زندگی میں وہ ایک انسان دوست اور صاحب درد آدمی تھا، لیکن اگر اس کے عہدے کی ضرورت متقاضی ہوتی تو

انگریزوں کو موت کے پنجے میں پھنسا دینے یا جنگِ مال پلا کے کی طرح اپنی فوج کے کٹا دینے میں اُسے کچھ باک نہیں ہوتا تھا۔ خیال غیرت اور انسان کے نازک حسیات کو وہ جانتا ہی نہیں تھا۔ غبن و خست سے دولت جمع کرنے کا اگر کوئی بے نظیر موقع آجاتا تو وہ بے تامل یورپ کی سربراہی اور بڑے بڑے فتوحات کی نیک نامی کو چھوڑ دیتا تھا۔ غالباً حقیقی عظمت رکھنے والے شخصوں میں وہی ایک شخص ہے جو روپے کو محض روپئے کی خاطر عزیز رکھتا تھا۔ جن جذبات سے اس کے گرد و پیش کے شریف و رذیل سب میں ایک تموّج پیدا ہوجاتا تھا، انہیں وہ محض ذہنی ہیجان سمجھتا تھا اور یہ یقین کرتا تھا کہ اپنے وقت پر سب مشکلیں آسان ہوجائیں گی۔ صرف صبر کی ضرورت ہے، اور وہ بار بار یہ کہتا تھا "صبر سے تمام مشکلات حل ہوجاتی ہیں"۔ اس کا قول تھا کہ "چونکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ سب چیزیں قسمت کے تابع ہیں۔ اس لئے ہم جب اپنے سے سب کچھ کر چکیں تو پھر صبر کے ساتھ نتیجے کا انتظار کرنا چاہیئے"۔

مارلبرا و جنگ بہ حیثیت ایک مدبّر کے مارلبرا کے اعلیٰ صفات کو اسکے سخت سے سخت دشمن بھی تسلیم کرتے تھے، بولنگبروک کہتا ہے کہ "اس نئے اور معمولی شخص نے اپنی قابلیت و انتظام سے جرمنی کی مشترکیت پر اس سے زیادہ اثر پیدا کرلیا جتنا اثر شاہ ولیم اپنی عالی نسبی، مسلمہ اقتدار اور تاج انگلستان کے زور سے بھی نہ پیدا کرسکا۔ تدبیرِ مملکت میں اس کا پایہ جس قدر بلند تھا

ظاہر ہے، مگر میدانِ جنگ میں اس نے خود کو اور بھی بلند رتبہ ثابت کردیا تھا۔ ماہرانِ جنگ میں وہی ایک سپہ دار ہے جسنے اپنا کام اس عمر میں شروع کیا جب بیشتر اشخاص اپنا کام ختم کرچکتے ہیں۔ اس نے اگرچہ نوجوانی میں ٹیورین کے ماتحت کچھ دنوں اپنے فرائض ادا کئے تھے اور چھ مہینے آئرلینڈ اور ندرلینڈز میں بھی کام کیا تھا مگر باون برس کی عمر میں فلینڈرز کے میدان میں جانے کے قبل اسے کسی بڑی فوج کی افسری نہیں ملی تھی۔ اپنی مسلسل کامیابیوں کے باعث بھی وہ سب میں فرد ہے۔ والٹیئر (Valtaire) لکھتا ہے کہ اس نے کبھی کسی قلعے کا محاصرہ نہیں کیا جسے اس نے فتح نہ کرلیا ہو، نہ کبھی کوئی جنگ کی جس میں وہ کامیاب نہ ہوا ہو۔ اسے جو مشکلات پیش آئے ان کا باعث دشمنوں سے زیادہ خود اس کے رفقا کی جہالت و پست ہمتی تھی۔ میدانِ جنگ میں کبھی اسے شکست نہیں ہوئی، مگر اپنے افسروں کی ناقابلیت یا اہلِ ہالینڈ کی ضد اور ہٹ کی وجہ سے فتح کے ثمرات یکے بعد دیگرے اس کے ہاتھ سے جاتے رہے۔ اس زمانے کے محتاط ماہرانِ جنگ جس شئے سے گھبرا جاتے تھے وہ اس کے پُرزور و بیباک تجاویز تھے۔ وہ اگرچہ بڈھا ہوگیا تھا مگر اس کے تجاویز میں ہمیشہ نوجوانوں کی سی بیباکی و جرأت پائی جاتی تھی۔ ۱۷۰۲ء میں میدانِ جنگ میں قدم رکھتے ہی اس نے یہ عزم کرلیا کہ برابانٹ کے قلب میں پہنچکر جنگ کرے، لیکن ہالینڈ کے نمائندوں کی پست ہمتی کے

جنگ کا آغاز

سبب سے یہ تجویز خراب ہوگئی۔ تاہم وہ خود استقلال کے ساتھ دریائے میوز سے پار ہوکر برابر بڑھتا گیا، یہاں تک کہ فرانسیسی فوجوں کو دریا سے ہٹ جانا پڑا اور مارلبرا نے مسلسل محاصروں کے ذریعے سے یکے بعد دیگرے قلعوں کو مسخر کرنا شروع کردیا اور آخر لی ایژ کی اطاعت پر اس مہم کا خاتمہ ہوا۔ فرانسیسی فوج کا تعلق نشیبی رائن سے بالکل منقطع ہوگیا اور ہالینڈ پر حملے کا کوئی خوف باقی نہیں رہا۔ دوسرے مقامات کی صورت حالات نے مارلبرا کی کامیابی کو اور بھی نمایاں کردیا تھا، شہنشاہی سپہ سالار شہزادہ یوجین (سیوائے) نے اگرچہ کریمونا میں فرانسیسی فوج پر یکایک حملہ کرکے اپنی قوت کو ثابت کردیا تھا، مگر درحقیقت اطالیہ میں کوئی کارآمد کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ سواحل اسپین کا انگریزی حملہ بھی ناکام رہا تھا، جرمنی میں اہلِ بیویریا فرانسیسیوں کے شریک ہوگئے تھے اور ان کی متحدہ فوجوں نے شہنشاہ کی فوجوں کو شکست دیدی تھی۔ اسی سمت میں لیوئس نے اپنی قسمت آزمائی کا ارادہ کیا، اور سنہ ۱۷۰۳ء کے موسمِ بہار میں مارشل ویلار کے تحت میں ایک تازہ دم فوج نے والیِ بیویریا کو پھر شاہی فوج کی زد سے بچا لیا، اور اگر ان دونوں سپہ داروں میں تفرقہ نہ پڑگیا ہوتا تو یقیناً ان کی متحدہ فوجیں وائنا تک بڑھ گئی ہوتیں۔ اس اثناء میں ہالینڈ کے نمائندوں کی بزدلی ندرلینڈ میں لیوئس کے لئے بہت مفید ثابت ہوئی۔ اپنی سال ماسبق کی کامیابی کے باعث مارلبرا کو اب ڈیوک

کا خطاب مل گیا تھا لیکن اس موقع پر اسٹیٹس جنرل کے ارکان نے
اس کے توقعات پر پھر پانی پھیر دیا باوجود اپنی سنجیدگی مزاج کے
اسٹیورپ اور فرانسیسی فلینڈرز کے حملوں میں اہلِ ہالینڈ کے انکار
شرکت سے وہ برہم ہوگیا اور محض گوڈالفن اور وظیفہ خوار ہائنسیئس
کی التجاؤں کے باعث اپنے استعفے کے ارادے کو ملتوی کیا۔ لیوئس کو
اگرچہ ڈینیوب پر کامیابیاں حاصل ہوگئی تھیں، رائن پر اس کے مخالفوں
سے غلطیاں سرزد ہورہی تھیں اور ہنگری میں ایک ہنگامی شورش
برپا ہوگئی تھی پھر بھی اس کے مشکلات ساعت بہ ساعت بڑھتے
جاتے تھے۔ سیوائے کے "مخالفۂ اعظم" میں شریک ہوجانے کے باعث
اس کی (لیوئس کی) فوجوں کو اطالیہ میں تباہی کا اندیشہ پیدا ہوگیا
تھا۔ پرتگال کی شرکت سے حلیفوں کو اسپین کے خلاف کارروائی
کرنے کا ایک مستقر ہاتھ آگیا۔ لیکن خطرے کے ساتھ ہی فرانس کی
مستعد کاری بھی بڑھ گئی۔ جیمز ثانی کا بیٹا ڈیوک بیرروک، پرتگال کے
مقابلے کے لئے روانہ کیا گیا، انہیں چھوٹی چھوٹی فوجوں نے سیوائے
کو گھیر لیا اور چیدہ فرانسیسی فوجیں دریائے ڈینیوب پر بویریا سے جا ملیں
کیونکہ لیوئس کی دلیرانہ تجویز یہ تھی کہ جنگ کا خاتمہ ایک ایسی فتح پر
ہو جس سے وہ وائنا کی دیواروں کے نیچے شہنشاہ کو صلح پر مجبور کرسکے۔

جنگِ بلنہیم

لیوئس کی اس زبردست چال نے مارلبرا کو بھی مجبور کیا کہ وہ
بھی اس کے جواب میں ایک ایسی ہی زبردست چال اختیار کرے
لیکن اس نے اپنی تجویز کو اس طرح راز میں رکھا اور اس جرأت
کے ساتھ اس پر کاربند ہوا کہ دوست و دشمن دونوں یکساں طور

پردھوکے میں پڑ گئے۔ اس نے جب ہائنس کی طرف کوچ کیا تو فلینڈرز کی فرانسیسی فوج نے یہ سمجھا کہ وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ جنگ السائس کی طرف منتقل ہوجائے۔ موزیل کی ایک خیالی مہم کی تجویز سے اہلِ لینڈ کو اس امر پر راضی کرلیا گیا کہ وہ فلینڈرز سے باہر کوبلینس تک اپنی فوجوں کو جانے دیں۔ ڈیوک جب دریائے نیگر سے پار ہوکر قلب جرمن سے تیر کی طرح گزرتا ہوا ڈینیوب کی طرف بڑھا صرف اس وقت اس کی کارروائیوں کا اصلی راز ظاہر ہوا، ورٹمبرگ کے پہاڑی ملک کو بدشواری تمام قطع کرتا ہوا وہ اس شہنشاہی فوج سے جا ملا جو شہزادہ باڈن کے زیر کمان تھی۔ اس نے ڈوناؤورٹ کی بلندیوں کو سر کرلیا اور دریا ہائے ڈینیوب و لیک کو عبور کرکے بیویریا کے قلب میں پہنچ گیا۔ اس نازک موقع پر بالائے رائن کے اوپر دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ عین وقت پر مارشل ٹالارڈ کے تیس ہزار فرانسیسی فوج کے ساتھ آجانے سے والیِ بیویریا اطاعت قبول کرنے کی ضرورت سے بچ گیا مگر اسکے حریف شہزادہ یوجین کے مارلبرا سے آملنے کے باعث دونوں متخاصم فوجوں کی طاقتیں پھر برابر ہوگئیں۔ کچھ اور بڑھنے کے بعد دونوں فوجیں دریائے ڈینیوب کے شمالی ساحل پر مقابلے کیلئے جم گئیں۔ یہ مقابلہ ایک چھوٹے سے قصبے ہوخ شٹاٹ اور ایک گاؤں بلنہیم کے قریب پیش آیا۔ یہ جنگ بھی بڑی یادگار لڑائیوں میں سے ہے اور اسی قصبہ اور گاؤں کے نام سے موسوم ہے۔ اس اعتبار سے تو یہ جنگ اپنا نظیر نہیں رکھتی کہ اس میں ایک

عجیب طرح سے خلط ملط ہو کر ٹیوٹنی نسل کی ہر شاخ کے لوگ موجود تھے۔ مارلبرا اور یوجین کے تحت میں انگریز، اہل ہالینڈ، اہل ہینوور، ڈین، اہل ورٹمبرگ اور آسٹروی سب فوجیں جمع تھیں۔ دونوں جانب فوجوں کی تعداد پچاس پچاس ہزار کے قریب تھی۔ فرانسیسی اور اہل بویریا ایک چھوٹے سے چشمے کے عقب میں خیمہ زن تھے جو دلدل سے گزرتا ہوا ڈینیوب میں جاملا تھا ان کا موقع بہت مضبوط تھا کیونکہ ان کے سامنے دلدل تھی، دائیں جانب دریائے ڈینیوب تھا اور بائیں جانب وہ پہاڑی سرزمین تھی جسمیں سے یہ چشمہ نکلا تھا۔ ماسوا اسکے ٹالارڈ نے اپنی فوج کے گرد خندق کھودلی تھی بلکہ اسکا توپ خانہ بھی فریق مخالف کے توپ خانے سے بہت بڑھا ہوا تھا لیکن اس موقع پر مارلبرا کو بالکل آزادی حاصل تھی اس نے بہت اطمینان کے ساتھ انگلستان کو لکھا تھا کہ "مجھے بہت قوی امید ہے کہ اس جنگ کا انجام بہت خوب ہوگا کیونکہ میں مسرت کے ساتھ دیکھتا ہوں کہ تمام افسر اطاعت پر آمادہ ہیں اور اس کے لئے وہ میری مرضی کی تعمیل کے سوا اور کچھ خیال نہیں رکھتے۔ فلینڈرز کی حالت سے یہاں کی حالت بالکل مختلف ہے، کیونکہ وہاں مجھے ہر کام کیلئے ایک جنگی مجلس کی منظوری لینا پڑتی تھی"۔ تاہم موانعات اسقدر سخت تھے کہ حلیفوں نے اگرچہ آفتاب نکلتے ہی حرکت کرنا شروع کردی تھی مگر یوجین (جو میمنہ کی کمان کررہا تھا) دوپہر کے قبل چشمے سے پار اترنے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ انگریزی پیدل سپاہ بھی فوراً ہی بائیں طرف سے چشمے کے پار ہوگئی اور موضع بلنہیم پر

۱۳ اگست ۱۷۰۴ء

حملہ کردیا جہاں فرانسیسی پیدل سپاہ کا زیادہ حصہ خندق کے اندر محفوظ تھا۔ ایک سخت کوشش کے بعد یہ حملہ پسپا کردیا گیا۔ دوسری جانب بھی ایسی ہی سخت مقاومت نے یوجین کو روک دیا۔ فرانسیسی اپنے قلب کو ناقابلِ تسخیر سمجھتے تھے اور مارلبرا نے اسی کو خاص حملے کا مرکز بنایا تھا، اس نے دلدل پر سرِ دست ایک سڑک بناکر اپنے آٹھ ہزار سواروں کو اس جگہ پہنچا دیا جہاں فرانسیسی سوار قابض تھے۔ ڈیوک نے خود اپنی سرکردگی میں دو شدید حملے کئے اور اسی پر جنگ کا فیصلہ ہوگیا۔ فرانسیسی لشکر کا قلب ڈینیوب کی طرف ہٹ گیا اور اطاعت پر مجبور ہوگیا۔ میسرہ ابتری کے ساتھ ہوخسٹاٹ پر جا پڑا اور میمنہ بلنہیم میں گھر کر کسی طرف کو نکل نہ سکا اور قیدیِ جنگ بن گیا۔ اس شکست خوردہ فوج میں سے صرف بیس ہزار آدمی بھاگ کر بچے۔ بارہ ہزار مارے گئے اور چودہ ہزار قید ہوگئے۔ جرمنی فرانسیسیوں سے بالکل خالی ہوگیا، اور مارلبرا جو الساس کی طرف بھاگنے والی فوج کے تعاقب میں چلا جا رہا تھا بہت جلد نشیبی موزیل پر قابض ہوگیا لیکن فرانس کے نقصان کا اندازہ آدمی اور قلعوں سے نہیں ہوسکتا۔ روکرائے کے بعد سے سینکڑوں فتوحات نے دنیا میں یہ خیال قائم کردیا تھا کہ فرانسیسی فوج ناقابلِ فتح ہے مگر بلنہیم کی جنگ اور بہترین فرانسیسی فوج کی شکست نے اس طلسم کو توڑ دیا۔ اس وقت سے حلیفوں کے فتوحات کی وہشت طاری ہوگئی اور "مارلبروگ" کے نام سے فرانس کا بچہ بچہ ڈرنے لگا۔

خود انگلستان کے اندر جنگ بلنہئم کا اثر یہ ہوا کہ سیاسی معاملات جنگِ رامیلیز میں ایک بہت بڑا تغیر پیدا ہوگیا۔ ٹوری یہ ارادہ کیئے ہوئے تھے کہ عام عبادت سے اتفاق نہ کرنے والوں کو مجالس بلدی سے خارج کرکے دارالعوام میں ٹوریوں کی کثرت کو ہمیشہ کیلئے مستقل کردیں کیونکہ قصبات کے اراکین کا انتخاب، بیشتر مجالس بلدی ہی میں ہوتا تھا۔ پروٹسٹنٹ ڈسنٹر (علیحدگی اختیار کرنیوالے) اب قانون رواداری کی وجہ سے محفوظ ہوگئے تھے۔ وہ اپنی علیحدہ مجالس مذہبی کو قائم رکھنے پر بھی سال میں ایکبار گرجائیں شریک ہوجانے سے سرکاری عہدوں کے قابل قرار پا جاتے تھے۔ اس شرکت کو "مطابقت ہنگامی" کہتے ہیں۔ اس "مطابقت ہنگامی" کے خلاف ٹوریوں نے جانچ کا ایک طریقہ پیش کیا جس سے اتفاق نہ کرنے والوں کا اخراج منظور تھا۔ اولاً مارلبرا نے بھی اس کی تائید کردی تھی مگر دارالامرا برابر اُسے نامنظور کرتا رہا اور لوگوں نے بہت جلد یہ قیاس قائم کرلیا کہ مارلبرا اور گوڈالفن دونوں درپردہ اس مخالفت کو تقویت دے رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مارلبرا اگرچہ خود ٹوری تھا مگر وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ ٹوریوں کی حکومت بے روک ٹوک قائم ہوجائے یا پھر ایسے مذہبی مناقشے برپا ہوجائیں جو جنگ کے مزاحم ہوں۔ اس نے اپنے فریق کو ہموار کرنے کے خیال سے ملکہ کو یہ ترغیب دی کہ پادری جو عشر و ثمر اول بادشاہ کو دیتے ہیں اس کا ایک سرمایہ اس غرض سے قائم کیا جائے

مطابقت ہنگامی

کہ کم آمدنی والے اوقاف کو مدد دی جائے مگر اس کا کچھ اثر نہیں پڑا۔ یہ سرمایہ اب تک "ملکہ این کی خیرات" کے نام سے رائج ہے۔ دارالعوام نے مارلبرا کے متعلق اپنی نفرت کا اظہار اس طرح کیا کہ اسے پہلی مہم کے بعد جب ڈیوک کا خطاب دیا گیا تو اس کے ساتھ روپے کے عطیے سے انکار کردیا اور لارڈ ناٹنگھم کی سرکردگی میں غالی ٹوریوں نے جنگ کے جاری رہنے میں ہر طرح کی دقتیں ڈالنا شروع کردیں۔ آخر یہ لوگ ۱۷۰۴ء میں اپنے عہدوں سے دستکش ہو گئے۔ اور مارلبرا نے اُن کی جگہ ایسے معتدل خیال ٹوریوں کو مقرر کردیا جو ابتک جنگ کے حامی تھے۔ رابرٹ ہارلے وزیرِ خارجہ مقرر ہوا۔ اور ہنری سینٹ جان ایک قابل شخص وزیرِ جنگ بنایا گیا۔ ڈیوک کے جرمنی کے اندر داخل ہونے سے انگلستان وسطی براعظم کی کشاکش میں پھنس گیا تھا اور اس سے سخت سیاسی مناقشہ پیدا ہوگیا تھا۔ حد سے بڑھے ہوئے ٹوری اور حامیانِ جیمز یہ دھمکی دیتے تھے کہ اگر مارلبرا کو ناکامی ہوئی تو اس کا نتیجہ قتل ہوگا اور صرف بلنہیم کی فتح نے اسے سیاسی تباہی سے بچالیا۔ ڈیوک رفتہ رفتہ اپنی مرضی کے خلاف اپنے فریق سے علیٰحدہ ہوکر اسی فریق میں جذب ہوگیا جو حقیقتہً اس کی حکمتِ عملی کا موئد تھا۔ اس نے بلنہیم کی قومی فتحمندی سے فائدہ اُٹھاکر پارلیمنٹ کو برطرف کردیا، اور جب اس کے حسب توقع ۱۷۰۵ء کے انتخاب میں حامیانِ جنگ کی کثرت ہوگئی تو اس نے وھگ سرگروہوں اور ان معتدل خیال ٹوریوں کی (جو ابتک اس کے ساتھ تھے) ایک

مشترک وزارت قائم کی۔ وہگوں کی موافقت اس طرح حاصل کی گئی کہ ایک وہگ ولیم کاؤپر کو لارڈ کیپر (محافظ مہرِ شاہی) بنایا گیا اور لارڈ سنڈرلینڈ کو بطور سفیر کے وائنا بھیجا گیا۔ اس اتحاد سے حامیِ امن فریق کے سخت سے سخت اعتراضات بھی بالکل بیکار ہوگئے اور مارلبرا کو بالآخر اندرونِ ملک کے معاملات کی طرف سے اطمینان ہوگیا مگر اسے ابھی بیرونِ ملک میں مایوسی سے سامنا کرنا تھا۔ دریائے موزیل کے خط پر حملہ کرنے کی تجویز شہنشاہی فوج کے انکار کرجانے سے چھوڑ دینا پڑی۔ جب وہ دریائے ڈیل کے پار فرانسیسی خط جنگ میں داخل ہوا تو ہالینڈی سپہ سالاروں نے اپنی فوجیں واپس لے لیں، علیٰ ہذا ڈیوک کی ویلزوا پر میدان واٹرلو میں حملہ کرنے کی تجویز کو پوری مجلسِ جنگ میں ہالینڈ کے نائبوں نے نامنظور کردیا اور انہوں نے اس تجویز پر "خونریزی اور قتل عام" کا شور مچا دیا۔ اس اعتراض سے مارلبرا کے چہرے پر سخت ناگواری و تلخ کامی کے آثار ظاہر ہوئے اور اس نے انگلستان کو لکھا کہ "اگر مجھے وہی اختیار حاصل ہوتا جو سال گزشتہ حاصل تھا تو میں فتح بلنہئیم سے بھی ایک بڑھی ہوئی فتح حاصل کرلیتا" اس کے شکایت کرنے پر ہالینڈ نے اپنے نمائندوں کو واپس بلالیا مگر اس میں ایک برس ضائع ہوگیا۔ اطالیہ میں اور دریائے رائن پر بھی کچھ بہتر نتیجے ظہور پذیر نہیں ہوئے، حلیفوں کا جوش صرف اسپین میں لارڈ پیٹربرا کی افسانہ نما مہموں کی وجہ سے قائم تھا۔ پیٹربرا اگرچہ ایک فضول خرچ، بے اصول

اور وہی شخص تھا مگر اس میں جنگ کی اصلی قابلیت موجود تھی
اور جب اس نے ایک مٹھی بھر آدمیوں سے بارسیلونا پر قبضہ
کرکے آراگون کی قدیم آزادیوں کو تسلیم کرلیا تو اس صوبے میں
شہنشاہ کے اس دوسرے بیٹے کی تائید کا جوش پیدا ہوگیا جسے
حلیفوں نے چارلس سوم کے نام سے اسپین کا بادشاہ تسلیم کیا تھا اور
بہت جلد کیٹولینا اور ویلنشیا بھی چارلس کو بادشاہ تسلیم کرنے میں آراگون
سے شریک ہوگئے۔ ادھر مارلبرا ۱۷۰۵ء کے موسم سرما میں وائنا،
برلن، ہینوور اور ہیگ سے مراسلات کرنے اور آئندہ کی مہم
کی تیاریوں میں وقت صرف کررہا تھا۔ وہ اپنے کام میں
آزادی کا خواہاں تھا اور ہالینڈ کے سپہ سالاروں کی طرح
شہنشاہی سپہ سالاروں سے بھی تنگ آگیا تھا، اس لئے اسنے
یہ تجویز کی کہ کوہ آلپس سے ہوکر اطالیہ میں ایک مہم لیجائے اگرچہ
اس کی یہ تجویز حلیفوں کی مخالفت کے باعث عمل میں نہ آسکی
مگر جب وہ دوبارہ ۱۷۰۶ء میں فلینڈرز آیا تو اسے پابندیوں
سے آزادی مل گئی تھی۔ مارلبرا کی طرح فرانسیسی مارشل ویلروا
بھی مقابلے کے لئے بیتاب تھا اور آخر ۲۳ مئی کو موضع
رامیلیز کے ناہموار میدان پر (جو برابانٹ میں سب سے
بلند مقام ہے)، دونوں فوجوں کا سامنا ہوا۔ فرانسیسی ایک
وسیع ہلال کی شکل میں صف آرا تھے اور ان کے سامنے دلدلی
زمین واقع تھی۔ مارلبرا نے ان کے بائیں بازو پر بناوٹ سے
فرار کی صورت ظاہر کی اور دوسری طرف بہ مقام رامیلیز

ان کے داھنے بازو پر ٹوٹ پڑا اور فوج کو خود اپنی سرکردگی میں لیکر ایک ہی شاندار حملے میں انھیں پامال کرڈالا اور تمام صفوں کو زیروزبر کردیا۔ اس ہزیمت خوردہ فوج نے لوڈین کی دیواروں کے نیچے جاکر سانس لی۔ ڈیڑہ گھنٹے کے اندر فرانسیسیوں نے اپنے پندرہ ہزار آدمی، تمام سازوسامان اور توپیں ضائع کردیں اور بروسلز، انٹیورپ، برور اور دریائے شیلٹ کے کنارے پر فاتحوں نے بطور غنیمت جنگ کے قبضہ کرلیا جنگ رامیلیز کے بعد چار کامیاب محاصروں نے فلینڈرز کو فرانسیسیوں سے بالکل خالی کرادیا۔

اسکاٹلینڈ کے ساتھ اتحاد

جس سال رامیلیز کی فتح ظہور میں آئی ہے وہ سال انگلستان اور اسکاٹلینڈ کے کامل اتحاد کی وجہ سے اور بھی زیادہ یادگار ہوگیا ہے۔ جس طرح رجعت شاہی کے بعد حکومت نے پہلا کام یہ کیا کہ ان دونوں ملکوں کے محالفہ سابقہ کو مٹادیا تھا، اسی طرح انقلاب کے بعد حکومت کی مقدم کوششوں میں ایک کوشش یہ بھی تھی کہ اس محالفے کو پھر قائم کردیں۔ لیکن مذہبی وتجارتی رقابتوں کے باعث یہ کارروائی مدت تک تعویق میں پڑی رہی۔ انگلستان کے قرضے کے کسی جزو کے قبول کرنے سے اسکاٹلینڈ نے انکار کردیا تھا۔ اور انگلستان اپنی جگہ پر نوآبادیوں کی تجارت میں اسکاٹلینڈ کو کوئی حصہ نہیں دینا چاہتا تھا۔ ایک طرف انگلستان کے اہلِ کلیسا یہ چاہتے تھے کہ سرحدِ انگلستان کے شمال میں بھی حکومتِ اساقفہ کو بحال کردیا جائے، دوسری

طرف اسکاٹلینڈ کے پریسبٹیرین اتنا بھی نہیں سننا چاہتے تھے کہ اسقفہ
کی حکومت کے ماننے والوں کے ساتھ قانونی رواداری جائز رکھی
جائے، لیکن ۱۷۰۳ء میں اسکاٹلینڈ کی پارلیمنٹ میں جو قانون
جانشینی منظور ہوا اس سے انگلستان کے مدبروں نے مزید تاخیر
کے خطرات کو سمجھ لیا۔ اس معاملے میں اسکاٹلینڈ کے وہگ جنہیں
صرف اپنے ملک کی آزادی مدنظر تھی، اسکاٹلینڈ کے ان حامیان
جیمز کے ساتھ شریک ہوگئے تھے جو صرف "مدعی سلطنت" کے
مفاد کے خواہاں تھے۔ حامیان جیمز نے اس قانون میں سے
شہزادی صوفیا کا نام خارج کردیا تھا۔ وہگوں نے ایک قید
یہ لگادی تھی کہ انگلستان کا کوئی بادشاہ اس وقت تک
اسکاٹلینڈ کا بادشاہ تسلیم نہیں کیا جائے گا جب تک کہ وہ
اہل اسکاٹلینڈ کے مذہب، ان کی آزادی اور ان کی تجارت
کی ضمانت نہ کرے۔ اس میں شک نہیں کہ اس کارروائی سے
سخت مشکلات کے پیش آجانے کا اندیشہ تھا کیونکہ اسکا منشا
یہ تھا کہ ملکہ کے انتقال کے بعد "مدعی سلطنت" کو اسکاٹلینڈ
کا بادشاہ تسلیم کرلیا جائے۔ اس پر بھی تین برس گزر جانے
کے بعد لارڈ سامرس کی دانشمندی و استقلال سے معاملات روبراہ ۱۷۰۶
ہوئے۔ اہل اسکاٹلینڈ کی تجویز یہ تھی کہ دونوں ملکوں کی مجلس
قانون سازی کے ایک کردینے کے بجائے، دونوں سلطنتیں
اپنی اپنی حیثیت سے قائم رہیں اور ان میں اتفاق باہمی
ہوجائے مگر سامرس نے اپنی استوار رائے سے اسے خارج

کردیا۔ اسی طرح انگریزی تاجروں کی تجارتی رقابتوں کو بھی پس پشت ڈال دیا، اور "قانون اتحاد" کی رو سے یہ قرار پایا کہ دونوں سلطنتیں برطانیہ عظمیٰ کے نام سے ایک سلطنت میں متحد ہوجائیں اور اس متحدہ سلطنت کے بادشاہ انگریزی قانون جانشینی کے شرائط کے، موافق تخت نشین ہوا کریں۔ اسکاٹلینڈ کے کلیسا اور اسکاٹلینڈ کے قانون میں کسی طرح دخل نہیں دیا گیا لیکن تجارت کے تمام حقوق سب کے لئے یکساں کردئے گئے اور ایک اصول پر جاری کردئے گئے۔ آئندہ سے ایک ہی پارلیمنٹ اس سلطنت متحدہ کی قائم مقام قرار پائی اور اس مقصد سے انگلستان کے دارالعوام کے پانچسو تیرہ اراکین میں اسکاٹلینڈ کے پینتالیس ارکان کا اضافہ کرلیا گیا۔ اور دارالامرا کے ایک سو آٹھ انگریزی امیروں میں، اسکاٹلینڈ کے سولہ قائم مقام امیر شامل کئے گئے۔ اسکاٹلینڈ میں اس کی مخالفت نہایت سخت اور تقریباً عام طور پر ہوی مگر پرسبٹیرین کے خوف کا یہ تدارک کیا گیا کہ "معاہدۂ اتحاد" میں ایک "قانون توثیق"، بھی شامل کرلیا گیا جس کا منشا یہ تھا کہ ہر ایک بادشاہ کے لئے تخت نشینی کے وقت یہ لازم ہوگا کہ وہ پرسبٹیرین کلیسا کی تائید کا حلف اٹھائے۔ لیکن پرجوش محبان وطن اور پیروانِ کیمرون کے سے مذہبی دیوانوں کو کسی توثیق سے اطمینان نہیں ہوسکتا تھا۔ حامیان جیمز نے فرانس سے فوج کی استدعا کی اور خاندان اسٹوارٹ کے واپس لانیکی

سازش کرنے لگے۔ وطن پرست یہ مشورے کر رہے تھے کہ جس پارلیمنٹ نے اتحاد کی منظوری دی ہے اس سے قطع تعلق کرلیں اور اس کے مقابلے میں ایک دوسری پارلیمنٹ قائم کریں۔ لیکن آخر میں تاجر طبقوں کی معاملہ فہمی اور وفاداری سے پروٹسٹنٹ جانشینی کا مسئلہ کامیاب ہوگیا۔ اسکاٹلینڈ کی پارلیمنٹ نے اس تجویز کو قبول کرلیا اور ۱۷۰۷ء میں "معاہدۂ اتحاد" نے قانون کی صورت اختیار کرلی اور ملکہ این نے نہایت ہی مناسب الفاظ میں اس کی منظوری دی۔ اس نے کہا کہ "میری یہ تمنا ہے اور مجھے اپنی دونوں قوموں کی رعایا سے یہ توقع ہے کہ وہ آئندہ ایک دوسرے کے ساتھ ہر ممکن طریقے سے عزت و محبت کا برتاؤ کرے گی تاکہ دنیا کو یہ معلوم ہو کہ وہ ایک قوم بنجانے کی دل سے خواہاں ہے" زمانے نے اس خیال کو توقع سے زیادہ پورا کر دکھایا اس اتحاد نے جن دو قوموں کو ایک کر دیا تھا وہ اس وقت سے ایک ہی رہیں۔ غداری و جنگ کے مسلسل خطرے سے انگلستان کو نجات مل گئی۔ اسکاٹلینڈ کے لئے دولت کے نئے راستے کھل گئے اور قوم نے اپنی محنت کے باعث ان وسائل سے حیرت انگیز فائدہ اٹھایا۔ لوتھین کے کھیت اب زرعی قابلیت کے نمونے بن گئے تھے۔ دریائے کلائڈ کا ایک ماہی گیری کا قصبہ گلاسگو کاسا دولتمند و آباد شہر ہوگیا۔ امن و تربیت نے ہالینڈ کے وحشی قبائل کو شبان و کسان بنادیا۔ اس کے ساتھ ہی اس تغیر سے قومی جوش میں

کسی طرح کا نقصان نہیں پیدا ہوا۔ اتحاد کے بعد اسکاٹلینڈ کی قومی مستعدی میں جیسی زور دار و تیز ترقی ہوئی اس کی نظیر دنیا میں مشکل سے ملے گی۔ اس اتحاد سے جو شئے مفقود ہوگئی وہ آپس کا رشک وحسد تھا جس نے اڈورڈ اول کے وقت سے ایک نسل اور ایک زبان بولنے والی قوم میں تفرقہ ڈال دیا تھا۔ اسکاٹلینڈ اور انگلستان کا اتحاد اسی وجہ سے حقیقی اتحاد ثابت ہوا کہ یہ ایک حقیقت نفس الامری کا قانونی اعتراف وعمل درآمد تھا۔

مارلبرا اور وہگ

رامیلیز کی شکست کے ساتھ فرانس کی پستی انتہائی حد کو پہنچ گئی۔ یوجین نے ایک فتح کے ذریعہ سے ٹیورین کو خلاصی دلادی اور اس طرح فلینڈرز کے نکل جانے کے بعد اطالیہ سے بھی فرانس کا قبضہ اُٹھ گیا۔ اسپین میں نہ صرف یہ کہ پیٹربرا اپنی جگہ پر جما رہا بلکہ چارلس سوم انگریزی و پرتگالی فوجوں کے ساتھ میڈرڈ میں داخل ہوگیا۔ مارلبرا کی ناموری اب اپنے انتہائی کمال کو پہنچ گئی تھی۔ ملکہ این کو وہگوں سے نفرت تھی مگر فتح رامیلیز سے مارلبرا کو اتنی قوت حاصل ہوگئی کہ اس نے ملکہ کو مجبور کردیا کہ اس کے عہد کے پورا کرنے کے لئے وہ لارڈ سنڈرلینڈ کو ملازمت میں لیلے، حالانکہ لارڈ موصوف وہگ سرگروہوں میں سب سے زیادہ سخت شخص تھا لیکن ۱۷۰۶ مارلبرا نے اب تک جو سیاسی توازن قائم کررکھا تھا وہ فوراً ہی متزلزل ہونا شروع ہوگیا۔ آئینی اعتبار سے مارلبرا کی یہ کوشش آخری کوشش تھی کہ انگلستان پر فریقانہ حکومت کو چھوڑ کر اور

طریقے سے حکمرانی کی جائے۔ انتہا پسند ٹوریوں سے علیحدہ ہونے کے بعد سے وہ مختلف فریقوں کے اتحاد باہمی کے لئے جو کوشش کر رہا تھا ان کا ناممکن العمل ہونا بہت جلد ثابت ہوگیا۔ ٹوریوں میں جنگ کی مخالفت بڑھتی جاتی تھی اور اس وجہ سے ڈیوک کا قیام وقرار یوماً فیوماً وہگوں کی تائید کا زیادہ محتاج ہوتا جاتا تھا۔ لیکن وہگ اپنی تائید بہت گراں قیمت پر فروخت کرتے تھے۔ سنڈرلینڈ کو فریقانہ حکومت کے خیالات اپنے باپ سے ورثے میں ملے تھے وہ یہ حتمی ارادہ کئے ہوئے تھا کہ صرف وہگوں کو شامل کر کے خالص نظم ونسق قائم کرے اور مارلبرا کے علی الرغم اعتدال پسند ٹوریوں تک کو عہدوں سے ہٹا دے۔ وہگ اس پر جس قسم کا دباؤ ڈال رہے تھے اس کی نسبت ڈیوک نے بہت خشمگیں الفاظ میں انگلستان کو لکھا تھا کہ ”محض اس وجہ سے کہ چند اشخاص خوش نہیں ہوتے انگلستان کو تباہ نہیں کیا جاسکتا“ اس تنفر میں مارلبرا تنہا نہیں تھا۔ ہارلے نے اپنے خارج کئے جانے کے خطرے کو پہلے ہی محسوس کرلیا تھا، اور مسز میشم کے وسیلے سے دربار میں وہگ اور مارلبرا دونوں کے خلاف سازشیں کر رہا تھا مسز میشم ملکہ کی خوابگاہ کی ایک خادمہ تھی اور ڈچز مارلبرا کے بجائے اب این کی نظر عنایت اسی کی طرف مبذول تھی۔ سینٹ جان جو اپنی ابتدائی ترقی کے لئے ڈیوک کی عنایت کا زیر بار احسان تھا وہ بھی اسی خوف سے ہارلے کی تجاویز میں شریک ہوگیا تھا۔ مارلبرا نے ان دونوں

کو پھر اپنا بنا لینے کی کوشش کی مگر وہ بری طرح سے اس فریق کے ہاتھوں میں گرفتار ہوگیا تھا جو جنگ کو مستقلاً جاری رکھنے کی تائید میں تھا۔ وگوں کے اپنے مخالفین کے ساتھ عارضی طور پر متحد ہوجانے سے ڈیوک نے اگرچہ پارلیمنٹ میں ایک غیر معمولی غصے کا اظہار کیا مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مزید مقاومت کے ناممکن ہونے کا اسے یقین ہوگیا۔ ملکہ کی مخالفت بھی بہت ہی سخت وناخوشگوار تھی۔ این دل سے ٹوری تھی اور مارلبرا نے جب وگوں کے مطالبات کے آگے سر جھکا دیا تو مارلبرا کی نسبت اس کا قدیم اعتماد جاتا رہا۔ اس نے صرف اپنے استعفے کی دھمکی سے ملکہ کو سنڈرلینڈ کے تقرر پر مجبور کیا تھا اور ڈچز نے اپنے شوہر کی خواہش کو جس تُند مزاجی کے ساتھ پیش کیا اس سے ملکہ کے دل میں دوستی کے بجائے اس کی طرف سے بغض پیدا ہوگیا۔

وگ فریق کی ظفریابی

مارلبرا نے یہ مجبوری وگ فریق کے جدید شرائط کو قبول کرکے اس تنفر کو اور بڑھا دیا۔ اس نے محض ٹوری ہونے کی وجہ سے پیٹربرا کو اس کے عہدۂ سپہ سالاری سے ہٹا دیا اور این کو بزور مجبور کیا کہ وہ ہارلے اور سینٹ جان اور ان کے ساتھ دوسرے اعتدال پسند ٹوریوں کو بھی معزول کردے۔ ان لوگوں کے معزول ہونے کے بعد وگوں کو پورا غلبہ حاصل ہوگیا۔ سامرس مجلس شاہی کا صدر اور وارٹن، آئرلینڈ کا لارڈ لفٹنٹ (نائب السلطنت) ہوگیا۔ نیچے درجے کی جگہیں بہت سے ایسے لوگوں کو ملیں جو آئندہ تاریخ انگلستان میں

کارہائے نمایاں انجام دینے والے تھے۔ انہی میں نوجوان ڈیوک نیوکاسل اور رابرٹ والپول بھی شامل تھے۔ اس دوران میں انگلستان سے باہر محاربہ عظیم برابر جاری تھا۔ کامیابی کی عجیب حالت تھی، کبھی ایک فریق کامیاب ہوتا کبھی دوسرا غالب آجاتا۔ فرانس، رامیلیز کی مصیبت اُٹھا کر بہت جلد سنبھل گیا۔ مقام المنزا پر مارشل بیروک کی ایک فتح سے اسپین نے دوبارہ فلپ کی اطاعت قبول کرلی۔ ویلیرز کو دریائے رائن پر نئی کامیابیاں حاصل ہوئیں، اور یوجین کو (جو پروونس کے اندر داخل ہوگیا تھا) اٹلی کی طرف پسپا ہونا پڑا۔ فلینڈرز میں ڈیوک مارلبرا کی عظیم الشان فتح سے جو فوائد حاصل ہونا چاہئے تھے، وہ ڈیوک واندوم کی جنگی تدابیر اور اہل ہالینڈ کے پس و پیش کے باعث ضائع ہوگئے۔ اہل ہالینڈ اب صلح کرنے کے تذبذب میں پڑے ہوئے تھے۔ لیکن ۱۷۰۸ء کی مہم میں واندوم پر اس کی کثرتِ سپاہ کے باوجود مقام اوڈنارڈ میں حملہ کردیا گیا اور اسے شکست ہوئی۔ اور اگرچہ انگریزی و ہالینڈی مدبروں کی وجہ سے مارلبرا فرانس کے قلب پر ضرب لگانے سے رہ گیا مگر سرحدی قلعوں میں سب سے زیادہ مضبوط قلعہ لیل کو اس نے مسخر کرلیا حالانکہ اس کی امداد کے لئے ایک لاکھ سپاہ سامنے موجود تھی۔ آخر شکست اور فرانس کے اندوہناک مصائب نے لیوئس کے غرور کو توڑ دیا۔ اسنے صلح کے ایسے شرائط پیش کئے جن میں ان تمام خواہشات کو

۱۷۰۷

جنگِ اوڈنارڈ

مان لیا گیا تھا جن کے لئے حلیف جنگ کر رہے تھے۔اس نے یہ منظور کرلیا کہ وہ فلپ شاہِ اسپین کو مدد نہ دیگا۔فلینڈرز کے دس قلعے اہل ہالینڈ کے حوالے کردیگا، اور عہدنامہ وسٹ فیلیا کے بعد سے شہنشاہی کے جن علاقوں پر اس نے قبضہ کرلیا ہے وہ اب واپس کردیگا۔اس نے یہ بھی منظور کیا کہ وہ این کو ملکہ انگلستان تسلیم کریگا، "مدعی سلطنت" کو اپنی مملکت سے خارج کردیگا اور ڈنکرک کی قلعہ بندیوں کو مسمار کردیگا۔ یہ بندرگاہ فرانس کے قزاقوں کا ماوی وملجا بنی ہوی تھی۔ اور اسی وجہ سے انگلستان کو اس سے نفرت تھی۔

انگلستان و جنگ مارلبرا کے خیال میں اب صلح کی طرف سے اطمینان نظر آتا تھا مگر اس کے مشوروں کے خلاف حلفا اور انگلستان کے وہگ وزرا یہ مطالبہ کر رہے تھے کہ لیوئس اپنی ہی فوج سے اپنے پوتے کو مجبور کرے کہ وہ اسپین کے تاج وتخت سے دست بردار ہوجائے۔بادشاہ نے جواب دیا کہ "اگر مجھے جنگ ہی کرنا ہو تو میں اپنے بچوں کے بجائے اپنے دشمنوں ہی سے کیوں نہ لڑوں"۔ اس نے نہایت مایوسی کے عالم میں فرانس سے امداد کی التجا کی اور فرانس اگرچہ خستہ ودرماندہ ہوگیا تھا مگر سنہ ۱۷۰۹ء کی مہم نے یہ ثابت کردیا کہ اس نے اپنے بادشاہ کی التجا کا کیسا شریفانہ جواب دیا ہے۔وہ مہیب خونریزی جو

مالپلاکے جنگ مالپلاکے کے نام سے مشہور ہے، فرانسیسی سپاہیوں کی ایک نئی طبیعت کا اظہار کرتی ہے۔ سپاہی بھوک سے

مر رہے تھے مگر انھوں نے لڑنے کے شوق میں اپنی خورا کیں پھینک دیں اور اختتام جنگ کے قریب قطار در قطار اس طرح مخالفین پر ٹوٹ پڑے کہ مارلبرا اپنی انتہائی کوششوں کے باوجود انکی صف کو توڑ نہ سکا۔ ان کے بارہ ہزار آدمیوں کا نقصان ہوا مگر ان کے خندقوں پر دباؤ ڈالنے میں حلیفوں کے دو چند سپاہی ضائع ہوئے۔ لوگ جنگ سے پہلے ہی عاجز آگئے تھے اس "خون کے سیلاب نے" اس نفرت و وحشت میں اور اضافہ کردیا۔ مارلبرا نے جب فرانس کے شرائط کو نامنظور کردیا تو اس پر ناواجب طور پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ اپنے نفع اور حصول طاقت کے خیال سے جنگ کو طول دینا چاہتا ہے۔ وگھوں کے خلاف ایک عام طوفان برپا ہوگیا۔ جس کی ابتدا یوں ہوئی کہ "ہائی چرچ کا ایک پادری ڈاکٹر سیکورل، سینٹ پال میں ایک معمولی سا بے لطف وعظ کہہ رہا تھا، اس وعظ میں اس نے عدم مقاومت کے اصول پر اس دلیری سے بحث کی اور مخالفین کو للکارا کہ اگر وہ کچھ داروگیر کرنا چاہتے ہیں تو وہ موجود ہے"۔ مارلبرا اور سامرس کی رائے کے خلاف وہگ وزرا، دارالامرا کے روبرو اس پر مقدمہ قائم کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ اس مقدمے نے ایک بہت بڑی جدوجہد کی صورت اختیار کرلی۔ سیکورل کی طرفداری کے عام جوش وخروش سے ظاہر ہوگیا کہ فریق وہگ اور جنگ کے خلاف کس قدر نفرت کا طوفان جمع ہو رہا تھا۔ اہل کلیسا میں جو نہایت ہی بلند رتبہ

ٹوری تھے وہ عدالت کے روبرو سیکورل کے پہلو بہ پہلو کھڑے تھے۔ عدالت میں جاتے وقت اور وہاں سے واپس آتے ہوئے عوام کا مجمع اس کے ساتھ ہوتا تھا سڑکوں پر ہر طرف کلیسا اور ڈاکٹر سیکورل کا شور مچا رہتا تھا۔ امرا نے ایک قلیل سی کثرت رائے سے اسے مجرم قرار دیا مگر انہوں نے جیسی خفیف سزا تجویز کی وہ بمنزلہ بری کردینے کی تھی۔ تمام ملک میں آگ روشن کی گئی اور چراغاں ہوا اور اسے ٹوریوں کی کامیابی قرار دیا گیا۔

مارلبرا کا زوال

وگوں نے جس فریق کو خاک میں ملا دینے کی کوشش کی تھی اس میں اب ایک نئی جان پیدا ہوگئی تھی۔ جنگ کے ابتدائی زمانے میں ٹوریوں کے جن سرگروہوں نے وزارت سے علیحدگی اختیار کی تھی وہ ہائی چرچ کے پیرو تھے لیکن اب ہارلے اور سینٹ جان کے اخراج سے ٹوریوں کو ایسے سرگروہ ل گئے جو ان ہائی چرچ والوں سے بدرجہا زیادہ ہوشیار و مستعد کار تھے۔ سینٹ جان نے سیاسی حملے کی ایک نئی صورت پیدا کی جس کی قوت کا احساس بہت جلد ہونے لگا۔ ایک رسالہ ایگزامنر کے نام سے جاری کیا گیا اور اس کے بعد بیشمار پمفلٹ اور موقت الشیوع رسالے جاری و شائع ہوئے۔ ان رسالوں میں پیرایہ نے مزاح کے طور پر سوئفٹ نے طنزیہ طرز میں اور خود سینٹ جان نے سوفسطائیانہ طریق پر جنگ کی اور مارلبرا کی خرابیاں ظاہر کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت

لکھا تھا کہ " ساٹھ نہیں کیا۔ سوئفٹ نے بہت ناگواری کے ساتھ
لاکھ کی امداد اور پانچ کروڑ کے قریب قرضہ ؟ بیشک ان بلند
رتبہ حلیفوں نے ہمیں تباہ کردیا ہے"۔ مارلبرا کا مضحکہ اڑایا جاتا اور
اس کی ہجو کی جاتی تھی۔ اس پر نخوت، ظلم وحرص، رشوت ستانی
وطمع کے الزامات لگائے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ اس کی
جرأت وہمت پر بھی شک ظاہر کیا جانے لگا۔ عوام کے خیالات
کے اس تغیر نے این کو فوراً ہی اس دباؤ سے آزاد کردیا جس
سے وہ مغلوب ہوگئی تھی، اور ہارلے وزارت کی بنیاد ہلا دینے
کے لئے ہوشیاری کے ساتھ ریشہ دوانیوں میں مشغول ہوگیا
وہگ یہ جانتے تھے کہ ان کے ساتھ ڈیوک کا اتحاد محض جنگ
کی مجبوری کے باعث ہے، اس لئے ان کے ذہن میں یہ
جما دینا آسان تھا کہ ملکہ کا مقصود صرف ڈیوک کو ذلیل کرنا ہے۔
پس وہ ڈیوک کے داماد سنڈرلینڈ اور اس کے دوست گاڈلفن
کی برطرفی کو خاموشی کے ساتھ دیکھتے رہے۔ دوسری طرف
مارلبرا کو یہ سبز باغ دکھایا گیا کہ اس کے سابق فریق (ٹوریوں)
سے پھر اس کی موافقت ہوجائے گی۔ پس جب این نے
وہگ وزرا کو برطرف کرکے ان کی جگہ ہارلے اور سنٹ جان دہگوں کی برطرفی
کی سرگردگی میں ٹوری وزارت مقرر کی تو وہ بھی خاموشی کے ۱۷۱۰
ساتھ دیکھتا رہا۔ لیکن سنٹ جان کی عیارانہ غداری کے
سامنے ہارلے کی سازشیں بھی گرد ہوگئیں۔ وہ اگرچہ مارلبرا
کو اس کے فوجی عہدے سے ہٹانے کے خیال پر متحکم تھا مگر

وہ ڈیوک کو برابر یہی اُمید دلاتا رہا کہ ٹوریوں سے اسکی مصالحت ہوجائے گی۔ یہاں تک کہ اس نے خود ڈیوک کی بیوی کی برطرفی پر ڈیوک کو راضی کرلیا اور اس سے یہ اقرار لے لیا کہ وہ ٹوریوں کی حکمتِ عملی کا ساتھ دیگا۔ ڈیوک کو یہ یقین ہوگیا کہ ٹوریوں کے ساتھ اس کی مصالحت ہوگئی ہے اور اس یقین کی بنا پر وہ ان رسالوں کو جو فلینڈرز میں اس کی فوج کی تقویت کا باعث ہوتے کناڈا کی ایک لاحاصل مہم پر بھیجنے کے لئے رضامند ہوگیا۔ فوج کی اس کمی کے باعث وہ اس قدر کمزور ہوگیا کہ آغاز سال ۱۷۱۱ء میں اس نے فرانس کے اندر داخل ہوجانے کی جو زبردست تجویز سوچی تھی اسے پوری نہ کرسکا۔ بلکہ اس قابل بھی نہ رہا کہ جنگ کے خطرے میں پڑسکے اور چند ساحلی قصبات پر قبضہ کرنے کے سوا اس سے کچھ نہ ہوسکا۔ سنٹ جان نے مہم کے ان حقیر نتائج سے فوراً یہ حجت قائم کردی کہ صلح کرلینا چاہیے۔ محالفہ اعظم کے ارکان میں باہم یہ عہد ہوگیا تھا کہ کوئی رکن فرانس سے علیحدہ مراسلت نہ کرے، مگر سنٹ جان نے (جو اب لارڈ بولنگبروک ہوگیا تھا)، اس کی
۱۷۱۱ کچھ پروا نہ کی اور انگلستان و فرانس کے مابین خفیہ طور پر معاملات طے کرنے لگا۔ اسی مقصد سے اس نے مارلبرا کی فوج کو گھٹا دیا تھا۔ ڈیوک پر جب یہ راز کھلا اس وقت اسے معلوم ہوا کہ اس کے ساتھ کیسی دغا کی گئی ہے اور آخر مجبور ہوکر اسنے ٹوری وزارت سے اپنے تعلقات منقطع کرلئے۔ وہ انگلستان واپس

آیا اور اس نے اپنی کوششوں سے دارالامرا کو اس امر پر راضی کرلیا
کہ وہ اس مجوزہ صلح پر ناپسندیدگی کا اظہار کرے، مگر دارالعوام اور ملکہ
کی تائید اور جنگ سے عوام الناس کی نفرت کے باعث ہارلے کو اتنی
قوت حاصل ہوگئی تھی کہ وہ ہر طرح کی مخالفت پر غالب آگیا۔ ۱۷۱۲ء
میں دارالامرا میں بارہ ٹوری امیروں کا اضافہ کرکے وگھوں کی کثرت
کو مٹادیا گیا۔ مارلبرا اپنے فوجی عہدے سے معزول کردیا گیا، اس پر
غبن کا الزام لگایا گیا اور دارالعوام نے اسے کثرت رائے سے مجرم
قرار دیا۔ ڈیوک فوراً ہی انگلستان سے چلا گیا اور اس کے جاتے ہی صلح
کی تمام مخالفتیں معدوم ہوگئیں÷

عہدنامہ یوٹرخیٹ ۱۷۱۳

مارلبرا کے فرار کے بعد فرانس، انگلستان اور اہل ہالینڈ میں بہ مقام
یوٹرخیٹ ایک معاہدہ ہوگیا اور اپنے حلیفوں کے الگ ہوجانے سے آخر
شہنشاہ نے بھی مجبور ہوکر بمقام راس اشٹاٹ صلح کرلی۔ ان عہدناموں
میں جنگ کا اصل مقصد (یعنے خاندان بوربن کو فرانس و اسپین دونوں
پر قابض ہونے سے روکا جانا) فوت ہوگیا "توازنِ قوت" کے خلاف
جن خطرات کے پیش آنے کا احتمال تھا ان کے متعلق کوئی پیشبندی نہیں
کی گئی۔ صرف یہ شرط قائم کی گئی کہ ایک ہی شخص کبھی دونوں ملکوں کا
بادشاہ نہ ہو اور فلپ تختِ فرانس کے جملہ حقوق سے دست بردار ہوجائے
یہ معاہدے جس اصول پر مبنی تھے وہ درحقیقت وہی سابق معاہدات
تقسیم کا اصول تھا۔ اسپین اور مقبوضات امریکہ، فلپ کے قبضے میں رہے مگر
اس نے اپنے اطالوی مقبوضات، مع نیدرلینڈز و جزیرہ سارڈینیا چارلس
(شاہ آسٹریا) کے حقوق کے پورا کرنیکے لئے دیدیئے۔ اور چارلس اب

شہنشاہ بھی ہوگیا تھا۔علاوہ بریں جزیرۂ سسلی، ڈیوک سیوائے کو دیدیا گیا۔
انگلستان کو اس نے نہ صرف منارکا بلکہ جبرالٹر بھی دیدیا۔ ان دونوں
مقامات پر قابض ہوجانے سے انگلستان کو بحیرۂ روم پر قابو حاصل ہوگیا۔
فرانس نے ہالینڈ کی سرحد کا سابق کی بہ نسبت زیادہ وسیع کیا جانا
منظور کرلیا۔ فرانسیسی قزاقوں کے متعلق انگریزوں کی شکایت مٹانے
کیلئے ڈنکرک کے قلعے مسمار کردیئے گئے اور تاج انگلستان کے متعلق نہ صرف
این اور خاندان ہینوور کے پروٹسٹنٹ جانشینوں کا حق تسلیم کیا گیا
بلکہ "مدعی سلطنت" کو سرزمین فرانس سے خارج کردینا بھی منظور کرلیا گیا۔

ہارلے اور بولنگبروک۔

ملکہ کی خرابی صحت نے جانشینی کے مسئلے کو اس وقت کا سب سے اہم
مسئلہ بنادیا تھا اور اسی مسئلے کی وجہ سے سیاسیات نے فرقہ بندی وسازش
کی صورت اختیار کرلی تھی۔ دارالعوام میں اب بھی وگھوں کی کثرت تھی اور
دارالامرا میں بھی انہوں نے ایک معاہدۂ تجارت کو شکست دیکر اپنے
فریق کا غلبہ ثابت کردیا تھا، اگر یہ معاہدۂ تجارت منظور ہوجاتا تو ولیم پٹ
کی سب سے بڑی مالی ناموری بولنگبروک کو پہلے ہی حاصل ہوجاتی اور
انگلستان وفرانس کے درمیان تجارت بالکل آزاد ہوجاتی۔ فرقہ وہگ،
والی ہینوور کی جانشینی کیلئے بہت سرگرم تھا اور ٹوریوں کے خیال میں
بھی اس کے سوا کوئی اور تجویز نہیں تھی مگر جانشینی کے بروے کار آنیکے
طریقے کی نسبت ہارلے اور بولنگبروک میں سخت اختلاف تھا ہارلے کا میلان
اسطرف تھا کہ اعتدال پسند ٹوریوں اور وگھوں کے درمیان اتحاد ہوجائے
اس کے برخلاف بولنگبروک اپنے مخالفین کو پوری طرح پست کر کے
ٹوریوں کو قوی کرنا چاہتا تھا۔اس کی رائے یہ تھی کہ والیِ ہینوور کے

ذاتی خیالات کچھ بھی ہوں بہ حیثیت بادشاہ کے اسے اپنے وزرا کی حکمت
علی پر چلنا پڑیگا۔ اپنے رقیب کے اثر کے مٹانے کیلئے اسنے ایک "سنزم بل"
(قانون تفریق) پیش کیا جسکی رو سے عام عبادت سے اتفاق نہ کرنیوالوں
کیلئے بہ حیثیت معلم مدرسہ یا اتالیق کے کام کرنے میں رکاوٹ پیدا ہوگئی
اور ٹوریوں اور دہگوں کے درمیان ہمیشہ سے زیادہ تفرقہ پڑگیا۔ جس سے
ہارلے کے منصوبے غارت ہوگئے لیکن اس قانون کی کامیابی اس کے
منشا سے بھی بڑھ کر ہوئی۔ دہگوں نے یہ خیال کیا کہ یہ قانون جیمز کے
لڑکوں کے دوبارہ بادشاہ بنانے کیلئے پہلا قدم ہے۔ خود شہزادی صوفیا
کو خوف پیدا ہوگیا اور ہینوور کے سفیر نے یہ مطالبہ کیا کہ والیٔ ہینوور
کے لڑکے کو (جو بعد میں جارج دوم ہوا) ڈیوک کیمبرج کا خطاب دیکر
پارلیمنٹ میں شامل کرلیا جائے، جس سے غرض یہ تھی کہ ملکہ کے
انتقال کی صورت میں ایک ہینووری شہزادہ انگلستان میں موجود
رہے۔ ملکہ کو اس پر غصہ آگیا اور بولنگبروک نے اسے بھڑکا دیا۔ ملکہ نے
شہزادی صوفیا کو متنبہ کردیا کہ "اس قسم کی حرکتوں سے خود جانشینی معرض
خطر میں آجائیگی"۔ این پر یہانتک اثر ڈالا گیا کہ اس نے ماہ جولائی میں
ہارلے کو (جو اب ارل آکسفورڈ ہوگیا تھا) موقوف کردیا اور ایک مستحکم
متحدہ ٹوری وزارت قائم کی جو والیٔ ہینوور کے مطالبے کے خلاف اسکی
تائید کرے۔ چونکہ یہ خطرہ قریب آتا جاتا تھا اسلئے دونوں فریق خانہ جنگی
کیلئے تیار ہوتے جاتے تھے۔ اوائل ۱۷۱۴ء میں وہگ بالکل آمادہ تھے کہ
ملکہ کے انتقال کے بعد شورش برپا کردیں اور انہوں نے اپنی سرگروہی
کیلئے مارلبرا کو فلینڈرز سے بلایا تھا تاکہ اسکے نام سے فوج انکی طرفدار

ہوجائے۔ دوسری طرف بولنگبروک ایک مضبوط ٹوری فریق قائم کرنا چاہتا تھا اور اسی خیال سے اسنے ڈیوک آرمنڈ کو (جسکی نسبت یہ معلوم تھا کہ وہ "مدعی سلطنت" کی جانشینی کا طرفدار ہے) "سنک پورٹز" کا وارڈن (محافظ) مقرر کردیا تھا کیونکہ تاج کے دونوں دعویداروں میں جو دعویدار بھی آتا انہی بندرگاہوں میں آتا۔ اسیطرح اسکاٹلینڈ پر اسنے جیمز کے ایک حامی ارل مار کو متعین کردیا۔ لیکن واقعات اس کے تجاویز کی نسبت زیادہ عجلت کے ساتھ ظہور میں آگئے۔ این پر یکایک سکتہ طاری ہوگیا۔ پریوی کاؤنسل (مجلس شاہی) فوراً طلب کیگئی اور اس خبر کے سننے سے ڈیوک آرگائل اور ڈیوک سمرسٹ بلا طلب مجلس شاہی میں آکر اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے یہ کارروائی ڈیوک شروسبری کی خفیہ موافقت سے ہوئی تھی۔ وہ اگرچہ اس ٹوری وزارت میں کاؤنسل کا صدر تھا مگر وہ بولنگبروک کا حریف مقابل اور خاندان ہینوور کی جانشینی کا موید تھا اس کارروائی نے اپنا قطعی نتیجہ دکھا دیا۔ خاندان ہینوور کا حق فوراً ہی تسلیم کرلیا گیا اور شروسبری کو مجلس نے وزیر خزانہ نامزد کردیا اور قریب مرگ ملکہ نے بھی اس نامزدگی کو قبول کرلیا۔ بولنگبروک اگرچہ بدستور وزارت پر قائم رہا مگر اسے معلوم ہوگیا کہ دفعتہً اسکے اختیارات سلب ہوگئے ہیں اور کوئی اسکی پروا نہیں کرتا اور مجلس شاہی حادثہ اتفاقی کے ضروریات کو پورا کرنے میں مشغول ہے۔ خانہ جنگی کے خوف سے چار رجمنٹیں پایہ تخت میں طلب کرلی گئی تھیں لیکن حامیان جیمز بالکل بے یار و مددگار تھے اور انہوں نے کسی قسم کی تیاری بھی نہیں کی تھی۔ ملکہ کے انتقال کے بعد شہزادہ جارج (دوائی ہینوور) جو اپنی ماں کے انتقال کیوجہ سے وارث تخت ہوگیا تھا، انگلستان کا بادشاہ مشتہر کردیا گیا اور کسی طرف سے ذرا بھی مخالفت نہیں ہوئی

این کی موت

جزو دہم

والپول

۱۷۱۲ ــــــــــــ ۱۷۴۲

اسناد۔ کتب ذیل سے ایک جانب کے حالات کے لئے خاص مواد حاصل ہوتا ہے۔

(۱) سر ابرٹ والپول کی سوانح عمری (Life of Sir Robert Walpole) مرتبہ کاکس،

(۲) ہاریس والپول کی یادگار عہد جارج دوم (Memoirs of the Reign of George II)

(۳) ہروی کا "دلچسپ تذکرہ" (Memoirs) جو جارج دوم کی تخت نشینی کے وقت سے شروع ہوکر ملکہ کیبرولین کے انتقال پر ختم ہوتا ہے۔ دوسری جانب کے کچھ اندرونی حالات بولنگبروک کے "خط بنام سر ولیم ونڈھم" اس کی تصنیف "محب وطن بادشاہ" (Patriot King) اور اس کے مراسلات سے معلوم ہوتے ہیں ہاریس والپول نے سر ہاریس مین کے نام جو خطوط لکھے ہیں ان سے اس کے باپ کے زوال کے تفصیلی حالات معلوم ہوتے ہیں۔

لارڈ اسٹینہوپ کی تاریخ انگلستان من ابتدائے صلح یوٹریخٹ (History of England from the peace of the Utrecht) سے اس کل زمانے کے متعلق درست و صائب کیفیت سے آگاہی ہوتی ہے۔

انگلستان و یورپ

جارج اول کے شاہ انگلستان ہوجانے سے یورپ کی سلطنتوں کے درمیان اس ملک کی حیثیت میں ایک نمایاں تغیر پیدا ہوگیا۔ شاہانِ پلینٹجنٹ کے وقت سے انگلستان کو معاملات یورپ سے سرسری تعلق کے علاوہ زیادہ گہرا لگاؤ نہیں رہا تھا۔ لیکن "انقلاب" نے اسے مجبور کردیا کہ وہ اقوام یورپ کے محالفۂ اعظم میں شریک ہوجائے۔ اس محالفے میں اگرچہ بعض واقعات شرمناک پیش آئے مگر صلح یوٹریخٹ نے خاندانِ بوربن کی ہوسناکی کے مقابلے میں انگلستان کو ایک سدِ آہنی بنادیا۔ اس انقلاب سے انگلستان نہ صرف یورپ کی طاقتوں میں اس طرح شامل ہوگیا کہ اِن سے نکلنا اس کے لئے دشوار ہوگیا بلکہ ان طاقتوں میں اس کی ایک خاص حیثیت بھی معین ہوگئی۔ اس محالفے اور جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ کی بڑی بڑی طاقتوں کے درمیان ایک طرح کا "توازن قوت" قائم ہوگیا مگر یہ توازن سلطنتوں کے کسی فطری مساوات کی بنا پر قائم نہیں ہوا تھا بلکہ ایک ایسی حالت پر مبنی تھا جو اس کشمکش عظیم کی متخاصم طاقتوں کے تھک جانے سے از خود پیدا ہوگئی تھی۔ توقع یہ تھی کہ جب ایکبار یہ توازن مسلم اور قائم ہوجائے گا تو پھر سیاسی حالات کے تغیر کے ساتھ ساتھ اسمیں اصلاح و ترمیم ہوتی رہے گی۔ عہدنامہ یوٹریخٹ اور اس کے بعد کے عہدناموں میں جو توازن تسلیم کرلیا گیا تھا، انگلستان اس کا

خاص محافظ بن گیا۔ تینوں جارج کے زمانے میں مدبّروں کے پرزور طریق عمل نے اس وقت سے انگلستان کی حکمت عملی پر اپنا اثر قائم کردیا ہے۔ صلح کے قائم رکھنے اور عہدناموں کی عزت کرنے کی کوششیں خواہ خودغرضی ہی پر مبنی سمجھی جائیں تاہم انگلستان نے ایک بار جس زنجیر کو پکڑلیا، پھر اسے ذرا بھی ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیا۔ قوم کی طبیعت اگرچہ جنگجوئی اور حصول غلبہ کی طرف مائل رہتی ہے مگر اس نے کبھی اس خیال کو ترک نہیں کیا کہ دنیا میں اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے لئے اور نیز اپنے گردو پیش کی قوموں کے لئے امن کو قائم رکھے۔ اور امن کی بہترین ضمانت یہی ہے کہ کیسی ہی مشکلات و تحریصات کیوں نہ پیش آئیں مگر بین الاقوامی قراردادوں اور معاہدوں کی توقیر کو برقرار رکھا جائے۔

انگلستان وخاندانِ ہینوور

انگلستان میں نئے بادشاہ کی تخت نشینی کے بعد ہی اہم سیاسی نتائج ظہور پذیر ہونے لگے۔ ولیم کی غیر ہردلعزیزی کے باعث بادشاہ کا جو اثر زائل ہوگیا تھا وہ این کے عہد میں پھر بحال ہوگیا، مگر این کے بعد جو دو بادشاہ ہوئے ان کے دور میں تاج کی طاقت بالکل معطل رہی۔ وہ بالکل اجنبی تھے اور ان کی ذات کے ساتھ وفاداری ممکن نہ تھی۔ اخلاقی حیثیت سے انھوں نے اپنے کو اس درجہ بے اثر بنا دیا تھا کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں تھا۔ لیکن یہ دونوں بادشاہ ایماندار اور معاملے کے صاف تھے، انھوں نے آئینی بادشاہ کی پر از وقعت

حیثیت کو صفائی کے ساتھ تسلیم کرلیا تھا۔ مگر ان دونوں میں سے کسی میں بھی وہ صفات موجود نہ تھے جن سے ان کی صداقت کا اثر عوام پر پڑتا۔ جارج اول تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک معزز درباری ہے۔ اسے صرف ایک فکر یہ رہا کرتی تھی کہ اپنے اور اپنے ندیموں کے لئے روپیہ حاصل کرے۔ جارج دوم کی کیفیت یہ تھی کہ وہ ایک قواعد لینے والا فوجی عہدہ دار معلوم ہوتا تھا۔ اسے یہ یقین ضرور تھا کہ وہ اپنے مملکت کا مالک ہے مگر اس کی ملکہ جو کچھ اسے سمجھا دیتی تھی اسی کو وہ دہرایا کرتا تھا اور ملکہ جو کچھ سیکھتی تھی وزرا سے سیکھتی تھی۔ اس زمانے کی مذاقیہ تحریروں میں ان کے درباروں کی جو کیفیتیں ابتک موجود ہیں، لوگ ان سے اچھی طرح مانوس ہیں۔ لیکن سیاسی حیثیت سے دونوں جارج کے نام تاریخ انگلستان میں مفقود سے نظر آتے ہیں۔ ولیم (آرنج) نہ صرف ایوانہائے پارلیمنٹ کے قوانین کو نامنظور کردیا کرتا تھا بلکہ غیر ملکی معاملات کی نگرانی اس نے خاص اپنے ہاتھ میں رکھی تھی۔ این نے اپنے کلیسائی تقررات کے اختیار میں مارلبرا تک کو دخل نہیں دیا اور اپنے وزرا کے جلسوں میں آخر تک خود صدارت کا کام انجام دیتی رہی۔ لیکن شاہانِ ہینوور کی تخت نشینی کے ساتھ ہی یہ خصوصیات جاتے رہے۔ این کے بعد سے کوئی بادشاہ وزرا کی مجلس میں شریک نہیں ہوا نہ کسی بادشاہ نے پارلیمنٹ کے منظور کردہ قانون کے ساتھ اتفاق کرنے سے انکار کیا۔ یہ البتہ ہوا کہ ذاتی ہینوور

شاہی اثر کا زوال

ہونے کی حیثیت سے بادشاہ برِ اعظم کے معاملات میں اب بھی دخل دیتا رہا، اور اس شخصی مداخلت کا نتیجہ صرف یہ ہوا کہ جوش رقابت تو بڑھا لیکن بادشاہ کے انگریز مشیروں کی غیر ملکی حکمت عملی پر اس کا بہت ہی خفیف اثر پڑا۔ خلاصہ یہ کہ انگلستان کی حکومت اب بادشاہ کے ہاتھ میں نہیں رہی تھی بلکہ اس کے وھگ وزرا کے ہاتھ میں آگئی تھی۔ وھگوں کو اپنے سیاسی مخالفین کے کسی بااثر دباؤ کا بھی خوف باقی نہیں رہا تھا۔ این کے انتقال کے بعد بولنگبروک نے لکھا تھا کہ "ٹوری فریق کا خاتمہ ہوگیا"
نئے بادشاہ کے وقت میں جو پہلا دارالعوام جمع ہوا اس میں شاید ہی پچاس ٹوری ارکان رہے ہونگے۔ اس کے ساتھ ہی آپس کے سخت مناقشے نے ملک میں ان کی قوت کو توڑ دیا اور ان میں جو زیادہ پرجوش افراد تھے وہ اس عالم مایوسی میں "مدعی سلطنت" کی طرف مائل ہوگئے۔ لارڈ آکسفورڈ پر مقدمہ چلایا گیا اور اسے ٹاور میں بھیجدیا گیا۔ بولنگبروک اور ڈیوک آرمنڈ انگلستان سے بھاگ گئے تاکہ شاہ جیمز کے بیٹے کی ماتحتی میں کام کریں۔ اندرون ملک میں سر ولیم ونڈھم نے ان کی کوششوں کی اس طرح تائید کی کہ ٹوری فریق میں جو لوگ باقی رہ گئے تھے ان کو مجتمع کرکے حامیان جیمز کا ایک گروہ مرتب کیا۔ اس گروہ بندی سے "مدعی سلطنت" کو تو کچھ ایسا نفع نہ پہنچا مگر ٹوری فریق کے معاملات درہم و برہم ہوگئے۔ شاہان اسٹوارٹ کی واپسی کو انگلستان ابتک ناپسند کرتا تھا۔ اور حامیان جیمز کی

ٹوریوں کی برطرفی

تجویزوں کے شبہے کے باعث نہ صرف تاجروں کا طبقہ ان سے الگ ہوگیا بلکہ عام پادریوں اور متوسط الحال اشخاص کا جوش بھی سرد پڑگیا۔ تاجر اس وجہ سے گھبراتے تھے کہ حامیانِ جیمز اگر سلطنت کے قرضے سے انکار کردیں گے تو اس سے انگلستان کی عام ساکھ کو سخت نقصان پہنچ جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی عام طور پر مشہور ہوگیا تھا کہ اس فرقہ بندی سے نئے بادشاہ کے دل میں فرقۂ ٹوری کے تمام لوگوں کی طرف سے سخت بے اعتمادی پیدا ہوگئی ہے۔ بادشاہ اب وہگوں کی طرف مائل بھی ہوگیا تھا۔ وہگوں کے لئے کلیسا ابتک سنگ راہ بنا ہوا تھا مگر اب اس کی سیاسی اہمیت اسقدر کم ہوگئی تھی کہ اس سے کوئی خطرہ باقی نہیں رہا تھا۔ تیس برس سے زائد تک وہگوں نے انگلستان پر حکومت کی، لیکن ان کی اس طولانی حکومت کی بنا صرف بادشاہ کی تائید یا ٹوریوں کی آپس کی فرقہ بندی ہی پر منحصر نہیں تھی بلکہ ایک حد تک اس کا باعث خود انکے فریق کا اعلیٰ نظم و انضباط بھی تھا۔ ان کے مخالفین اپنے اصول کے اختلافات کی وجہ سے آپس میں منقسم تھے اور ان میں کوئی اعلیٰ قابلیت کا سرگروہ بھی نہیں تھا۔ اس کے برخلاف وھگ فریق کا ایک ایک شخص انقلاب کے اصولوں پر جما ہوا تھا اور اس میں بڑے بڑے سرگروہ ایسے پیدا ہوگئے تھے جو ان اصولوں کو عملی شکل میں لانے کی قابلیت رکھتے تھے۔ اس فریق کے تمام لوگ قابل قدر انضباط کے ساتھ

وہگوں کی حکومت

ایک مختصر جماعت کی رہبری کے سامنے سر اطاعت خم کئے ہوئے تھے۔ اس جماعت میں خاندانہائے، بنٹنک، کیمنز، کیمبل، اور کیونڈش کے بڑے بڑے امرا، فٹنریوائے لیناکس، رسل اور گرنویل کے سے خاندان کے لوگ شامل تھے، جنھوں نے شاہانِ اسٹوارٹ کی واپسی کی ہر ممکن طریق سے مخالفت کی تھی، انقلاب میں شریک تھے، اور اپنی کوششوں سے خاندانِ ہینوور کو تخت نشین کردیا تھا، اور ان خدمات کی وجہ سے سلطنت کے اختیار و اقتدار پر ان کا حق قائم ہوگیا تھا۔ لیکن اس دیرپا قوت کا ایک اس سے بھی وسیع تر سبب یہ تھا کہ وھگ پوری تندہی کے ساتھ دارا لعوام میں فوقیت حاصل کرنے اور اپنی حاصل شدہ فوقیت کو قائم رکھنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ تجارتی طبقات اور بڑے بڑے قصبات کی تائید حاصل کرنے کا صرف یہی ایک ذریعہ نہیں تھا کہ حکومت کی ساکھ مضبوطی کے ساتھ قائم رکھی جاتی تھی بلکہ ہر وزارت تجارتی و مالی معاملات پر خاص توجہ کرتی تھی۔ صلح اور تخفیف لگان نے کسانوں اور زمینداروں کو راضی کردیا تھا، اور چونکہ متوسط الحال طبقات کی ہمدردی حامیانِ جیمز کی طرف تھی اور اس بنا پر وہ سیاسیات میں دخل دینے سے کنارہ کش رہتے تھے، اسلئے کچھ زمانے کے لئے صوبوں کی قائم مقامی بھی وھگوں کے ہاتھ میں آگئی تھی۔ صوبوں کے ارکان اگرچہ تعداد میں کم ہوتے تھے مگر دارالعوام میں ان کا اقتدار زیادہ تھا۔ اس گروہ کی بھی کئی برس تک

وھگ اور پارلیمنٹ